شمارہ: 6 2019
اپریل، مئی، جون



مدیر: اے آر خان

سہ ماہی

قندیل حق لندن

LONDON

QINDEEL-E-HAQ

alibhatti602@gmail.com (M) 0022792195433
A.R. KHAN
Ph: +44-7886304637 E-Mail : qindeelehaq@gmail.com



مقام ظہور قدرت ثانیہ، قادیان

یہ وہ جگہ ہے جہاں پر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد 27 مئی 1908ء کو جماعت احمدیہ میں خلافت کے نظام کی شروعات ہوئیں

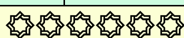


مسجد احمدیہ چک نمبر 2ٹی ڈی اے خوشاب

یہ چک نمبر ۲ ٹی ڈی اے خوشاب پنجاب کی مسجد جماعت احمدیہ کی تصویر ہے۔ جو کہ ۱۹۵۸ میں تعمیر کی گئی۔ ۱۹۹۷ میں دوبارہ تعمیر ہوئی۔جس کے نام پر حکومت کی طرف سے پانچ ایکڑ زرعی اراضی بھی ہے۔
جسے مولانا ڈیزل کے بھائی ضیاء الرحمن نے دو سال پہلے بطور ڈی سی او خوشاب مقفل کیا۔ پھر ملاؤں کو قبضہ دیا گیا۔ ساتھ ایک مکان بھی برائے امام مسجد ہے۔جس پر جشن منایا گیا۔ اب پھر DCO خوشاب ارشد منظور کی اشیر باد پر غاصبانِ ختم نبوت نے اُسے زمین بوس کر دیا ہے۔جبکہ یہ سب قانون کی خلاف ورزی ہے۔

فہرست

فہرست





اداریہ

ہمارے مقاصد



رانا عبدالرزاق خان۔لندن

اس میگزین کو شائع کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ وقت کے امام کے نظام اور کام کے متعلق عوام الناس کو بتایا جائے۔قرآن اور سنت کی روشنی میں امام الزمان کے فرمودات کے مطابق،حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس کے خطبات اور نصائح سے مطلع کیا جائے۔اس دورِ جہالت میں طاغوتی طاقتوں نے جو اُودھم مچایا ہوا ہے۔عوام الناس کو اپنی من پسند قرآن کی تفسیروں میں اُلجھایا ہوا ہے۔ہر چیز کو سیاست اور اپنے مفادات کے حصول کے لئے اپنایا ہوا ہے۔امام وقت ہی حکم اور عدل ہے۔اب ہم سب کو اسی کی اطاعت کو قبول کر کے مصنوعی خداؤں کو خیر باد کہنا ہے۔دجال اور یاجوج ماجوج کی مکاریوں سے پردہ اُٹھانا ہے۔علمائے سُو کی عیاریوں اور ہتھکنڈوں کو تہس نہس کرنا ہے۔یزیدی طاقتوں کا قلع قمع کرنا ہے۔ہر مومن خلافت احمدیہ کا نمائندہ اور دست و بازو ہے۔ہم نے قول وعمل سے اور خلافت احمدیہ کی اطاعت سے انقلاب لا کر دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علَم کو ہمیشہ کے لئے بلند کرنا ہے۔کذب بیانی،دجل اور فریب نے انسان کو خدا تعالیٰ سے دور کر دیا ہے۔علمائے سُو کی آستینوں سے بت نکال کر ان کو پاش پاش کرنا ہے۔ہمیں تو حکم اذاں ہے لا الا اللہ۔

لاکھوں میڈیا کے ابلیس ہذیان بکنے پر مقرر ہیں۔مشرک ہیں،بت پرست،انا پرست،شکم پرست ہیں۔اُن سے ہمارا مقابلہ ہے ہم اسلام کے داعی ہیں۔فتح ہمارا نصیب ہے۔بلکہ اب تو قریب ہے۔دجال نے اپنا پورا زور لگا رکھا ہے۔ہم بھی بقدر ہمت ان کا مقابلہ کریں۔گھبرانا نہیں۔خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

اس میگزین کو پڑھیں اور دیگر دوستوں کو بھی ارسال کریں،ای میل کریں،اپنے مضامین اور مراسلے کھلے دل سے ارسال کریں تا کہ ہم اطاعت اور اشاعت سے خلافت اسلام واحمدیت کا حق ادا کرنے والے ہوں۔اے اللہ تو ایسا ہی کر۔آمین۔







رمضان المبارک کے آداب اوراس کی عظمت وشان

امام سید شمشاد احمد ناصر۔ڈیٹرائٹ امریکہ



اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانان عالم کو ایک مرتبہ پھر رمضان المبارک کے بابرکت ایام نصیب ہونے جا رہے ہیں، اور خوش قسمت ہوں گے وہ لوگ جو ان دنوں سے بھر پور فائدہ اٹھا کر اپنے رب کا قرب، اس کی خوشنودی، اس کا رحم اور فضل اور برکتیں تلاش کریں گے جو ان بابرکت ایام میں اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھی ہیں۔

خود رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کے ایام اور اس بابرکت مہینہ کی عظمت اور شان اس طرح بیان فرمائی ہے۔

عظمت رمضان:

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ کو ہم سے خطاب فرمایا:

اے لوگو! تم پر ایک بڑی عظمت اور شان والا مہینہ سایہ کرنے والا ہے۔ ہاں! ایک برکتوں والا مہینہ جس میں ایک ایسی رات ہے جو ثواب وفضیلت کے لحاظ سے ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی رات کی عبادت کو نفل ٹھہرایا ہے...... یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ اور یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اور ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے......

آنحضرت ﷺ نے اس بابرکت مہینہ کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ یہ ایسا مہینہ ہے جس کی ابتداء نزولِ رحمت ہے اور جس کا وسط مغفرت کا وقت ہے اور جس کا آخر کامل اجر پانے یعنی آگ سے نجات پانے کا زمانہ ہے۔

(بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح۔تحفۃ الصیام صفحہ 28)

ایک اور حدیث جو مسلم کتاب الصیام میں درج ہے اور اس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں عظمت رمضان کے بارے میں آپؐ فرماتے ہیں:

''جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے خوب کھول دیئے جاتے ہیں اور آگ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان جکڑ دیئے جاتے ہیں۔''

حضرت ابوہریرہؓ سے ہی ایک اور روایت مسلم کتاب الصیام میں آتی ہے۔

فرمایا: جب رمضان آتا ہے تو رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیریں ڈال دی جاتی ہیں۔

ایک حدیث میں ''دَخَلَ رَمَضَانَ'' کے الفاظ ہیں یعنی جب کوئی شخص رمضان کو اپنے اندر داخل کر لے تو پھر رحمت کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں اور وہ نیک اعمال بجالا کر جہنم کے دروازوں کو بند کر لیتا ہے اور ایسے شخص کی اپنی کوششوں اور خدا کے فضل سے اس کا شیطان بھی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔ وباللہ التوفیق۔ اگر آپ اپنے ماحول کا غور سے جائزہ لیں تو یہ بات سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے گی کہ کئی لوگوں کے شیطان کھلے رہتے ہیں باوجود اس کے کہ وہ رمضان کے مہینہ میں ہی ہوتے ہیں۔ رشوت ستانی، جھوٹ، غیبت، تہمت، چوری، ڈکیتی، مہنگائی، لوگوں کے حقوق غصب کر کے، تو ایسے لوگوں کا شیطان کھلا ہی رہتا ہے۔ شیطان کو انسان خود ہی زنجیر ڈالتا ہے اور وہ اس کے نیکی کے اعمال ہیں۔''

(تحفۃ الصیام صفحہ 33)

روزہ کی اصل غرض:

اسلام میں مختلف قسم کی عبادات کا مقصد تزکیہ نفس ہی ہے نماز سے بھی یہی غرض ہے، زکوٰۃ سے بھی یہی غرض ہے روزہ سے بھی یہی غرض مقصود ہے وعلیٰ ہذا القیاس یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''روزے ڈھال ہیں پس روزہ کی حالت میں نہ کوئی شہوانی بات کرے نہ جہالت اور نادانی کرے اور اگر کوئی اس سے لڑائی یا گالی گلوچ کرے تو وہ کہے میں روزہ دار ہوں میں روزہ دار ہوں۔'' (بخاری کتاب الصوم)

حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کی روایت ہے کہ روزہ اس وقت تک ڈھال کا کام دیتا ہے جب تک روزہ دار خود اس ڈھال کو گزند نہ پہنچائے اور اس میں کوئی ٹوٹ پھوٹ اور رخنہ نہ ہونے دے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ روزہ ڈھال ہے اور آگ سے بچانے کے لئے حصن حصین ہے۔ اور خدا کے عذاب سے بچانے کا ذریعہ۔

(تحفۃ الصیام صفحہ 39)

حضرت ابوہریرہؓ سے ہی روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ جو روزہ دار جھوٹی بات اور غلط کام نہیں چھوڑتا اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔ (بخاری کتاب الصوم)

پس اگر کوئی شخص روزہ کے آداب کا لحاظ اور خیال نہیں رکھتا تو اس کا محض بھوکا پیاسا رہنا اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ روزہ صرف بھوکا پیاسا رہنے کا نام نہیں بلکہ

ایک عبادت ہے جو مقررہ شرائط کے ساتھ فرض ہے لیکن کئی بدقسمت ایسے بھی ہوتے ہیں جو بادی النظر میں تو روزہ رکھتے ہیں مگر اس کے اعلیٰ ثواب سے غلط کام اور لغو کام سرانجام دے کر ثواب سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک روایت اس مضمون کو مزید یوں کھولتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

''کئی روزہ دار ایسے ہیں جن کو ان کے روزہ سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی رات کو اٹھ کر عبادت کرنے والے ہیں مگر ان کو سوائے بیداری اور بے خوابی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''

1۔ نماز باجماعت

نماز مسلمانوں پر باجماعت ہی فرض قرار دی گئی ہے۔ سب سے اول بات جاننے کی یہی ہے کہ نماز باجماعت ہی ادا کی جائے اس کے لئے پوری کوشش کی جائے۔

اس وقت مساجد میں نمازیوں کی کمی محسوس ہو رہی ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ مصروفیت بہت زیادہ ہے، مساجد دور دور ہیں، کام اور جاب سے فراغت نہیں ملتی، وغیرہ وغیرہ۔ ہمیں یہ اختیار تو نہیں کہ کسی کے جج مقرر ہو جائیں ہر شخص اپنی مصروفیت کو خوب جانتا ہے مگر چند چیزیں اور امور ایسے ہیں کہ اگر ہم وہ کر لیں تو ہمیں ثواب ملے گا۔ ان میں اول یہ ہے کہ ہم نماز باجماعت کی اور مسجد جانے کی نیت کریں۔ اور پکی نیت کریں کہ ہر حال میں ہم نے جانا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے سامان مہیا کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ When there is will there is a way۔ اگر دل میں پختہ عزم ہو تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ نیت کے بعد اگر کوئی موانع ہو جائیں تو اس کو نماز باجماعت کا ثواب مل جائے گا۔

دوسرے اگر واقعۃً گھر مسجد سے دور بہت دور ہے تو پھر گھر میں فیملی کو اکٹھا کر کے سب کے ساتھ نماز باجماعت پڑھ لی جائے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سات ایسے اشخاص ہوں گے جن پر خدا کے سایہ کے علاوہ اور کسی کا سایہ رحمت نہ ہوگا اور ان میں ایک وہ شخص ہے ''وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ'' کہ جس کا دل مسجد میں لٹکا رہے۔
(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب فضل اخفاء الصدقۃ)

فجر اور عشاء کی نماز پر آنے والوں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی مہمانی کرتا ہے۔

پس رمضان میں نماز باجماعت کا خاص اہتمام فرمائیں کہ یہ قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ برائیوں سے روکنے کا ذریعہ اور مومن کی معراج ہے۔

2۔ نماز تہجد کا قیام

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل میں نماز تہجد کے بارے میں یوں بیان فرمایا ہے:

اور رات کو بھی تو اس قرآن کے ذریعہ سے کچھ سو لینے کے بعد شب بیداری کیا کر جو تجھ پر ایک زائد انعام ہے۔ (17:80)

اس آیت کریمہ میں نماز تہجد کی فضیلت بیان ہوئی ہے نیز یہ کہ دن کے وقت آنحضرت ﷺ کے کاموں کی ایک لمبی فہرست ہے مگر پھر بھی نماز تہجد کا اس قدر التزام تھا کہ خدا کے حضور کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے تھے اس لئے ضروری ہے کہ رمضان کی راتوں میں سحری کے کے وقت نوافل ادا کرنے کی ضرور کوشش کرنی چاہئے۔ خواہ دو یا چار نوافل ہی کیوں نہ پڑھیں۔ اگر آپ نے نماز تراویح بھی پڑھی ہے پھر بھی اصل قیام اللیل یعنی نماز تہجد کی سنت کا ضرور التزام کریں کہ یہ قبولیت دعا کا خاص وقت بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی راتوں میں عبادت کرنے کے لئے خاص تحریک و ترغیب فرمایا کرتے تھے۔

بخاری کتاب الصوم میں یہ حدیث بھی آتی ہے آپؐ نے فرمایا:
جو شخص ایمان کے تقاضے اور ثواب کی نیت سے رمضان کی راتوں میں اٹھ کر نماز پڑھتا ہے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

ترمذی کتاب الدعوات میں یہ حدیث بھی آتی ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے ہی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہمارا رب ہر رات قریبی آسمان تک نزول فرماتا ہے جس رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے جو مجھے پکارے تو میں اس کا جواب دوں! کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اس کو دوں! کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اس کو بخش دوں!

3۔ نماز تراویح

رمضان المبارک میں نماز تراویح بھی ادا کی جاتی ہے۔ اصل تو نماز تہجد ہی ہے۔ لیکن نماز تراویح بھی ادا کرنی چاہئے۔ حصول ثواب کا ایک موقع ہے جس میں قرآن سنا جاتا ہے اور قرآن سننے کا الگ ثواب ہے۔ جو دوست نماز تراویح پڑھتے ہیں انہیں نماز تہجد کی بھی ادائیگی کرنی چاہئے۔ اگر نماز تراویح ادا نہ ہو سکی ہو تو روزہ پھر بھی رکھا جانا چاہئے۔ اس ضمن میں ایک اور بات نوجوان طبقہ کے لئے عرض کروں گا کہ بعض اوقات نوجوان طبقہ نماز تراویح نہیں پڑھتا۔ حالانکہ جب آپ مسجد کے احاطہ میں ہیں تو آپ کو اس میں ضرور شامل ہونا چاہئے ورنہ گھر جا کر جلدی سوئیں تا کہ صبح نماز تہجد کے لئے بیداری ہو سکے۔ اس وقت کو باتوں میں یا کھیل کود میں ضائع نہ کرنا چاہئے۔ بعض اوقات بچے نماز تراویح میں بھی شامل نہیں ہوتے اور والدین کے انتظار میں مسجد کے احاطہ یا ماحول میں باتیں کرتے رہتے یا شور ڈالتے پھرتے ہیں۔ اس سے اجتناب ضروری ہے۔ اول تو یہی ہے کہ رمضان میں جتنی بھی نیکیوں کی توفیق ملے کر لینی چاہئیں۔ اگر نماز تراویح نہیں پڑھنی اور آپ کی کوشش یہ

ہو کہ نماز تہجد ادا کرنی ہے تو وہ تو بہت بہتر ہے لیکن ماحول میں شور نہ ہو جس سے نماز پڑھنے والوں کی نماز میں خلل واقع ہو جائے۔

4۔ذکر الٰہی

رمضان المبارک میں خصوصاً لیکن عام دنوں میں بھی انسان اپنے آپ کو فضول باتوں سے بچائے اور اپنی زبان کو ذکر الٰہی سے تر رکھے۔احادیث میں ذکر الٰہی کی بھی بہت فضیلت آتی ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے لوگو!''جنت کے باغوں میں چرنے کی کوشش کرو۔''ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! جنت کے باغ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ذکر کی مجالس جنت کے باغ ہیں۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 127)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو، فرشتے اس جماعت کو گھیر لیتے ہیں، اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔اللہ کی سکینت ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ فرشتوں کی مجلس میں فرماتے ہیں۔''(مسلم باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن)

حضرت ابوسعید خدریؓ ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج قیامت کے میدان میں جمع ہونے والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت و احترام والے کون لوگ ہیں۔عرض کیا گیا: یہ عزت و احترام والے کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا:''مجالس الذکر فی المساجد'' مساجد میں ذکر کی مجالس والے۔

(مسند احمد،مجمع الزوائد)

یہاں پر یہ بات لکھنی فائدہ مند ہوگی کہ ذکر الٰہی میں جہاں انسان درود شریف تسبیح و تہلیل، حمد و ثناء اللہ تعالیٰ کی بیان کرتا ہے، وہاں نماز بھی ذکر الٰہی میں آتی ہے۔تلاوت قرآن کریم بھی ذکر الٰہی میں شامل ہے۔اور نوافل کی کثرت بھی ذکرِ الٰہی میں شامل ہے۔اس لئے زیادہ سے زیادہ وقت خصوصاً رمضان المبارک میں انسان ذکر الٰہی کرتا رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور اللہ کے خوف سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ جائیں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہ دیں گے۔ (مستدرک حاکم)

5۔تلاوت قرآن کریم

قرآن کریم کا رمضان المبارک سے گہرا تعلق ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:''رمضان کلام الٰہی کو یاد کرانے کا مہینہ ہے اس لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس مہینہ میں قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کرنی چاہئے۔'' (تفسیر سورۃ بقرۃ)

پس اس سے رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ رمضان کا مہینہ قرآن کریم کی سالگرہ کا مہینہ ہے اور اس کی سالگرہ یہی ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق حاصل کی جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن روزے اور قرآن بندے کے لئے شفاعت کریں گے روزہ کہے گا اے میرے رب میں نے اس شخص کو دن کے وقت کھانے پینے سے روکا (اور یہ رک گیا) پس میری سفارش اس کے بارے میں قبول فرما اور قرآن کہے گا۔اے میرے رب! میں نے اس شخص کو رات سونے سے روک دیا تھا (یہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر قرآن پڑھتا تھا) پس اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔پس ان دونوں کی یہ شفاعت اور سفارش قبول کی جائے گی۔(یعنی اسے بخش دیا جائے گا)

(بیہقی شعب الایمان)

حضرت امام الزمان علیہ السلام فرماتے ہیں:

''تم قرآن کو تدبر سے پڑھو۔اور اس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا۔''(کشتی نوح)

پھر فرماتے ہیں:

''سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب الٰہی کو پڑھو، بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن جھکا رہے۔ہماری جماعت کو چاہئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں۔اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے اس نور کے آگے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی۔''

(الحکم 17 اکتوبر 1900)

قرآن کریم کی تلاوت۔سوچ سمجھ کر پڑھنا پھر اس پر عمل کرنے کی توفیق خدا تعالیٰ سے چاہنا اور اس کے لئے دعائیں کرنا بھی بہت ضروری ہے۔

6۔درس القرآن

رمضان المبارک کے بابرکت ایام میں خصوصیت کے ساتھ مساجد میں کہیں 4 گھنٹے، کہیں 3 گھنٹے، کہیں ایک گھنٹہ روزانہ درس القرآن بھی ہوتا ہے اور احباب اس میں شامل ہوتے ہیں۔شامل ہونے والوں کو کئی لحاظ سے اجر ملتا ہے۔مثلاً یہی کہ قران کریم سنا جاتا ہے اور قرآن سننے پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایسے شخص پر رحم ہوتا

ہے۔ پھر یہی قرآن سننا اور درس القرآن، ذکر الٰہی کی بھی مجلس بن جاتی ہے جس کی فضیلت پہلے گزر چکی ہے کہ ایسی مجلس پر فرشتے آتے ہیں اور اپنے پروں سے انہیں گھیر لیتے ہیں ان پر رحمت وسکینت نازل ہوتی اور پھر ان کی مغفرت کا اعلان ہو جاتا ہے۔

پس ایسے دوست واحباب جو درس القرآن میں شامل نہیں ہوتے وہ کوشش کریں اور اس طرح بھی نیکیاں کمانے کی طرف توجہ کریں اور اس ثواب سے محروم نہ ہوں جو مغفرت کا ذریعہ ہے۔ یہی تو رمضان کا مقصد ہے۔

7۔ رمضان اور دعائیں

حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

''رمضان میں اللہ کا ذکر کرنے والا بخشا جاتا ہے اور اس ماہ اللہ سے مانگنے والا کبھی نامراد نہیں رہتا۔'' (جامع الصغیر)

دعاؤں سے انسان اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ اس کی روحانیت بڑھتی ہے اسے توکل کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ جتنی زیادہ دعائیں ہوں گی اتنی زیادہ ہی روحانی ترقی ہوگی یعنی خدا تعالیٰ سے رشتہ مضبوط ہوگا۔ حضرت امام الزمان علیہ السلام فرماتے ہیں:

''رمضان کا مہینہ مبارک مہینہ ہے، دعاؤں کا مہینہ ہے۔''

(الحکم 24 جنوری 1901ء)

رمضان دعاؤں کے لئے بہت ہی سازگار اور موزوں ترین ہے کنز العمال میں ایک روایت یوں آتی ہے کہ رمضان کی ہر رات اللہ تعالیٰ ایک منادی کرنے والے فرشتہ کو بھیجتا ہے جو یہ اعلان کرتا ہے:

''اے خیر کے طالب آگے بڑھ اور آگے بڑھ کیا کوئی ہے جو دعا کرے تو اس کی دعا قبول کی جائے کیا کوئی ہے جو استغفار کرے کہ اسے بخش دیا جائے کیا کوئی ہے جو توبہ کرے تا کہ اس کی توبہ قبول کی جائے۔''

پس اس سے زیادہ دعاؤں کے لئے اور کون سا موسم زیادہ موزوں، مناسب اور سازگار ہوگا۔

8۔ قبولیتِ دعا

خدا تعالیٰ دینے والا ہے، مستجاب الدعوات ہے، جب بھی اس کے بندے اس کے آگے عاجزی انکساری فروتنی تضرع وابتہال سے جھکیں گے وہ پالیں گے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ بڑا حیا والا، بڑا کریم اور سخی ہے جب بندہ اس کے حضور اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتا ہے تو وہ ان کو خالی ہاتھ اور نا کام واپس کرنے سے شرماتا ہے۔''

(یعنی صدق دل سے مانگی ہوئی دعا کو وہ رد نہیں کرتا بلکہ قبول فرماتا ہے۔)

(ترمذی کتاب الدعوات)

اس حدیث کے درج کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں دعا کی اہمیت اور قبولیت دعا پر ایمان نصیب ہو۔ دعا ہی ایسا ہتھیار ہے کہ جس کے ذریعہ ہم خدا تعالیٰ سے ہر خیر طلب کر سکتے ہیں اور ہر شر سے پناہ مانگ سکتے ہیں۔

اس لئے نمازوں میں، پھر سجدوں اور رکوعوں میں بکثرت دعا کرنی چاہئے۔ اپنی زبان میں بھی دعائیں مانگیں اور خوب مانگیں۔ اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور وہ ضرور سنے گا اسی یقین کے ساتھ اس کے در پر جھکے رہیں۔

قبولیت دعا کے لئے ایک یہ گر بھی یاد رہے کہ کوئی بھی دعا مانگنے سے قبل اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھنا نہ بھولیں۔ پھر دعا مانگیں اور آخر میں بھی اپنی دعاؤں کو درود شریف سے مزین کریں اور پھر درود شریف کی تو ویسے ہی بہت برکتیں ہیں۔

9۔ قبولیت دعا کے اوقات

احادیث میں بہت سے مواقع ایسے بیان ہوئے ہیں جنہیں قبولیت دعا کے اوقات کہا گیا ہے مثلاً

ایک حدیث میں یوں آتا ہے

اِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهٖ لَدَعْوَةٌ مَا تُرَدُّ (ابن ماجہ)

کہ روزہ دار کے لئے اس کی افطاری کے وقت کی دعا ایسی ہے جو رد نہیں کی جاتی۔ افطاری کے وقت انسان کے قلب پر ایک سوز وگداز اور رقت کی کیفیت ہوتی ہے اور اس کی ساری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے اس لئے فرمایا کہ ایسے وقت کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔

پس اس وقت کو جو افطاری سے قبل 10۔15 منٹ کا وقت ذکر الٰہی، تلاوت اور دعاؤں میں گزارنا چاہئے۔ فضول باتوں اور خوش گپیوں اور کھانے پینے کے سامان کی طرف زیادہ توجہ نہ ہونی چاہئے۔ جو خواتین گھروں میں افطاری بنانے میں مصروف رہتی ہیں وہ افطاری بھی بناتی جائیں اور خود کو ذکر الٰہی میں بھی مشغول رکھیں۔ اپنے بچوں اور بڑوں کو بھی یہ بات بار بار ذہن نشین کرائی جائیں۔ تا کہ اس وقت سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

ایک اور دعا کا وقت بلکہ قبولیت کا وقت تہجد کی نماز کا وقت ہے۔ ایک وقت سجدہ کی حالت ہے جب انسان فروتنی اور عاجزی سے اپنے آپ کو خدا کے حضور گرا دیتا ہے تو خدا کا رحم جوش میں آجاتا اور اس کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔

ایک اور وقت جمعہ کا وقت ہے۔ اس بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ جب مومن بندہ دعا کر رہا ہو تو

اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور آپ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ وہ گھڑی بڑی مختصر ہوتی ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد سوم مسند ابی ھریرۃ حدیث نمبر 7151 جدید ایڈیشن 1998ء مطبوعہ بیروت)

ایک اور وقت قبولیت دعا کا لیلۃ القدر کی رات ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرے میں آتی ہے۔ ان طاق راتوں میں بھی بکثرت عبادت کرنی چاہئے اور قبولیتِ دعا کے نظارے دیکھنے چاہئیں۔

حضرت امام الزمان علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جب تک سینہ صاف نہ ہو دعا قبول نہیں ہوتی۔ اگر کسی دنیوی معاملہ میں ایک شخص کے ساتھ بھی تیرے سینہ میں بغض ہے تو تیری دعا قبول نہیں ہوسکتی۔''

فرمایا: ''جو مخلوق کا حق دباتا ہے اس کی دعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ ظالم ہے۔'' (ملفوظات جلد 2 صفحہ 195)

فرمایا: ''یادرکھو کہ دعائیں منظور نہ ہوں گی جب تک تم متقی نہ ہو۔''

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 130)

فرمایا: ''ظالم فاسق کی دعا قبول نہیں ہوا کرتی'' (ملفوظات جلد 2 صفحہ 682)

فرمایا: دعا کا سلسلہ ہر وقت جاری رکھو اپنی نماز میں جہاں جہاں رکوع وسجود میں دعا کا موقع ہے دعا کرو اور غفلت کی نماز کو ترک کردو، رسمی نماز کچھ ثمرات مترتب نہیں لاتی۔'' (ملفوظات جلد 3 صفحہ 176)

رمضان المبارک۔ مالی قربانی اور صدقۃ الفطر

مالی قربانی تزکیہ نفس کرتی ہے اور رمضان کا بھی یہی ایک مقصد ہے کہ جب انسان اس بابرکت مہینہ میں مختلف قسم کی عبادات بجالاتا ہے تو اس سے اس کا تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس مبارک مہینہ میں زکوٰۃ کی طرف بھی خصوصیت سے توجہ دلاتے ہیں، بعض مالی قربانی کی طرف، بعض غرباء کی مالی امداد کی طرف، بعض صدقات کی طرف، وغیرہ ذالک۔ ہر ایک مالی قربانی کسی رنگ کی بھی اگر اس میں دکھاوا اور ریاکاری نہیں تو وہ انسان کے لئے تزکیہ نفس کا کام دیتی ہے۔ رمضان ویسے ہی یہ سبق بھی دیتا ہے کہ غرباء کا خیال رکھا جائے اس سے انسان کو غریبوں کی بھوک کا بھی پتہ لگایا جاتا ہے جن کے مالی وسائل کم ہیں اور کھانے کو بھی کم ملتا ہے تو روزہ ہر قسم کے سبق دیتا ہے اور ایک مالی قربانی کا بھی ہے۔

بخاری کتاب بدءالوحی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر سخی تھے اور آپ کی سخاوت رمضان میں تیز آندھی سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔

پس ہمیں بھی مالی قربانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے خصوصاً اس وقت اسلام کا غلبہ کے لئے مالی قربانی کی بہت ضرورت ہے اور رمضان کے حوالہ سے غرباء کی خدمت کی ضرورت ہے۔ اگر آپ پر زکوٰۃ فرض ہے تو زکوٰۃ کی ادائیگی کریں۔ صدقۃ الفطر ادا کریں جس کے بارے میں اسلامی تعلیم یہ ہے کہ عید سے قبل یہ ادا ہوجانا چاہئے اپنے گھر کے تمام افراد کی طرف سے!

صدقۃ الفطر کی اہمیت اور بروقت ادائیگی کے بارہ میں ایک روایت یہ آتی ہے

ان شھر رمضان معلق بین السماء والارض لا یرفع الا بزکوٰۃ الفطر۔

یعنی رمضان کے مہینے کی نیکیاں اور عبادات آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہوجاتی ہیں انہیں فطرانہ ہی آسمان پر لے جاتا ہے یعنی رمضان کی نیکیوں اور عبادات کی قبولیت کا باعث بنتا ہے۔

(بحوالہ احادیث آنحضرت ﷺ منتخب موضوعات صفحہ 135)

صدقۃ الفطر کی ادائیگی شروع رمضان ہی میں کردینی چاہئے۔ آخری دن کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔

پس رمضان ہمیں درج ذیل سبق دینے کے لئے آتا ہے کہ ہم 1۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخلَاقِ اللّٰہِ سے حصہ لیں۔ یعنی خدا کا رنگ اختیار کریں۔ 2۔ ہر قسم کے گناہوں سے بچیں جو کہ تقویٰ کا خاصہ ہے۔ 3۔ ثابت قدمی دکھائیں۔ یعنی رمضان میں جو تقویٰ حاصل کیا ہے اس پر ثبات قدم حاصل ہوجائے۔ آئندہ بھی روزے رکھے، نمازوں کو باجماعت ادا کرنے کی توفیق ملی اسے جاری رکھیں، تہجد بھی رمضان کے بعد پڑھیں، ذکر الٰہی اور دعاؤں میں بعد میں بھی اپنا وقت گزاریں، نیکی صدقہ وخیرات کرنے میں دریغ نہ کریں۔

4۔ قوت برداشت پیدا کریں۔ 5۔ جسمانی صحت کا بھی خیال رکھیں۔ 6۔ غرباء پروری کریں۔ 7۔ مایوسی اور احساس کمتری کو پاس تک نہ آنے دیں۔ 8۔ انسانوں کا احترام کرنا سیکھیں۔

حضرت امام الزمان فرماتے ہیں:

''دنیا میں لاکھوں بکریاں بھیڑیں ذبح ہوتی ہیں لیکن کوئی ان کے سرہانے بیٹھ کر نہیں روتا اس کا کیا باعث ہے؟ یہی کہ ان کا خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایسے انسان کی ہلاکت کی بھی آسمان پر کوئی پرواہ نہیں ہوتی جو اس سے تعلق نہیں رکھتا۔ انسان اگر خدا تعالیٰ سے سچا تعلق رکھتا ہے تو اشرف المخلوقات ہے ورنہ کیڑوں سے بھی بدتر۔'' (ملفوظات جلد 4 صفحہ 460)

پس رمضان میں خدا تعالیٰ سے سچا، پکا اور زندہ تعلق قائم ہوا اور اس کی مخلوق کے ساتھ سچی، پکی اور خالص ہمدردی محض للہ ہو۔ یہی ہمیں انسان بنائے گی اور یہی ہمیں رمضان سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ وباللہ التوفیق

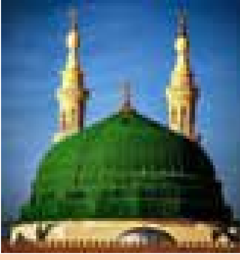






سیّدِ وُلدِ آدم وجہ تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم الشان پیشگوئی کا ظہور

27 مئی یومِ خلافت





رانا غلام مصطفیٰ منصور

قدیم سے یہ سنت اللہ رہی ہے کہ وہ ایک عظیم قدرت وحکمت کے تحت اپنی ربوبیت اور پرورش کا اہتمام فرماتا ہے۔جگہ جگہ اپنی شان ربوبیت کے جلوہ کا اظہار اس خالق کائنات کا وہ فرمان کہ ہم نے کس طرح اس زمین کو ان کے قدموں کے نیچے بچھایا ہے اور اس کے توازن کو برقرار رکھنے کے لئے اس میں میخیں گاڑ دی ہیں۔اس میں طرح طرح کی چیزیں اُگا رکھی ہیں جو ان کی غذا کے ساتھ ساتھ ان کی باصرہ نوازی بھی کرتی ہیں۔مطلب یہ کہ جس پروردگار کی قدرت سے یہ ممکن ہوا کہ انسان ناتوانی سے توانائی کی طرف بتدریج سفر کرتا ہے اور پروردگار عالم کی رزاقیت سے مستفید ہو کر جسمانی توانائی کی بلندیوں کو چھو لیتا ہے وہ خالق کائنات جو زمین کی تہ در تہ پوشیدگیوں میں بھی رزق کی فراہمی کو ممکن بناتا ہے۔اس رحیم اور رزاق خدا کے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ، انسان کو اس وسیع کائنات میں تنہا چھوڑ دے اور وہ اس مقصد کو حاصل ہی نہ کر سکے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔(الذاریات 56.)

یہ قطعاً سنت الٰہی کے خلاف ہے کہ جسمانی غذا کے ساتھ ساتھ روحانی غذا کا عطا کرنا بند کر دے۔اور آفرینش انسانی کے اس مقصد کے روحانی باب کو مستقلاً بند کر دے۔چنانچہ آئندہ زمانہ کے لئے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے روحانی غذا کا بہترین انتظام کیا ہوا ہے۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (سورۃ النور:56)

ترجمہ:تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے ان سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور ان کے لئے ان کے دین کو، جو اس نے ان کے لئے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور ان کی خوف کی حالت کے بعد ضرور انہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔وہ میری عبادت کریں گے۔میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔اور جو اس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔

سیّدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں اس آیت کو آیتِ استخلاف کہا جاتا ہے جس میں یہ بات ظاہر فرمائی گئی ہے کہ جس طرح خدا نے پہلے انبیاء کے بعد خلافت کا سلسلہ جاری فرمایا تھا اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی جاری فرمائے گا اور وہ خلافت نبی کے نور کو لے کر آگے بڑھے گی۔اور ہر دفعہ جب کوئی خلیفہ گزرے گا تو جماعت کو ایک خوف کا سامنا کرنا پڑے گا جو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ خلافت کی برکت سے امن میں بدل جائے گا۔پس سچی خلافت کی نشانی یہ ہے کہ وہ مومنوں کی جماعت کو بدامنی سے امن کی طرف لے کر آئے گی۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الوصیت میں یہی فرمایا ہے کہ ایک نبی یا خلیفہ کے گزرنے کے بعد وقتی طور پر یہی محسوس ہوتا ہے کہ اب دشمن اس نور کو بجھا دے گا لیکن آیت استخلاف میں قطعی وعدہ ہے کہ دشمن ہر دفعہ ناکام رہے گا۔

نبوت کی آمد کا مقصد دنیا میں توحید کا قیام ہے۔چنانچہ خلافتِ حقّہ کی بھی یہی نشانی رکھی ہے کہ اس کا آخری مقصد توحید کا قیام ہوگا ۔

(قرآن کریم اردو ترجمہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب صفحہ 606)

اس زمانہ میں عطا کی جانے والی اس روحانی غذا کی عظیم الشان پیشگوئی کا ذکر سیدنا حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یوں ملتا ہے۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ.....فَقَالَ حُذَیْفَةُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِیْكُمْ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰی ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰی ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰی ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِیَّةً فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰی ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ۔

(مسند احمد بن حنبل، ثالث مسند الکوفیین، حدیثُ النُّعمانِ بْنِ بَشیرٍ عَنِ النَّبیِّ

مترجم حدیث نمبر 18596 جلد 8 صفحہ 116 مکتبہ رحمانیہ لاہور، مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر فصل الثالث حدیث نمبر 5143/7 مترجم جلد 2 صفحہ نمبر 533 مکتبہ رحمانیہ لاہور ، کنزالعمال جلد 6 حدیث نمبر 15114 صفحہ 121)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں نبوت قائم رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر وہ اس کو اٹھا لے گا اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس نعمت کو بھی اٹھا لے گا۔ پھر اس کی تقدیر کے مطابق ایذا رساں بادشاہت قائم ہوگی (جس سے لوگ دل گرفتہ ہوں گے اور تنگی محسوس کریں گے) جب یہ دور ختم ہوگا تو اس کی دوسری تقدیر کے مطابق اس سے بھی بڑھ کر جابر بادشاہت قائم ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا رحم جوش میں آئے گا اور اس ظلم وستم کے دور کو ختم کردے گا۔ اس کے بعد پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی یہ فرما کر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا۔

مَا کَانَتْ نُبُوَّۃٌ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْہَا خِلَافَۃٌ

(کنزالعمال جلد 11 صفحہ 476 حدیث نمبر 32246)

ترجمہ: فرمایا کوئی نبوت ایسی نہیں جس کے بعد خلافت نہ ہو۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ خلافت کا وجود نبوت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ خلافت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”خلافت وہ ری فلیکٹر ہے جو نبوت اور الوہیت کے نور کو لمبا کر دیتا ہے اور اسے دور تک پھیلا دیتا ہے۔ پس اس آیت (النور۔ 36) میں اللہ تعالیٰ نے خلافت۔ نبوت اور الوہیت کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہمارے نور کی مثال ایسی ہی ہے جیسے بتی کا شعلہ وہ ایک نور ہے جو دنیا کے ہر ذرہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ مگر جب تک وہ نبوت کے شیشہ میں نہ آئے لوگ اس فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔“

(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 321)

پھر فرمایا۔ ”پس خلافت ایک الٰہی انعام ہے۔ کوئی نہیں جو اس میں روک بن سکے۔ وہ خدا تعالیٰ کے نور کے قیام کا ایک ذریعہ ہے جو اس کو مٹانا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو مٹانا چاہتا ہے۔ ہاں وہ ایک وعدہ ہے جو پورا تو ضرور کیا جاتا ہے لیکن اس کے زمانہ کی لمبائی مومنوں کے اخلاص کے ساتھ وابستہ ہے۔“

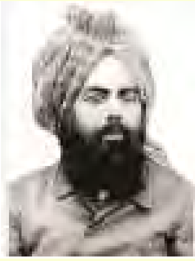
(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 330)

خلافت کے بارہ میں قمرالانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”قرآن شریف کی تعلیم اور سلسلہ رسالت کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی رسول اور نبی کو بھیجتا ہے تو اس سے اس کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ ایک آدمی دنیا میں آئے اور ایک آواز دے کر واپس چلا جائے۔ بلکہ ہر نبی اور رسول کے وقت خدا تعالیٰ کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں ایک تغیر اور انقلاب پیدا کرے جس کے لئے ظاہری اسباب کے ماتحت ایک لمبے نظام اور مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے اور چونکہ ایک انسان کی عمر بہر حال محدود ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ نبی کے ہاتھ سے صرف تخم ریزی کا کام لیتا ہے اور اس تخم ریزی کو انجام تک پہنچانے کے لئے نبی کی وفات کے بعد اس کی جماعت میں سے قابل اور اہل لوگوں میں یکے بعد دیگرے اس کے جانشین بنا کر اس کے کام کی تکمیل فرماتا ہے۔ یہ جانشین اسلامی اصطلاح میں خلیفہ کہلاتے ہیں۔“

(رسالہ خالد ربوہ مئی 1960ء صفحہ 30)

خلافت کی عظمت اس کی حکمت اور برکت کے بارہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔



”خلیفہ درحقیقت رسول کا ظل ہوتا ہے اور چونکہ کسی انسان کے لئے دائمی طور پر بقا نہیں۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلی طور پر ہمیشہ کے لئے تا قیامت قائم رکھے۔ سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکاتِ خلافت سے محروم نہ رہے۔“

(شہادت القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 353)

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

”میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔“

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 67)

پھر آپؑ فرماتے ہیں

”سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنّت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے۔ اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ

دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں۔لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔ جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے۔اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے۔جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔سوضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے۔وہ سب کچھ تمہیں دکھلائے گا جس کا اس نے وعدہ فرمایا ہے۔اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے۔پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے۔جب تک وہ تمام باتیں پوری نہ ہوجائیں جن کی خدا نے خبر دی۔میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور مَیں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں۔اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔سوتم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہوکر دعا کرتے رہو۔اور چاہیے کہ ہر ایک صالحین کی جماعت ہر ایک ملک میں اکٹھے ہوکر دعا میں لگے رہیں۔تا دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو۔اور تمہیں دکھا دے کہ تمہارا خدا ایسا قادر خدا ہے۔اپنی موت کو قریب سمجھو۔تم نہیں جانتے کہ کس وقت وہ گھڑی آجائے گی۔‘‘

(رسالہ الوصیت،روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 305۔306)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ ’’قدرت ثانیہ‘‘ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

’’اس جگہ ’’قدرتِ ثانیہ سے ایک تو وہ تائیداتِ الٰہیہ مراد ہیں جو مومنوں کے شاملِ حال ہوا کرتی ہیں اور دوسرے وہ سلسلہ خلافت مراد ہے جو نورِ نبوت کو ممتد کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ خود قائم فرماتا ہے۔‘‘(تفسیر کبیر جلد 7 صفحہ 426)

خدائے واحد و یگانہ کی طرف سے آنے والا سیدنا حضرت اقدس محمد عربی ﷺ کا عاشق صادق غلامِ صادق اپنے مفوضہ امور کی احسن رنگ میں انجام دہی کے بعد زندگی کے آخری دن یعنی 26 مئی 1908ء کو دریافت فرماتا ہے کہ صبح کا وقت ہوگیا ہے؟ عرض کیا گیا حضور ہوگیا ہے۔آپؑ نے نیت باندھی اور لیٹے لیٹے نماز ادا کی۔اس کے بعد نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری رہی۔مگر جب کبھی ہوش آتا تھا وہی الفاظ ’’اللہ میرے پیارے اللہ‘‘ سنائی دیتے تھے۔اور ضعف لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جاتا تھا۔قریباً ساڑھے دس بجے دو ایک لمبے لمبے سانس آئے۔روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔اور خدا کا برگزیدہ،قرآن کا فدائی،اسلام کا شیدائی،محمد مصطفی ﷺ کا عاشق اور دینِ محمدی کا فتح نصیب جرنیل جس نے اپنی پوری عمر علمی وقلمی جہاد کی قیادت میں بسر کی تھی،اپنے اہل بیت اور اپنے عشاق کو سوگوار اور افسردہ چھوڑ کر اپنے آسمانی آقا کے دربار میں حاضر ہوگیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

(تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 541۔542)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد سب سے بڑا کام جو سلسلہ کے مقتدر بزرگوں نے اس وقت کیا وہ خلافت کے لئے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کا انتخاب تھا۔چنانچہ جماعت کے دوست اکٹھے ہوئے اور مشورہ ہوا تو سب کی نظریں حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کی طرف اُٹھیں۔چنانچہ جب متفقہ فیصلہ ہو چکا تو اکابر سلسلہ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کے مکان پر حاضر ہوئے۔اور مناسب رنگ میں بیعت خلافت کے لئے درخواست پیش کی۔آپ نے کچھ تردّد کے بعد فرمایا۔’’میں دعا کے بعد جواب دوں گا۔‘‘ چنانچہ وہیں پانی منگایا گیا آپ نے وضو کیا اور غربی کوچہ کے متصل دالان میں نماز نفل ادا کی اس عرصہ میں یہ وفد باہر صحن میں انتظار کرتا رہا۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا چلو ہم سب وہیں چلیں جہاں ہمارے آقا کا جسد اطہر ہے اور جہاں ہمارے بھائی انتظار میں ہیں۔چنانچہ حضرت مولوی صاحبؓ کی معیت میں تمام حاضرین باغ میں پہنچے۔حضرت مولوی صاحب نے وہاں دردانگیز تقریر فرمائی اور دوستوں کے اصرار پر آپ نے بیعت لی۔اس طرح 27 مئی 1908ء کو باغ میں قریباً 12 سو احباب نے بیعت کی۔باقی صدر انجمن کی طرف سے جماعتوں کو الحکم کے ذریعہ اطلاع دی گئی۔

(تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 555۔557)

اس طرح سیدنا حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ کی عظیم الشان پیشگوئی ’’خلافۃ علیٰ منہاج النبوۃ‘‘ کا ظہور ہوا۔

اس خلافت کے بارے میں سیدنا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

عَنْ سُبَیْعٍ قَالَ ..... فَاِذَا ھُوَحُذَیْفَۃُ فَسَمِعْتُہُ یَقُوْلُ ..... فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ بَعْدَ ھٰذَا الْخَیْرِ شَرٌّ ..... قَالَ نَعَمْ ..... قَالَ فَاِنْ رَأَیْتَ یَوْمَئِذٍ خَلِیْفَۃَ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ فَالْزَمْہُ فَاِنْ نُہِکَ جِسْمَکَ وَاُخِذَ مَالَکَ فَاِنْ لَمْ تَرَہُ فَاھْرِبْ فِی الْاَرْضِ وَلَوْ اَنْ تَمُوْتَ وَاَنْتَ عَاضٌّ بِجَذْلِ شَجَرَۃٍ

(مسند احمد بن حنبل،مسند الانصار،حدیث حذیفہ بن الیمان عن النبی ﷺ مترجم جلد 10 حدیث نمبر 23819 صفحہ 815 مکتبہ رحمانیہ لاہور)،(المستدرک علی الصحیحین جلد 4 صفحہ 433)

ترجمہ:۔سبیع کہتے ہیں۔۔۔۔۔وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے میں نے ان سے سُنا وہ بیان کرتے ہیں کہ۔۔۔۔۔مَیں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس خیر کے بعد شر بھی ہوگا؟ ۔۔۔۔۔آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔۔۔۔۔فرمایا

پس اگر تو اللہ کے خلیفہ کو زمین میں دیکھے تو اس کے ساتھ چمٹ جانا یعنی اسے مضبوطی سے پکڑ لینا۔ اگر چہ تیرا جسم نوچ دیا جائے اور تیرا مال چھین لیا جائے اور اگر تو اسے نہ دیکھے تو زمین میں نکل جا۔ خواہ تمہیں موت آ جائے اس حال میں کہ تمہیں درختوں کی جڑیں کھانی پڑیں۔

مستدرک کی حدیث مبارکہ میں فاسمع اور واطع کے الفاظ بھی ہیں یعنی غور سے سُن اور کامل اطاعت کر۔

ان احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب خلافت علیٰ منہاج النبوت کا قیام ہو جائے تو پھر اس خلافت کی اطاعت کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے ہمیں خدائے واحد و یگانہ کی آواز خلیفہ کے منہ سے سُننے کو ملے۔ ہماری بقا اور ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے دل، ہمارے کان، ہماری سوچ اور ہماری نظریں دربارِ خلافت کی طرف لگی رہیں۔ دربارِ خلافت سے آنے والی ہر آواز کو غور سے سُنیں اور من عن کامل اطاعت کرتے ہوئے کمربستہ ہو جائیں ورنہ پھر خلافت کے بغیر روحانی موت یقینی ہے۔

سیّدنا حضرت حکیم مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اس سورۃ (النور) میں بتایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ سلسلہ نہیں۔ بلکہ خلافت کا سلسلہ بھی تا یومِ قیامت ہے۔ خلافت کے منکر اور عیب چین ہوں گے۔ مگر آخر ذلیل۔ فرماتا ہے کہ مجرموں کو تو ہم سزا دینے کا حکم دیتے ہیں۔ انہیں خلفاء کیوں بنانے لگے۔ پس تم الزام دہی سے باز آ جاؤ۔

(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 198)

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں۔

’’تم خوب یاد رکھو کہ تمہاری ترقیات خلافت کے ساتھ وابستہ ہیں اور جس دن تم نے اس کو نہ سمجھا اور اسے قائم نہ رکھا وہی دن تمہاری ہلاکت اور تباہی کا دن ہو گا۔ لیکن اگر تم اس کی حقیقت کو سمجھتے رہو گے اور اسے قائم رکھو گے تو پھر اگر ساری دنیا مل کر بھی تمہیں ہلاک کرنا چاہے گی تو نہیں کر سکے گی۔‘‘

(درس القرآن 1921)

نبوت کے ہاتھوں جو پودا لگا ہے
خلافت کے سائے میں پھولا پھلا ہے
یہ کرتی ہے اس باغ کی آبیاری
رہے گا خلافت کا فیضان جاری

حضورؓ خلافت کی ضرورت و اہمیت اور عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

’’اے دوستو! میری آخری نصیحت یہ ہے کہ سب برکتیں خلافت میں ہیں۔ نبوت ایک بیج ہوتی ہے۔ جس کے بعد خلافت اس کی تاثیر کو دنیا میں پھیلا دیتی ہے۔ تم خلافتِ حقہ کو مضبوطی سے پکڑو۔ اور اس کی برکات سے دنیا کو متمتع کرو۔ تا خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ اور تم کو اس دنیا میں بھی اونچا کرے اور اُس جہان میں بھی اُونچا کرے۔ تا مرگ اپنے وعدوں کو پورا کرتے رہو۔‘‘

(الفضل 20 مئی 1959ء)

سیّدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اس وقت جو روحانی سلسلہء خلافت اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق مہدی معہود کی بعثت کے بعد جاری ہوا یہ سلسلہء خلافت دنیا کو امتِ واحدہ بنانے کے لئے قائم ہوا ہے۔ (خطبات ناصر جلد 5 صفحہ 438)

پھر حضور رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

پس خلافت ایک نعمت ہے اگر آپ اس کی قدر کریں گے اگر آپ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے تو اس میں آپ کی دین و دنیا کی بھلائی ہے۔

(خطبات ناصر جلد 2 صفحہ 925)

پھر حضور رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ یہ خوشخبری ملی ہے کہ دامنِ خلافت کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرتا چلا جائے گا اور اپنے فضل تم پر نازل کرتا چلا جائے گا مثلاً خلافت کی جو قدر پہلے صحابہؓ نے کی وہی قدر جماعت کو کرنی چاہئے۔ (خطبات ناصر جلد 3 صفحہ 293)

سیّدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

جماعت کی زندگی کی روح خلافت میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا خاص سایہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ منصب خلافت کو خدا تعالیٰ نے ایک برکت بخشی ہے اور اس کے ساتھ جماعت کا ایک ایسا تعلق پیدا کیا ہے کہ وہ لا مثال ہے ساری دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ (خطبات طاہر جلد 7 صفحہ 111)

پھر حضور رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

آپ لوگ مضبوطی کے ساتھ خلافت کی رسی کو پکڑ لیں اور کسی قیمت پر اس رسی سے الگ نہ ہوں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر ایک امّتِ واحدہ بنناہے اور اس ساری صدی میں ساری دنیا کو امت واحدہ میں تبدیل کرنا ہے تو حبل اللہ کو اس طرح پکڑیں جس طرح اوّل حبل اللہ کو صحابہؓ نے پکڑا تھا اور جب وہ حبل اللہ جدا ہونے والی تھی تو بعد میں آنے والی حبل اللہ کی پیشگوئی کی گئی اور اسی پیشگوئی کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قدرتِ ثانیہ کے طور پر پیش کیا ہے۔

(خطبات طاہر جلد 8 صفحہ 350۔353)

ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خلافت کی عظمت اور ضرورت واہمیت اور برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

’’قدرتِ ثانیہ خدا کی طرف سے ایک بڑا انعام ہے جس کا مقصد قوم کو متحد کرنا اور تفرقہ سے محفوظ رکھنا ہے۔ یہ وہ لڑی ہے جس میں جماعت موتیوں کی مانند پروئی ہوئی ہے۔ اگر موتی بکھرے ہوں تو نہ تو محفوظ ہوتے ہیں اور نہ ہی خوبصورت معلوم ہوتے ہیں ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتی ہی خوبصورت اور محفوظ ہوتے ہیں۔ اگر قدرتِ ثانیہ نہ ہو تو دین حق کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ پس اس قدرت کے ساتھ کامل اخلاص اور محبت و وفا اور عقیدت کا تعلق رکھیں۔ اور خلافت کی اطاعت کے جذبہ کو دائمی بنائیں اور اس کے ساتھ محبت کے جذبہ کو اس قدر بڑھائیں کہ اس محبت کے بالمقابل دوسرے تمام رشتے کمتر نظر آئیں امام سے وابستگی میں ہی سب برکتیں ہیں اور وہی آپ کے لئے ہر قسم کے فتنوں اور ابتلاؤں کے مقابلہ کے لئے ایک ڈھال ہے۔۔۔ پس اگر آپ نے ترقی کرنی ہے اور دنیا پر غالب آنا ہے تو میری آپ کو یہی نصیحت ہے اور میرا یہی پیغام ہے کہ آپ خلافت سے وابستہ ہو جائیں۔ اس حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامیں رکھیں۔ ہماری ساری ترقیات کا دارومدار خلافت سے وابستگی میں ہی پنہاں ہے۔‘‘

(الفضل 30 مئی 2003ء صفحہ 1)

پھر پیارے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

’’آپ میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ دعاؤں پر بہت زور دے اور اپنے آپ کو خلافت سے وابستہ رکھے۔ اور یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھے کہ اس کی ساری ترقیات اور کامیابیوں کا راز خلافت سے وابستگی میں ہی ہے۔ وہی شخص سلسلہ کا مفید وجود بن سکتا ہے جو اپنے آپ کو امام سے وابستہ رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ نہ رکھے تو خواہ دنیا بھر کے علوم جانتا ہو اس کی کوئی بھی حیثیت نہیں۔ جب تک آپ کی عقلیں اور تدبیریں خلافت کے ماتحت رہیں گی اور آپ کی عقلیں اور تدبیریں خلافت کے ماتحت رہیں گی۔ اور آپ اپنے امام کے پیچھے پیچھے اس کے اشاروں پر چلتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت آپ کو حاصل رہے گی۔‘‘

(الفضل 30 مئی 2003ء صفحہ 2)

محبت کے جذبے وفا کا قرینہ
اخوت کی نعمت ترقی کا زینہ

خلافت سے ہی برکتیں ہیں یہ ساری رہے گا خلافت کا فیضان جاری اللہ تعالیٰ ہمیں اس دائمی نعمت خلافتِ احمدیہ سے وابستہ تمام تر رحمتوں اور برکتوں کا وارث بنائے۔ (آمین)

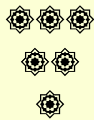
بہترین باتیں

* پیر کی موچ اور چھوٹی سوچ ہمیں آگے بڑھنے نہیں دیتی۔
* ٹوٹی قلم اور دوسروں سے جلن۔ ہمیں اپنی قسمت لکھنے نہیں دیتی۔*
* کام کا آلس۔ اور پیسے کا لالچ۔ ہمیں ترقی کرنے نہیں دیتی۔*
* دنیا میں سب چیز مل جاتی ہے۔ صرف اپنی غلطی نہیں ملتی۔*
* جتنی بھیڑ بڑھ رہی ہے زمانے میں لوگ اتنے ہی اکیلے ہوتے جا رہے ہیں۔
* اس دنیا کے لوگ بھی کتنے عجیب ہیں نا۔ سارے کھلونے چھوڑ کر جذبات سے کھیلتے ہیں۔
* کنارے پر تیرنے والی لاش کو دیکھ کر۔ یہ سمجھ میں آیا۔
* بوجھ جسم کا نہیں سانسوں کا تھا۔۔۔ سفر کا مزہ لینا ہو تو، ساتھ سامان کم رکھئے۔ اور زندگی کا مزہ لینا ہو تو دل میں ارمان کم رکھئے۔
* زندگی کو اتنا سیریس لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں سے زندہ بچ کر کوئی نہیں گیا۔
* جنکے پاس صرف سکّے تھے وہ مزے سے بھیگتے رہے بارش میں۔۔۔۔۔۔
جنکے پاس نوٹ تھے وہ چھت کی تلاش میں رہ گئے۔۔۔
* پیسہ انسان کو اوپر لے جا سکتا ہے۔۔۔۔
* لیکن انسان پیسہ اوپر نہیں لے جا سکتا۔۔۔۔۔۔
* کمائی چھوٹی یا بڑی ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔۔۔
پر روٹی کی سائز لگ بھگ سبھی گھر میں ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔۔۔۔*

شاندار بات

* انسان چاہتا ہے، اڑنے کو پر ملے۔۔۔۔۔
اور پرندے سوچتے ہیں کہ رہنے کو گھر ملے۔۔۔۔۔۔
* کام سے ہی پہچان ہوتی ہے انسان کی۔۔۔۔۔۔۔۔
مہنگے کپڑے تو "پتلے" بھی پہنتے ہیں دوکانوں میں۔۔۔۔۔۔۔

جزاك الله تعالىٰ خيرا





قرآن نبوت کو ختم نہیں کرتا

(زیرِ تصنیف کتاب بعنوان ’ختمِ نبوّت‘ کا باب چہارم)



تحریر جمیل احمد بٹ

قرآن کریم میں ختم نبوت کے الفاظ کہیں استعمال نہیں ہوئے اور نہ کسی آیت میں یہ فرمایا گیا کہ نبوت ختم ہوگئی ہے بلکہ اس کے برخلاف قرآن نے ان گزشتہ اقوام کو جنہوں نے ماضی میں یہ عقیدہ اختیار کیا کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا گمراہ اور حد سے گزرنے والا قرار دیا ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے نبوت اور اس کے لوازمات یعنی فرشتوں کے نزول اور وحی و الہام کے جاری رہنے کو بطور اصول اور قانون بیان فرمایا ہے۔ انعامِ نبوت پانے کے لئے دعا سکھلائی ہے۔ امت میں نبوت کا وعدہ فرمایا ہے اور کئی آیات میں معین طور پر نبی آنے کی خبر دی ہے۔ اور ساتھ ہی اس نبوت کی نوعیت اور حدود بھی بیان فرمادی ہیں۔ یعنی تکمیل دین کے اعلان کے ساتھ کسی نئی شریعت کے امکان کو رد فرمایا ہے اور آنحضرت ﷺ کے مقام خاتم النبین کے اعلان کے ساتھ نبوت کے لئے آپ کی مہر تصدیق لازمی ٹھہرا کر اس نبوت کو امتی نبوت قرار دیا ہے۔

قرآن کریم میں مذکور اس مضمون کی وضاحت اس باب کا موضوع ہے۔

1۔ ختم نبوت کے عقیدہ کی مذمت

تاریخِ انبیاء کے مطابق ان کے مخاطبین میں سے بیشتر تو اپنی دانست میں نبوت کی ضرورت ہی نہ پا کر ان کو ماننے سے انکار کرتے رہے ہیں۔ پھر جو ایمان لاتے ان میں سے بہت سے کچھ عرصہ بعد خود بھی اس عقیدہ کو اپنا تے رہے ہیں کہ ان کے نبی کے بعد اللہ آئندہ کوئی رسول معبوث نہیں ہوگا۔ اور اس طرح نبوت کی عدم ضرورت کی سوچ میں انکار کرنے والوں کے ہم رنگ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو گمراہ اور حد سے گزرنے والا قرار دیا ہے۔

پہلی مذمت: چنانچہ قرآن کریم میں حضرت یوسفؑ کو آخری نبی کہنے والوں کا ذکر یوں ہوا ہے:

وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ يُوۡسُفُ مِنۡ قَبۡلُ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا زِلۡتُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمۡ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلۡتُمۡ لَنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رَسُوۡلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ مُّرۡتَابُۨ ۝

(مومن 40:35)

ترجمہ: اور یقینا تمہارے پاس اس سے پہلے یوسف بھی کھلے کھلے نشانات لے کر آچکا ہے مگر تم اس بارہ میں ہمیشہ شک میں رہے ہو جو وہ تمہارے پاس لایا یہاں تک کہ جب وہ مرگیا تو تم کہنے لگے کہ اب اس کے بعد اللہ ہرگز کوئی رسول معبوث نہیں کرے گا۔ اسی طرح اللہ حد سے بڑھنے والے (اور) شکوک میں مبتلا رہنے والے کو گمراہ ٹھہراتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت یوسفؑ کے دعویٰ نبوت پر شکوک میں مبتلا رہنے والوں اور آئندہ نبی نہ آنے کا عقیدہ رکھ کر حد سے بڑھنے والوں کو یکساں گمراہ ٹھہراتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کا زمانہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے کا ہے اور اس سے ختم نبوت کے عقیدے کی قدامت اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے۔

یہ مضمون اگلی آیت میں بھی چلتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰٮهُمۡ ؕ كَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلۡبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ (مومن 36:40)

ترجمہ: اُن لوگوں کو جو اللہ کی آیات کے بارہ میں بغیر کسی غالب دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑتے ہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے اور ان کے نزدیک بھی جو ایمان لائے ہیں۔ اسی طرح اللہ ہر متکبر (اور) سخت جابر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مدعی نبوت کو دئے گئے نشانات کے بارے میں بلا کسی غالب دلیل کے جھگڑے کھڑے کرنے کو بہت بڑا گناہ فرماتا ہے اور ایسا کرنے والوں کو متکبر اور جابر قرار دے کر ان کے دلوں پر مہر لگا دینے کا فیصلہ فرماتا ہے۔ یہ مہر لگنے کا ذکر نبوت پر نہیں بلکہ ان لوگوں کے دلوں پر ہے جو نبی کا انکار اس بہانے کرتے ہیں کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔

دوسری مذمت: نبوت ختم ہو جانے کا عقیدہ رکھنے والوں کا ایک اور ذکر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے:

وَّاَنَّهُمۡ ظَنُّوۡا كَمَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝ (جن 8:72)

ترجمہ: اور انہوں (جِنوں کی جماعت) نے بھی گمان کیا تھا جیسے تم (یہود نے) گمان کرلیا کہ اللہ ہرگز کسی کو معبوث نہیں کرے گا۔

اس آیت کی رو سے جنوں کی اس جماعت کا بھی وہی عقیدہ تھا جو ان انسانوں نے جن کا ذکر سورۃ مومن کی اوپر درج شدہ آیت میں ہوا ہے حضرت یوسفؑ کے بعد اختیار کر لیا تھا کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ انکار نبوت کی غرض سے ختم نبوت کا غلط عقیدہ قدیم سے جن وانس سب میں رہا ہے

اس عقیدہ کو اختیار کرنے والے لوگوں کا ردّ اس سے ماقبل آیت میں یوں فرمایا گیا ہے وَّأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا○(جن 72:7)

ترجمہ: اور یقینا عوام الناس میں کئی ایسے تھے جو بڑے لوگوں کی پناہ میں آجاتے تھے انہوں نے ان کو بداعمالی اور جہالت میں بڑھا دیا۔

عوام الناس کا ایسے لوگوں کے تابع ہونا جنہیں وہ اپنی دانست میں بڑا شمار کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ یہ بڑے ان کے لئے بطور پناہ ہیں اور وہ خود اپنے افعال کے بدنتائج سے بری الذمہ ہو جائیں گے اور ایسا سمجھنے کے نتیجے میں ان کا اپنی بداعمالیوں اور جہالت میں اور بھی بڑھ جانا گزشتہ لوگوں کے اس ذکر پر محدود نہیں بلکہ آج بھی ایک عام مشاہدہ کی بات ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ نبوت ختم ہونے کے عقیدے کے بدنتائج کے ذکر پر مشتمل یہ تمام آیات قرآن کریم میں آیت خاتم النبین کے بعد آتی ہیں اور یوں یہ مقام خاتم النبین کے درست معنی اختیار کرنے پر بھی راہنما ہیں۔

اس تنبیہ کے باوجود آں حضرت ﷺ کے بعد ختم نبوت کے عقیدہ کا اختیار کیا جانا بظاہر قرآن کریم کی اس پیش خبری کا پورا ہونا ہے:

مَّا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ

(حٰم سجدہ 44:41)

ترجمہ: تجھ سے کچھ نہیں کہا جاتا مگر وہی جو تجھ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا۔

2۔ نبوت جاری رہنے کا قانون:

قرآن کریم نہ صرف نبوت کو رحمت اور نعمت قرار دیتا ہے بلکہ بطور اصول کئی بار نبوت کا جاری رہنا بیان فرماتا ہے جیسا کہ قرآنی ترتیب کے مطابق درج ذیل سات آیات سے واضح ہے:

پہلی آیت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ

(آل عمران 180:3)

ترجمہ: اور اللہ کی یہ سنت نہیں کہ تم (سب) کو غیب پر مطلع کرے بلکہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔

اس آیت کے اوّل مخاطب صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور پھر ساری امت مسلمہ ہے یہاں یجتبی مضارع کا صیغہ ہے اور یوں یہ اللہ تعالیٰ کی ایک جاری سنت کا بیان ہے اور اس کے مطابق اظہار غیب کے لئے اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اپنے رسول منتخب فرماتا رہے گا۔

دوسری آیت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا

(نساء 70:4)

ترجمہ: اور جو بھی اللہ کی اور اس رسول کی اطاعت کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا (یعنی) نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے۔

اس آیت میں تمام روحانی مدارج بشمول نبوت کو الرسول یعنی اس خاص رسول آنحضرت ﷺ کی متابعت سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ اور مع کے بعد النبیین فرما کر ُان میں سے ' ہونا بیان کر دیا ہے۔ مع کا ایسا استعمال قرآن میں اور بھی جگہ ہوا ہے جیسا کہ درج ذیل آیات سے ظاہر ہے:

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ

(ال عمران 194:3) ترجمہ: اور ہمیں نیکوں کے ساتھ موت دے۔

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ

(147:4) ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جو مومنوں کے ساتھ ہیں۔

أَبَىٰ أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ

(حجر 32:15)

ترجمہ: اس نے انکار کر دیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو۔

گزشتہ تفاسیر میں بھی یہی معنی لئے گئے ہیں چنانچہ تفسیر بحر المحیط میں اس آیت کے ذیل میں درج ہے کہ

قال الراغب ممن انعم علیھم افرق لأربع فی المنزلة والثواب النبی بالنبی و الصدیق با الصدیق و الشھید باالشھید و الصالح بالصالح

(تفسیر بحر المحیط از ابوحیان اُندلسیؒ جلد نمبر 3 صفحہ نمبر 699 بحوالہ پاکٹ بک از ملک عبدالرحمن صاحب خادم صفحہ نمبر 255)

ترجمہ: امام راغبؒ نے کہا ہے کہ ان چار گروہوں میں شامل کرے گا مقام اور نیکی کے لحاظ سے۔ نبی کو نبی کے ساتھ اور صدیق کو صدیق کے ساتھ اور شہید کو شہید کے ساتھ اور صالح کو صالح کے ساتھ۔

اس کے باوجود بعض حلقوں کا مع کے معنی 'ان میں سے' ہونے کے بجائے 'ان کے ساتھ' ہونا قرار دے کر انعامِ نبوت سے انکار کا مطلب ان چاروں درجوں کا انکار ہوگا۔ اور ایسا کہنا آنحضرت ﷺ کے مقام کو ان گزشتہ انبیاء کے مقام سے گھٹانے کے مترادف بھی ہوگا جن کی اطاعت سے ان میں سے دو درجوں کا ملنا قرآن کریم میں یوں مذکور ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِندَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

(حدید 57:20)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے ربّ کے حضور صدیق اور شہید ٹھہرتے ہیں۔

تیسری آیت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

(اعراف 7:36)

ترجمہ: اے ابنائے آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو تم پر میری آیات پڑھتے ہوں تو جو بھی تقویٰ اختیار کرے اور اصلاح کرے تو ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور وہ غمگین نہیں ہوں گے۔

ایسا ہی مضمون سورت بقرہ 2:39 میں بھی بیان ہوا ہے۔ وہاں ہدایت کا لفظ ہے جس کی پیروی کرنے والے خوف اور غم سے نجات پائیں گے۔

اس آیت میں بنی آدم کو مجموعی خطاب ہے اور اس طرز خطاب کی دو اور مثالیں چند آیات پہلے بیان ہوئی ہیں۔ ایک:

يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا

(اعراف 7:28)

ترجمہ: اے بنی آدم شیطان ہرگز تمہیں فتنہ میں نہ ڈالے۔

اور دوسرے:

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا

(اعراف 7:32)

ترجمہ: اے ابنائے آدم! ہر مسجد میں اپنی زینت (یعنی لباس تقویٰ) ساتھ لے جایا کرو اور کھاؤ اور پیو لیکن حد سے تجاوز نہ کرو۔

اس سیاق کلام سے بعض حلقوں کا یہ خیال درست نہیں ٹھہرتا کہ یہ خطاب بنی آدم کو عالم ارواح میں کیا گیا تھا اور قرآن کریم میں حکایتاً بیان ہوا ہے۔ بلکہ جس طرح چند آیات پہلے مذکور یہ احکامات عام ہیں اسی طرح یہ ارشاد بھی قرآن کریم کے ہمیشہ کے مخاطبین کے لئے ہے۔

یہی معنی گزشتہ تفاسیر میں بھی لئے گئے ہیں۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

فانہ خطاب لاھل ذلك الزماں ولکل من بعدھم

یعنی بنی آدم کا خطاب اس زمانہ سے اور بعد کے زمانہ کے سب لوگوں کے لئے ہے۔

(تفسیر اتقان از علامہ جلال الدین سیوطیؒ جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 34 سہیل اکیڈمی کارواں پریس لاہور۔ بحوالہ علمی تبصرہ از قاضی محمد نذیر صاحب فاضل صفحہ 9)

چوتھی آیت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ

(نحل 16:3)

ترجمہ: وہ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے فرشتوں کو روح القدس کے ساتھ اتارتا ہے کہ خبردار کرو کہ یقیناً میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس مجھ ہی سے ڈرو۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے چنندہ بندوں پر فرشتوں کے وحی نبوت کے ساتھ اترنے کا قانون بیان فرمایا ہے۔ ایسا اللہ کے حکم سے ہونا اس بات کو لازم کرتا ہے کہ وحی نبوت کے ان حاملین کو مانا جائے۔ اللہ کا یہ فرمانا کہ یہ وحی نبوت اس کی مرضی کے تابع اس کے عابد بندوں پر اترتی ہے وہب نبوت کو عبد ہونے کے کسب سے جوڑ دیتا ہے۔ یوں یہ آیت بھی سلسلہ نبوت کے جاری رہنے پر دلیل ہے۔

پانچویں آیت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ (حج 22:76)

ترجمہ: اللہ فرشتوں میں سے رسول چنتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔

اس آیت میں ایک الٰہی سنت کو بطور قاعدہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس آیت میں بھی لفظ یصطفی مضارع کا صیغہ ہے جو حال اور مستقبل دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پس رسولوں کا چننا خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور پھر قرآن کریم میں یہ اصول بھی مذکور ہے کہ:

وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (احزاب 33:63)

ترجمہ: اور تو ہر گز اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔

اس آیت کے تحت اپنی سنت اور فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ آئندہ بھی رسول چن سکتا ہے اور یوں اس آیت سے نبوت کا جاری رہنا ثابت ہے۔

چھٹی آیت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ

(مومن 40:16)

ترجمہ: وہ بلند درجات والا صاحب عرش ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے امر سے روح کو اتارتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا:

روح سے مراد کلام الٰہی ہے جان سول (Soul) کو عربی بول میں نفس کہتے ہیں قرآن شریف میں روح کے معنی کلام ہی کے ہیں۔

(حقائق الفرقان جلد سوئم صفحہ نمبر 515)

گزشتہ مفسرین نے بھی یہی قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے: "اس آیت میں روح سے مراد کلام الٰہی ہے۔"

(تفسیر روح المعانی از علامہ شہاب الدین محمود آلوسی جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 4 مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور بحوالہ کلید دعوت از جمال الدین شمس صفحہ نمبر 55)

اسی طرح علامہ طبرسی نے لکھا ہے:

"روح سے مراد وحی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہاں روح سے مراد نبوت ہے۔"

(مجمع البیان از ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی جلد 8 صفحہ نمبر 517 مکتبۃ العلمیہ الاسلامیہ سوق الشیر ازی طہران ایران بحوالہ کلید دعوت صفحہ نمبر 39)

اس آیت میں بھی کلام الٰہی یعنی وحی نبوت کے نزول کی الٰہی سنت کا ذکر ہے کہ وہ جب چاہے ایسا کرتا ہے اور یوں یہ سلسلہ وحی اور نبوت کے جاری رہنے پر دلیل ہے۔

ساتویں آیت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا

(حٰم سجدہ 41:31)

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا ربّ ہے پھر استقامت اختیار کی ان پر بکثرت فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ اور بشارت ہو۔

حضرت مسیح موعود نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا:

جن لوگوں نے اپنے قول اور فعل سے بتادیا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اور پھر انہوں نے استقامت دکھائی ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ فرشتوں کا نزول ہو اور مخاطبہ نہ ہو، نہیں۔ وہ انہیں بشارتیں دیتے ہیں

(الحکم جلد 10 نمبر 4 مورخہ 31 جنوری 1906ء بحوالہ تفسیر حضرت مسیح موعود جلد چہارم صفحہ نمبر 88)

خاص لوگوں پر ملائکہ کا یہ نزول اور ان کے ذریعہ پیش خبریوں اور بشارات کا ملنا نبوت کا ملنا ہی ہے

3۔انعامِ نبوت کے لئے دعائیں:

پہلی دُعا: سورۃ فاتحہ قرآن کریم کا خلاصہ ہے اور اس میں جو جامع دعا سکھائی گئی ہے اس کا ایک جزو ایسے لوگوں کے راستہ پر چلنے کی دعا ہے جن پر اللہ نے انعام کیا:

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

(فاتحہ 7-1:6)

ترجمہ: ہمیں سیدھے راستے پر چلا ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تو نے انعام کیا۔

انعام یافتہ لوگوں کی نشان دہی قرآن کریم میں یوں فرمائی گئی ہے:

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا (نساء 70:4)

ترجمہ: جن پر اللہ نے انعام کیا (یعنی) نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے۔

پس اللہ تعالیٰ کی سکھائی ہوئی یہ دعا تمام روحانی مراتب کے حصول کے لئے ہے جن پر بدرجہ اولیٰ نبوت شامل ہے اور ایک کی نفی کا مطلب سب سے محرومی ہو گی۔ جو خلاف واقعہ ہے۔

ماقبل آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے::

وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا (نساء 4:69)

ترجمہ: اور ہم ضرور انہیں سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔

سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کی اس یقین دہانی اور اس سے اگلی آیت میں اس انعام کی تفصیل اس کے سورۃ فاتحہ کی دعا سے جڑا ہونے پر ایک مضبوط حوالہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ نبوت کے جاری رہنے کی دعا ہی ہے۔

نبوت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کا قرآن کریم میں علیحدہ بھی ذکر ہے جیسا کہ فرمایا

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ (مائدہ 21:5)

ترجمہ: اور (یاد کرو) وہ وقت جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم!

اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تمہارے درمیان انبیاء بنائے۔

دوسری دعا: آں حضرت ﷺ پر بکثرت پڑھے جانے والے درود میں آپ ﷺ اور اولاد کی طرح آپ ﷺ کے اطاعت گزار مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ سے جن نعمتوں کے پانے کی دعا کی جاتی ہے اس میں وہ برکتیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل کو عطا فرمائیں۔

(کما بارکت علی ابرٰھیم و علیٰ اٰل ابرٰھیم) ان برکات میں سب سے اوّل نبوت تھی۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو نبی بنایا تو آپ نے اپنی اولاد میں اسی نعمت کے جاری رہنے کی دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول بھی فرمایا۔ اس مکالمہ کو قرآن کریم نے یوں محفوظ فرمایا ہے:

قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ

(بقرہ 2:125)

ترجمہ: اس (اللہ) نے کہا میں یقیناً تجھے (ابراہیمؑ کو) لوگوں کے لئے امام بنانے والا ہوں تو اس (ابراہیم) نے عرض کیا اور میری اولاد میں بھی (اس نبوت کو جاری رکھیو)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ہاں مگر) ظالموں سے میرا یہ عہد نہیں۔

اس دعا کی قبولیت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اولادِ ابراہیمؑ میں سلسلہ نبوت کو جاری رکھا جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا:

وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ (عنکبوت 29:28)

ترجمہ: اور (ہم نے) اس (ابراہیم) کی ذریّت میں بھی نبوت اور کتاب (کے انعام) رکھ دئے۔

پس ایک طرف اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو قبول کرتے ہوئے ان کی نسل کے نیکوں میں بوقت ضرورت امامت جو جامع نبوت ہے کے عطا کئے جانے کا وعدہ ہے اور دوسری طرف آں حضرت ﷺ نے امت کو جس درود کے پڑھنے کی تلقین فرمائی (صحیح بخاری کتاب الدعوات باب الصلوٰۃ النبی ﷺ)، اس کے الفاظ میں آل ابراہیمؑ کو ملنے والے انعامات کے حصول کی دعا بھی شامل کی۔

اس لئے اہل ایمان بار بار اس دعا کو دہراتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس برکت کو امت میں بھی جاری رکھے کہ امت محمدیہ ہی برکات ابراہیمی کی حقیقی وارث ہے۔ سو اس دعا کا سکھلایا جانا نبوت کے تسلسل پر ایک مضبوط قرینہ ہے۔ اس حقیقت کا اظہار گذشتہ بزرگ بھی کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عربیؒ نے لکھا ”درود شریف سے قطعی طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ بعض لوگ اس امت کے اللہ کے نزدیک نبوت کا مقام پانے والے ہیں“

(فتوحات مکیہ جلد اوّل از حضرت امام ابن عربی صفحہ نمبر 545 زیر آیت نساء

55 بحوالہ کلید دعوت از جمال الدین شمس صفحہ نمبر 40)

4۔ نبوت کا وعدہ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

(نور 24:56)

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے ان سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔

پہلے لوگوں میں سے بنی اسرائیل میں جو خلیفہ بنائے گئے وہ نبی بھی تھے جیسے وہ تمام انبیاء جو حضرت موسیٰؑ کے بعد آئے اور جو تورات کے احکام کے مطابق یہود کے لئے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ (مائدہ 5:45)

اور جن میں سے ایک حضرت داوٗدؑ کے بارے میں واضح طور پر فرمایا گیا:

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ

(ص 38:27)

ترجمہ: اے داوٗد! یقیناً ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔

اور غیر نبی بھی جیسے حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نون ان کے خلیفہ ہوئے اور پھر اسی آیت میں مذکور ان عارف اور ربانی علماء کا سلسلہ جو انبیاء کی مانند تورات کی حفاظت کرتے رہے۔

پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ سے دونوں اقسام کے خلفاء کا وعدہ فرمایا ہے وہ بھی جو نبی نہ ہوں گے جیسے خلفائے راشدینؓ، سلسلہ مجددین، بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند علمائے حق اور موعود مسیح کے بعد دوبارہ خلافت علیٰ منہاج نبوت اور نبی خلیفہ بھی۔

احادیث میں خبریں: ان سب کی علیحدہ علیحدہ خبریں احادیث رسول ﷺ میں یوں بیان ہوئی ہیں:

خلافت راشدہ: اِنَّ اَوَّلَ دِیۡنِکُم بَدَا نبوۃ وَّ رَحۡمَۃً ثُمَّ یَکُوۡن خلافت وَّ رَحۡمَۃً یعنی بلاشبہ تمہارے دین کی ابتداء نبوت اور رحمت سے ہوئی پھر خلافت اور رحمت رہے گی۔

(مجمع الزوائد از علامہ نور الدین الہیثمی جلد اول صفحہ نمبر 342 بیروت بحوالہ خلافت احمدیہ از مجیب الرحمٰن صفحہ نمبر 47)

سلسلہ مجددین:

اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ لِھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ عَلٰی رَاۡسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ

مَنۡ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیۡنَھَا

(ابوداؤد)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک ایسے شخص کو امت کے لئے مبعوث کرتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔

مجددین کا تجدید دین کا کام اسی نتیجہ کا حامل ہے جو اس آیت میں خلافت کا قرار دیا گیا ہے یعنی

وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمۡ دِیۡنَھُمُ الَّذِی (نور 24:56)

ترجمہ: اور ان کے لئے ان کے دین کو ضرور تمکنت عطا کرے گا۔

اس سے ظاہر ہے کہ مجددین کا یہ سلسلہ اسی وعدہ کی ایک کڑی ہے۔

انبیاء بنی اسرائیل کی مانند علمائے حق: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے ہم پلہ ہیں۔

(مکتوبات امام ربانی اردو از حضرت مجدد الف ثانیؒ مترجم محمد سعید نقشبندی دفتر اوّل حصہ چہارم صفحہ نمبر 72 مدینہ پبلیشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی بحوالہ کلید دعوت از جمال الدین شمس صفحہ نمبر 57)

دوبارہ خلافت علیٰ منہاج النبوت: ثم تکون الخلافہ علیٰ منہاج النبوۃ (مشکوٰۃ کتاب الفتن) یعنی پھر منہاج نبوت پر خلافت قائم ہو گی۔

خلیفہ نبی:

اَلَا۔ اِنَّہ لَیسَ بَینِي و بَینَه نَبِیٌّ وَّلَا رَسُولٌ اَلَا۔ اِنَّہ خَلِیفَتِی فِی اُمَّتِی (طبرانی فی الاوسط)

یعنی سن لو! میرے اور مسیح موعود کے درمیان نہ کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول اور سن لو! کہ وہ میری امت میں میرا خلیفہ ہے۔

مثیلِ عیسیٰ نبی:

گزشتہ سلسلہ کے مطابق امت محمدیہ میں خلفاء کا ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ آں حضرت ﷺ کو حضرت موسیٰ ؑ کے مثیل رسول فرمایا گیا۔

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا

(مزمّل 73:16)

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر نگران ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف بھی ایک رسول بھیجا تھا۔

گزشتہ لوگوں کی طرح خلیفہ بنانے کا الٰہی وعدہ اس امر کا متقاضی ہے کہ دونوں سلسلوں کے مماثل آغاز کی طرح امت محمدیہ کا آخری خلیفہ بھی بنی اسرائیل کے آخری خلیفہ حضرت عیسیٰ ؑ کے ہم رنگ ہو۔ تا کہ یہ مشابہت پورے طور پر ظاہر ہو سکے۔

اس طرح یہ آیت اپنے اندر اس وعدہ کو لئے ہوئے ہے کہ امت میں حضرت عیسیٰ کے ہم رنگ ایک نبی ظاہر ہوگا۔

منکم کے معنی: بعض لوگ اس حتمی نتیجہ سے بچنے کے لئے آیت میں مذکور لفظ منکم بمعنی تم میں سے۔ کو صحابہ کرامؓ سے مخصوص کر کے کہتے ہیں کہ خلیفہ بنائے جانے کا یہ وعدہ صرف اصحاب رسول ﷺ سے تھا۔ یہ توجیہ جہاں آیت میں مذکور دیگر تفاصیل اور آں حضرت ﷺ کو حضرت موسیٰ ؑ کے ہم رنگ قرار دینے کے تقاضوں کے خلاف ہے وہیں بکثرت دہرائے گئے قرآنی اسلوب سے بھی متصادم ہے۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا:

منکم کا لفظ قرآن کریم میں قریباً 82 جگہ آیا ہے اور بجز دو تین جگہ کے جہاں کوئی خاص قرینہ قائم کیا گیا ہے باقی تمام مواقع میں منکم کے خطاب سے وہ تمام مسلمان مراد ہیں جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔

(شہادت القرآن روحانی خزائن جلد نمبر 6 صفحہ نمبر 331)

ان مقامات میں جو احکامات بیان ہوئے ہیں وہ رائج چلے آتے ہیں مثلاً امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم اور یہ اس بات پر گواہ ہیں کہ منکم کو محدود کرنے کا استدلال درست نہیں۔ اور حقیقت یہی ہے کہ یہ وعدہ بشرط ایمان، اعمال صالح اور اس انعام پر شکر گزاری کے عام ہے۔

حدیث میں منکم: آیت استخلاف کے ہم رنگ یہی منکم کا لفظ آنحضرت ﷺ نے بھی امت کے موعود نبی کی پیش خبری میں استعمال فرمایا۔ یعنی امامکم منکم (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم) کہ وہ تمہارا امام ہوگا تم میں سے اور اَمَّکُم منکم (صحیح مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ بن مریم) اور یوں اس پیشگوئی کو قرآنی وعدہ خلافت کی آیت سے جوڑ دیا۔ اور واضح فرمادیا کہ آنے والا موعود اسی امت میں سے ہوگا نہ کہ بنی اسرائیل کے لئے معبوث کئے جانے والے حضرت عیسیٰ ؑ۔

حدیث میں تمکنت دین: آں حضرت ﷺ نے آنے والے مہدی اور مسیح کے جو کام بتائے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ: لو کان الایمان عند الثریا (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ) یعنی وہ ایمان کو ثریا ستارے سے لوٹا لائے گا۔ یہ کام اس آیت میں مذکور اس وعدہ کے تابع لگتا ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) خلافت کے ذریعہ دین کو تمکنت عطا فرمائے گا۔ اور اس یکسانیت سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ امت میں نبی کا وعدہ آیت استخلاف کے مطابق ہے۔

طویل دورانیہ: آں حضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم فضلوں کا مورد بنایا جیسا کہ ارشاد ہوا:

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ (نساء 4:114)

ترجمہ: اور تجھ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو بہترین امت فرمایا:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران 3:111)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو تمام انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہے

ان اعلیٰ مقامات کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ کی امت سے خلافت کا وعدہ بنی اسرائیل سے مماثلت رکھنے کے باوجود دورانیہ کے لحاظ سے بھی ممتاز ہو اور جب کہ حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کا دور 1400 سال پر ممتد رہا۔ امت محمدیہ میں سلسلہ خلافت انتہائے دنیا تک جاری رہے۔

شائد اسی تناظر میں آنحضرت ﷺ نے جب امت میں خلافت کے قیام کی خبر دی اور اس کے مختلف ادوار کا ذکر فرمایا تو سب کے بعد خلافت علیٰ منہاج نبوت کی خبر دے کر سکوت فرمایا اور مزید کسی دور کی خبر نہ دی۔

(مسند امام احمد بن حنبلؒ زیر عنوان حدیث حضرت نعمان بن بشیرؓ جلد 4 صفحہ نمبر 273 دار صادر۔ بیروت)

حفاظت قرآن: ایک اور آیت قرآنی میں اللہ نے فرمایا ہے کہ:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

(حجر 15:10)

ترجمہ: یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن کریم کی معنوی حفاظت کا آسمانی انتظام یہی وعدہ خلافت ہے کیونکہ ان خلفاء کے ذریعہ بار بار دین کی تجدید ہوتی رہتی ہے اور اس کے خوبصورت چہرہ پر زمانے کے ہاتھوں پڑنے والی گرد صاف ہو جاتی ہے اور اس کی روشن تعلیم پھر نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ چونکہ حفاظتِ قرآن کا وعدہ دائمی ہے اس لئے یہ انتظام بھی ہمیشہ رہے گا۔

مذکورہ بالا تفصیل امتِ محمدیہ میں انعامِ نبوت کے وعدہ پر کافی دلیل ہے

5۔ نبی کی خبریں:

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ میں انعام نبوت کا صرف وعدہ ہی نہیں فرمایا بلکہ قرآن کریم میں مختلف رنگوں میں امت میں نبی کی آمد کی خبر بھی دی گئی ہے۔ یہ آیات اور ان کی کسی قدر وضاحت ذیل میں درج کی جاتی ہے:

پہلی خبر: عذاب سے پہلے نبی:

اللہ تعالیٰ نے یہ اصول مقرر فرمایا ہے کہ عذاب کے آنے سے پہلے نبی ضرور بھیجا جاتا ہے تا کہ اتمام حجت ہو جائے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (بنی اسرائیل 17:16)

ترجمہ: اور ہم ہرگز عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ کوئی رسول نہ بھیج دیں۔

یہ اس لئے ہے تا مستحقین عذاب یہ گلہ نہ کریں کہ:

وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُم بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِن قَبْلِ أَن نَّذِلَّ وَنَخْزَىٰ

(طٰہٰ 20:135)

ترجمہ: اور اگر ہم انہیں اس سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے ربّ کیوں نہ تو نے ہماری طرف رسول بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے بیشتر اس کے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہو جاتے۔

اس آیت کے مطابق صرف اتمام حجّت کے لئے بھی نبی بھیجے جاتے ہیں۔ صرف اس غرض سے بھیجے گئے نبی بلا شریعت ہی ہوں گے۔

اس قانون الٰہی کے پس منظر میں قرآن کریم یہ خبر بھی دیتا ہے:

وَإِن مِّن قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ (بنی اسرائیل 17:59)

ترجمہ: اور کوئی بستی نہیں مگر اسے ہم قیامت کے دن سے پہلے ہلاک کرنے والے یا اسے بہت سخت عذاب دینے والے ہیں۔

ان تباہیوں کی خبر انجیل میں بھی ہے:

قوم پر قوم اور سلطنت پر سلطنت چڑھائی کرے گی اور جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے۔ (متی باب 24 آیات 8-7)

عالمگیر عذاب کی یہ خبر پہلے ذکر ہوئی سنت الٰہی کی روشنی میں آئندہ ایک نبی کی بعثت کی خبر ہے۔

19 ویں صدی کے آخر سے شروع دنیا پر نازل ہونے عذابوں کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ طاعون سے بستیوں کی بستیاں تباہ ہوئیں۔ زلزلوں نے متعدد شہروں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ دونوں عالمگیر جنگوں میں بے انتہا ہلاکتیں ہوئیں۔ پہلی جنگ عظیم میں تین کروڑ اور دوسری میں ساڑھے پانچ کروڑ انسان ہلاک ہوئے اور تیسری جنگ تو لگتا ہے کہ انسانیت کی صف لپیٹ دے گی۔ ان عذابوں کی آمد ان سے پہلے ایک نبی کی آمد کی متقاضی ہے۔

دوسری خبر: میثاق النبیین:

قرآن کریم دو میثاقوں کا ذکر فرماتا ہے جو انبیاء سے لئے گئے۔ ان میں اول یہ ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ (آل عمران 3:82)

ترجمہ: اور جب اللہ نے نبیوں کا میثاق لیا کہ جبکہ میں تمہیں کتاب اور حکمت دے چکا ہوں پھر اگر کوئی ایسا رسول تمہارے پاس آئے جو اس بات کی تصدیق

کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لے آؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔

اس آیت کی تشریح مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے یوں فرمائی ہے:

ان آیات میں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ پختہ عہد لیا ہے کہ جب تم میں سے کسی نبی کے بعد دوسرا نبی آئے جو یقینا پہلے انبیاء اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہوگا تو پہلے نبی کے لئے ضروری ہے کہ پچھلے نبی کی سچائی اور نبوت پر ایمان خود بھی لائے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرے۔

(معارف القرآن جلد نمبر 2 از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر 100 بحوالہ راہ ہدیٰ از ایم۔کے۔خالد، صفحہ نمبر 142 ناشر اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹیڈ، اسلام آباد، یوکے 1991ء)

مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی (جو شیخ الہند لکھے جاتے ہیں) نے تقریباً انہی الفاظ میں یہ تشریح اپنے ترجمۃ القرآن صفحہ نمبر 78 پر کی ہے۔

(بحوالہ راہ ہدیٰ از ایم۔کے۔خالد، صفحہ نمبر 141 ناشر اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹیڈ، اسلام آباد، یوکے 1991ء)

نبیوں سے اور ان کے توسط سے ان کی قوموں سے لیا جانے والا یہ عہد آئندہ آنے والے نبیوں پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا تھا۔ درمیانے عرصہ میں آنے والے انبیاء سے لیا جانے والا یہ عہد بطور خاص تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تھا۔ ابن جریر نے حضرت علیؓ کے حوالے سے یہ روایت لکھی ہے کہ حضرت آدمؑ سے لیکر کوئی نبی معبوث نہیں ہوا جس سے اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد نہ لیا ہو۔

یہ عہد بنی نوع انسان کو انبیاء کے ذریعہ ان کے خالق کی طرف رجوع کر کے انسانوں کے اپنے مقصد پیدائش کی طرف متوجہ رکھنے اور سچائی کے تسلسل کی خاطر تھا۔ اور اس بات سے قطع نظر تھا کہ بعد میں آنے والے نبی فضیلت کے کس بڑے یا چھوٹے درجہ پر تھے۔ چنانچہ واقعاتی طور پر ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ سے لیا گیا عہد خود ان کے بیٹوں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کے لئے تھا۔ اور حضرت موسیٰؑ سے لیا گیا عہد ان کے بعد آنے والے بنی اسرائیل کے غیر تشریعی رسول تھے۔ یہ امر انبیاء میں ان کے مقام نبوت کے بارے میں کوئی فرق نہ کرنے کا ایک خوبصورت اظہار ہے۔

اسی عہد کے پاس میں حضرت موسیٰؑ نے اپنے بعد حضرت ایلیاءؑ، حضرت مسیحؑ، اور وہ نبی' کی خبر دی۔ اور حضرت عیسیٰؑ نے اس روح حق کی آمد کی نوید دی جو سب کچھ کہہ دے گا۔

اس سفر کو جاری رکھتے ہوئے قرآن کریم اس عہد کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا جانا بھی بیان فرمایا ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ (احزاب 33:8)

ترجمہ: اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا اور تجھ سے بھی اور نوح سے بھی اور ابراہیم سے بھی اور موسیٰ سے بھی اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی۔

اس آیت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے ساتھ چار انبیاء کا نام لیا گیا۔ حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ صاحب شریعت انبیاء تھے جس طرح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابراہیمؑ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو اسماعیل کے جد امجد تھے اور حضرت عیسیٰؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے نبی اور بنی اسرائیل کے سلسلہ کے آخری نبی تھے۔ ان انبیاء کے ذکر کی حکمتیں ایک علیحدہ مضمون ہے۔ یہاں یہ امر مفید طلب ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی انبیاء کا وہ عہد لیا گیا جس کا تفصیل سے اوپر ذکر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عہد کا لیا جانا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کو آنے والے پر ایمان لانے اور اس کی مدد کرنے کا عہد لیا جانا اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا تھا۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا تھا تو آپ سے اس عہد کے لئے جانے کا کیا جواز تھا؟

غالباً یہی عہد تھا جس کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد آنے والے مہدی اور مسیح کی بشارت دی۔ کم وبیش ستر احادیث میں یہ خبر اور اس کی علامات کا ذکر ملتا ہے۔ خاص طور پر آنے والے پر ایمان لانے اور اس کی مدد کرنے کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَبَايِعُوهُ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ فَإِنَّهُ خَلِيفَةُ اللهِ

(سنن ابن ماجہ جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 1367 کتاب الفتن باب خروج المهدی)

ترجمہ: جب تم مہدی کو پاؤ تو اس کی بیعت کرو خواہ تمہیں برف کے پہاڑوں پر گھٹنوں کے بل چل کر جانا پڑے کیونکہ وہ مہدی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔

من ادرك منكم عيسى ابن مريم فليقرئه مني السلام

(تفسیر دُرِ منثور از علامہ جلال الدین سیوطی جلد نمبر 2 صفحہ 433 فی تفسیر الماثور سورۃ النساء زیر آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ، شائع کردہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

ترجمہ: جو بھی تم میں سے عیسیٰ بن مریم کو پائے تو اس کو میرا اسلام پہنچا دے۔

سلامتی کا یہ پیغام اس آنے والے کے لئے امن وآشتی کا سامان کرنے کا حکم تھا جو اس سے تعاون کے بغیر محال ہے اور یہ صریح اس کی مدد کا قرینہ ہے۔

تیسری خبر: سورج کا چاند:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب عالیہ کے بیان میں قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر (احزاب 33:47) یعنی چمکتا ہوا سورج بھی فرمایا۔ سورج جسمانی زندگی میں روشنی، حرارت، توانائی اور نور کا سرچشمہ ہے اور اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم روحانی زندگی بھی انہی صفات سے متصف ہے۔ ہر روحانی ہدایت،

روشنی اور نور آپ ﷺ کے وجود سے ہے۔ پھر جس طرح سورج ہمارے جسمانی نظام شمسی کا محور ہے اور بے شمار ستارے اور ایک چاند سورج سے فیض پا کر روشن ہیں اور مخلوق خدا کو نفع پہنچا رہے ہیں۔ آپ ﷺ کا سراج منیر ہونا اس خبر کو لئے ہوئے ہے کہ آپ ﷺ کے وجود باجود سے فیض پا کر آسمانِ روحانی پر بھی بے شمار ستارے اور ایک چاند جیسا وجود ظاہر ہوں گے۔

ان ستاروں کی نشاندہی آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی کہ: **اَصحابی کَالنّجوم** (مشکوٰۃ کتاب المناقب صحابہؓ) میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں اور اس روحانی چاند کے ظہور کی مہدی اور مسیح کے نام سے پیشگوئی فرمائی۔ جس طرح چاند چودھویں تاریخ کو سورج کی روشنی کو درجہ کمال تک جذب اور منعکس کرتا ہے اس روحانی چاند کا ظہور بھی چودھویں صدی میں مقرر کیا گیا۔

چاند کی روشنی تمام تر سورج کا فیض ہوتا ہے اس روحانی چاند کے لئے بھی فیض کا سرچشمہ سراج منیر حضرت محمد مصطفی ﷺ کو ہونا تھا۔ پس چونکہ آپ کے سورج کی روشنی نورِ نبوت ہی ہے اور آپ ﷺ کو صرف چراغ ہی قرار نہیں دیا گیا بلکہ منیر بھی فرمایا ہے یعنی دوسرے چراغوں کو روشن کرنے والا اس لئے دوسرے چراغ کا روشن ہونا بھی ضروری ہے اور یوں یہ آپ کے فیض سے مستفید ہو کر ایک ایسے نبی کی آمد کی خبر ہے جو ایک پہلو سے نبی ہوگا اور ایک پہلو سے امتی۔

اس سے اگلی آیت اس مضمون کو آگے بڑھاتی ہے:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا (احزاب 33:48)

ترجمہ: اور مومنوں کو خوش خبری دے دے کہ (یہ) ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔

یہ آیت واضح طور پہلی بات کو جو سورج کے تابع چاند کے ظہور کی ہے نہ صرف ایک خبر بلکہ خوش خبری قرار دے کر بتا رہی ہے کہ ایسا مستقبل میں ہوگا۔

نیز اس انتظام کو کہ اوّل آں حضرت ﷺ جیسے عظیم وجود کو ایک منور کرنے والے سورج کی طرح بھیجا اور پھر بعد کے زمانے میں اس سورج سے روشن شدہ ایک روحانی چاند کے ذریعہ تکمیل تبلیغ ہدایت کا سامان کیا۔ اس کی عظیم برکات کے پیش نظر اللہ کا بڑا فضل قرار دیتی ہے۔

انعام نبوت اللہ تعالیٰ کے بڑے فضلوں میں سے ہے جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ غرضیکہ یہ آیت ایک امتی نبی کی آمد کی خبر ہے۔

اس آیت سے ایک اور استنباط ایک اہل علم نے یوں کیا ہے:

عربی سے ترجمہ: آں حضرت ﷺ کو چراغ اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ ایک چراغ سے بہت سے دوسرے چراغ روشن ہو سکتے ہیں جبکہ اصل چراغ کی روشنی میں اس سے کوئی کمی نہیں آتی۔ (زرقانی شرح مواہب الدنیہ از حضرت امام محمد بن عبدا لباقی زرقانیؒ جلد نمبر 3 صفحہ نمبر 171 بحوالہ ضرورت نبوت کا ثبوت از حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری صفحہ نمبر 83)

آیت خاتم النبین کے بعد سورت احزاب ہی میں اس آیت کی موجودگی سے مقام خاتم النبین کے حقیقی معنوں کی بھی خوب وضاحت ہو جاتی ہے۔

4۔ چوتھی خبر: برائے اصلاحِ بگاڑ:

قرآن کریم میں یہ سنت الٰہی بیان ہوئی ہے کہ جب بھی اکثریت گمراہ ہو جاتی ہے تو اللہ ان میں ڈرانے والا بھیجتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِم مُّنذِرِينَ

(صافات 73-37:72)

ترجمہ: اور یقینا ان سے قبل پہلی قوموں میں سے بھی اکثر گمراہ ہو چکے تھے اور یقینا ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے تھے۔

یہ ڈرانے والے نبی یا رسول ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ (بقرہ 2:214)

ترجمہ: پس اللہ نے نبی معبوث کئے اس حال میں کہ وہ بشارت دینے والے تھے اور انذار کرنے والے تھے۔

نیز فرمایا:

رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ (نساء 4:166)

ترجمہ: کئی بشارتیں دینے والے اور انذار کرنے والے رسول بھیجے۔

بگاڑ کا ضرورت نبوت ہونا عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ کتاب ختم نبوت کے مصنف لکھتے ہیں:

"بعثت نبی کی ضرورت جب ہوتی ہے کہ خدا کے بندے اس کی صراط مستقیم کو چھوڑ دیں، تا کہ یہ نبی ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔"

(ختم نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی صفحہ نمبر 175
ادارۃ المعارف کراچی ستمبر 2012ء)

آں حضرت ﷺ نے معین طور پر ایک وقت میں اپنی امت کے بگاڑ کی خبر بھی دی۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں ہے:

i۔ ترجمہ حدیث: "تم لوگ اپنے سے پہلی اقوام کی پیروی کرو گے جس طرح ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کی طرح ہوتا ہے یہاں تک اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے تو تم بھی ایسا کرو گے۔ صحابہ نے عرض کیا، کیا آپ ﷺ کی مراد یہود و نصاریٰ سے ہے؟ آپ نے فرمایا اور کس سے؟۔

(بخاری کتاب الاعتصام والسنۃ)

ii۔ **يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدَى**

(مشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الثالث جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 91 الجز الاول المکتب

الاسلامی، کنز العمال جلد6 صفحہ 43)

ترجمہ: عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہیں رہے گا اس زمانے کے لوگوں کی مسجدیں بظاہر آباد نظر آئیں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی۔

iii۔ وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً

(جامع ترمذی جلد2 صفحہ نمبر 89 کتاب الایمان باب افتراق ھذہ الامت)

ترجمہ: اور میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے صرف ایک جنتی ہوگا اور باقی جہنمی ہوں گے۔

عام لوگوں کے اس بگاڑ کے ساتھ علماء کا حال بھی ابتر ہونے کی خبریں یوں دی گئیں:

1۔ عُلَمَآءُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ (مشکوۃ کتاب العلم الفصل الثالث جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 91 الجزالاول المکتب الاسلامی، کنز العمال جلد6 صفحہ 43)

یعنی اس زمانہ کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ انہیں سے فتنے اٹھیں گے اور انہیں میں لوٹ جائیں گے۔

2۔ فَيَصِيْرُ النَّاسُ اِلٰی عُلَمَآ فَاِذَا هُمْ قِرَدَةٌ وَّخَنَازِيْر

(کنز العمال جلد نمبر 7 صفحہ نمبر 190 حدیث نمبر 2013 مطبع دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن 1314ھ)

ترجمہ: لوگ ہدایت اور راہنمائی کے لئے علماء کے پاس جائیں گے تو وہ انہیں بندروں اور سؤروں کی طرح پائیں گے۔

آنحضرت ﷺ کی مسلمانوں کی اکثریت اور علماء کے بگاڑ کی پیش خبریاں یقیناً اس امر کی متقاضی ہیں کہ ان کے ساتھ نبی بھیجنے کی الٰہی سنت بھی ظاہر ہو۔ اور یوں یہ امت میں نبی آنے کی خبر ہے۔

پانچویں خبر: اسمہ احمد:

حضرت عیسیٰؑ نے انجیل میں یہ پیشگوئیاں فرمائیں:

i۔ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا (یوحنا باب 16 آیت 7)

ii۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا بلکہ جو کچھ سنے گا وہی کہے گا (یوحنا باب 16 آیت 13-12)

iii۔ سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمانوں سے گریں گے اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی اور اس وقت زمین کی سب قومیں چھاتی پیٹیں گی اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی اور وہ نرسنگے کی بڑی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک جمع کریں گے۔ (متی باب 24 آیات 31-29)

یہ دو پیش خبریاں تھیں۔ ایک 'وہ نبی' کی یعنی آں حضرت ﷺ کی اور دوسری ابن آدم یعنی حضرت عیسیٰؑ کی اپنی آمد ثانی کی۔

قرآن کریم نے حضرت عیسیٰؑ کی ان پیشگوئیوں کو یوں دہرایا ہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (صف 61:7)

ترجمہ: اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔

(کنز الایمان ترجمہ قرآن از مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی، زیر آیت 6 سورۃ صف)

یہ خبر اوّل درجے پر آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ کے وجود باجود سے پوری ہوئی۔ گو آپ ﷺ کا ذاتی نام احمد نہ تھا لیکن اس حدیث کے مطابق کہ:

انا محمد وانا احمد وانا ماحی وانا عاقب (بخاری کتاب المناقب)

ترجمہ: کہ میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور ماحی ہوں اور عاقب ہوں۔

ماحی اور عاقب کی مانند احمد بھی آپ ﷺ کا صفاتی نام تھا۔

اور پھر ان خبروں میں بتائی گئی علامتیں 'حضرت عیسیٰؑ کے بعد' 'روح حق سچائی کی تمام راہ' جو سنے گا وہی کہے گا' سب آپ ﷺ میں پوری ہوگئیں۔ آپ ﷺ کی بعثت حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بعد ہوئی۔

آپ پر روح حق کا اترنا بیان ہوا:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (نحل 16:103)

ترجمہ: تو کہہ دے کہ اسے روح القدس نے تیرے ربّ کی طرف سے حق کے ساتھ اتارا ہے۔

اور یہ بھی کہ آپ ﷺ وہی کہتے ہیں جو سنتے ہیں:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (نجم 53:4-5)

ترجمہ: اور وہ خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا یہ تو محض ایک وحی ہے جو اتاری جارہی ہے۔

قرآن کریم کی فصاحت کا کمال ہے کہ سورۃ صف کی اس پیش گوئی میں درج ذیل ایک جملہ کا اضافہ کر کے اس میں حضرت عیسیٰؑ کی اپنی آمد ثانی کی دوسری پیشگوئی کو بھی دہرا دیا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ (صف 8:61)

ترجمہ: اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہو۔

اور یوں انجیل کی مسیح کی آمد ثانی کی یہ پیش گوئی اسلام میں آں حضرت ﷺ کے بعد ایک ایسے امتی نبی کی خبر بن گئی جس کا نام احمد ہوگا اور جس کے دعوے کو جھٹلا کر اسے اسلام کی طرف بلایا جائے گا۔

آیت کا یہ آخری حصّہ اس خبر کو بعد کے زمانے سے متعلق کر دیتا ہے کہ جب کچھ لوگ اپنی دانست میں اسلام کے اجارہ دار بن جائیں گے اور اس موعود نبی کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر اسے ازسرنو دعوت اسلام دیں گے۔ اسلام کی طرف بلایا جانا ایک مستحسن فعل ہے لیکن یہاں اسے اس موعود کی دعوت کو جھٹلانے والوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس سے اس دعوت کا باطل ہونا اور اس دعویدار کا اسلام پر ہونا ظاہر ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہے کہ اس آیت میں مذکور موعود نبی کی خبر دیگر اور پیش خبریوں کے تناظر میں جمالی شان میں آں حضرت ﷺ کی بعثت ثانیہ کی خبر بھی ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے فرمایا:

i۔ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ مہدی معہود جس کا نام آسمان پر مجازی طور پر احمد ہے جب مبعوث ہوگا تو اس وقت وہ نبی کریم ﷺ جو حقیقی طور پر اس نام کا مصداق ہے اس مجازی احمد کے پیرایہ میں ہو کر اپنی جمالی تجلی فرمائے گا۔

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد نمبر 17 صفحہ نمبر 254 نیا ایڈیشن)

ii۔ آیت ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد میں یہ اشارہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کا آخری زمانہ میں ایک مظہر ظاہر ہوگا گویا وہ اس کا ہاتھ ہوگا جس کا نام آسمان پر احمد ہوگا اور وہ حضرت مسیح کے رنگ میں جمالی طور پر دین کو پھیلائے گا

(اربعین نمبر 3 روحانی خزائن جلد نمبر 17 صفحہ نمبر 421 نیا ایڈیشن)

چھٹی خبر: آنحضور ﷺ کی دوسری بعثت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا (جمعہ 62:3)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اُمی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول معبوث کیا۔

پھر اگلی آیت میں فرمایا:

وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ (جمعہ 62:4)

ترجمہ: اور (اسے معبوث کیا ہے) انہی میں سے دوسروں کی طرف بھی جو ابھی ان سے نہیں ملے۔

ان آیات کے مطابق آنحضرت ﷺ کو دو لوگوں کی طرف معبوث فرمایا گیا ہے: اول۔ اُمیین اور دوسرے اٰخرین۔

اُمیین کی نشاندہی آنحضور ﷺ نے خود یوں فرمائی ہے: انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب (درمنثور)

ترجمہ: ہم امت اُمی ہیں کتاب پڑھنا اور حساب کتاب نہیں جانتے۔

ان امیین میں آنحضور ﷺ کی بعثت اور ان کا تزکیہ اور تعلیم و کتاب و حکمت اور ان کو اصحاب رسول ﷺ کے بلند درجہ پر پہنچانا ایک تاریخی حقیقت ہے

اٰخرین۔ 'اٰخَر' کی جمع ہے جس کے لغوی معنی ہیں:

'آخَر' (خا کی زبر کے ساتھ) غیر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے یعنی جو دوسرے سے مختلف ہو۔ جیسے رجُلٌ 'اٰخَرُ' دوسرا آدمی [دوسرے کے معنی (Second) نہیں بلکہ (Another) یا (Other Than) ہیں]

(لغات القرآن جلد اوّل از غلام احمد پرویز صفحہ نمبر 209 ادارہ طلوع اسلام لاہور، دوسرا ایڈیشن 1984ء)

ان دوسروں کی جن میں آنحضور ﷺ کو دوبارہ معبوث کیا جانا تھا۔ ایک علامت یہ بھی بتائی گئی کہ وہ ابھی ان امیین سے نہیں ملے۔

یہ اٰخرین کون ہیں؟ اس کے جواب میں گزشتہ مفسرین نے کئی اندازے لگائے ہیں لیکن وہ اپنی آراء کے حق میں کوئی تائیدی حدیث پیش نہیں کرتے۔ اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کردہ یہ حدیث ہی جسے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی سب نے روایت کیا ہے اس سوال کا اصل جواب ہے۔

ترجمہ: ہم آنحضرت ﷺ کے حضور بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۃ جمعہ نازل ہوئی آپ نے پڑھنا شروع کیا جب آپ **و اخرین منھم لما یلحقو** پر پہنچے تو ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں جو ہم سے نہیں ملے۔ تین بار پوچھنے پر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی ؓ کے کندھے پر رکھ کر فرمایا اگر ایمان ثریا پر بھی پہنچ گیا تو ان لوگوں میں سے ایک مرد یا بعض مرد اسے واپس لے آئیں گے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ جمعہ و مسلم)

یہ ارشاد ظاہر کرتا ہے کہ اس آیت میں آپ ﷺ کی جس دوسری بعثت کا ذکر ہے وہ اہل فارس میں سے ایک وجود ہوگا اور اس پر ایمان لانے والے صحابہؓ کا درجہ پائیں گے۔

آنحضرت ﷺ کی اس وضاحت میں یہ امر خود شامل ہے کہ یہ واقعہ بعد کے زمانے میں ہونے والا ہے کیوں کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں تو ایمان سینوں میں جگمگا رہا تھا اور خود آں حضرت ﷺ نے اپنی صدی کو بہترین صدی فرمایا پھر درجہ بدرجہ اگلی دو صدیوں کو اور پھر بعد کے ہزار سال کو فیج اعوج کا زمانہ قرار دے کر اس زمانہ کا تعین فرما دیا جس میں ایک بار پھر اُمیّت کے غلبہ ہونے اور آنحضرت ﷺ کے اپنے بروز کے رنگ میں معبوث ہونے کی خبر تھی۔

اٰخرین کا امیین کے بالمقابل ذکر ان کے اور ان میں آپ ﷺ کے بروز کے غیر اُمی ہونے کا بھی ذکر ہے۔اس لئے بعض حلقوں کا خرین سے یہ مراد لینا کہ اس سے مراد امیین میں سے وہ عرب ہیں جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے ۔ جہاں آں حضرت ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے ہٹ کر ہے وہیں آں حضور ﷺ کی بعثت کو صرف امیین تک محدود کر کے قرآن کریم کی ان آیات کے بھی خلاف ہے جن میں آپ ﷺ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے رسول فرمایا گیا ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (اعراف 7:159)

ترجمہ: تو کہہ دے کہ اے انسانو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

نیز: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ (سبا 34:29)

ترجمہ: اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے۔

پس قرآن کریم کی یہ آیت یقینی طور پر امت میں ایک ایسے وجود کی بعثت کی خبر ہے جو اہلِ فارس میں سے ہوگا۔ آں حضور ﷺ کا بروز کامل ہوگا اور غیر اُمیین کو کتاب وحکمت کی دعوت دے گا اور ان کا تزکیہ کرے گا۔ اور یوں یہ آیت آنے والے اس موعود کے قلم کے ذریعہ دعوت دینے پر بھی قرینہ ہے۔

یہی خبر ایک اور حدیث میں یوں دی گئی یَفِيضُ الْمَالَ (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ) کہ وہ موعود (علم کے) خزانے لٹائے گا۔

اٰخرین منھم میں منھم سے مراد اصحاب ؓ ہیں۔ بعد میں آ ملنے والوں کو صحابہ قرار دینا ظاہر کرتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کا یہ آنے والا بروز نبی ہوگا اور اسی لئے اس کے اصحاب آں حضرت ﷺ کے اصحاب کہلائیں گے۔

حضرت مسیح موعود اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

خدا تعالیٰ قرآن کریم میں آں حضرت ﷺ کے دو منصب قائم کرتا ہے:

(1) کامل کتاب کو پیش کرنے والا جیسا کہ فرمایا:

يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

(بیّنۃ 3-4)(2) دوسرے تمام دنیا میں اس کتاب کی اشاعت کرنے والا جیسا کہ فرماتا ہے:

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (صف 10)۔۔۔۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کا دوسرا غرض منصبی جو تکمیل اشاعت ہدایت ہے آں حضرت ﷺ کے زمانہ میں بوجہ عدم وسائل اشاعت غیر ممکن تھا اس لئے قرآن کریم کی آیت وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ میں آں حضرت ﷺ کی آمد ثانی کا وعدہ دیا گیا ہے (تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد نمبر 17 صفحہ نمبر 261 حاشیہ اور صفحہ نمبر 263 نیا ایڈیشن)

ان آیات میں آں حضرت ﷺ کی بروزی بعثت ثانی کا ذکر ہے اس پر ایک مزید قرینہ اس سے اگلی آیت ہے:

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

(جمعہ 62:5)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے وہ اس کو جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑا افضل کرنے والا ہے۔

نبوت ایک انعام ہے جس کی عطا اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے فرماتا ہے اس حقیقت کا یہاں اظہار ایک اور وجود کو یہ مقام دیئے جانے کی خبر ہے۔

غرض یہ کہ سورۃ جمعہ کی یہ تین آیات اور صحیح بخاری کی حدیث مبارک واضح طور پر امت میں آنحضرت ﷺ کی ایک امتی نبی کے ذریعہ بروزی بعثت ثانیہ کی پیش خبری ہے۔

ساتویں خبر: امت میں ابن مریم کی پیدائش:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مومنوں کی مثال دو خواتین سے دی ہے۔ ایک فرعون کی بیوی اور دوسری حضرت عیسیٰ ؑ کی والدہ۔ جن کے بارے میں فرمایا:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا (تحریم 66:13)

ترجمہ: اور عمران کی بیٹی مریم کی (مثال دی ہے) جس نے اپنی عصمت کو اچھی طرح بچائے رکھا تو ہم نے اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونکا۔

چونکہ اسے مومنوں کے لئے مثال کہا گیا ہے اس لئے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو مومن روحانی طور پر مریمی حالت سے گزریں گے ان کے اندر نفخِ روح ہوگا اور وہ عیسیٰ بنائے جائیں گے۔ اس حوالے سے حضرت مسیح موعود نے فرمایا:

ہر ایک مومن جو تقویٰ وطہارت میں کمال پیدا کرے وہ بروزی طور پر مریم ہوتا ہے اور خدا اس میں اپنی روح پھونک دیتا ہے جو کہ ابن مریم بن جاتی ہے۔ زمخشری نے بھی اس کے یہی معنی کئے ہیں کہ یہ آیت عام ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ نمبر 523)

پس یہ اظہار اس عمل سے گزر کر امت میں ایک ابن مریم کے ہونے کی واضح خبر ہے۔ یہ وضاحت حضرت مسیح موعود نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

’اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس امت میں ایک شخص ہوگا کہ پہلے مریم کا مرتبہ اس کو ملے گا پھر اس میں عیسیٰ کی روح پھونکی جائے گی۔ گویا مریم ہونے کی صفت نے عیسیٰ ہونے کا بچہ دیا اور اس طرح پر وہ ابنِ مریم کہلائے گا‘۔ (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19، صفحہ 48)

آٹھویں خبر: رسولوں کی بعثت ثانی:

روز قیامت رسولوں کا جمع کیا جانا ایک حقیقت ہے۔ جس کا قرآن کریم میں یوں ذکر ہے:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ أُجِبْتُمْ (مائدہ 5:110)

ترجمہ: جس دن اللہ تمام رسولوں کو اکٹھا کرے گا اور پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا؟

یہ آیت اور اس کا سیاق وسباق واضح طور پر اسے روز قیامت سے متعلق ایک واقعہ ظاہر کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن کریم اسی دنیا میں رسولوں کو لانے کا بطور خبر بھی ذکر فرماتا ہے۔

وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ (مرسلٰت 77:12)

ترجمہ: اور جب رسول مقررہ وقت پر لائے جائیں گے۔

یہ سورت آئندہ ہونے والی خبروں پر مشتمل ہے جیسا کہ ماقبل آیات میں سے ایک میں یہ خبر دی گئی کہ:

فَإِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ (مرسلٰت 77:9)

ترجمہ: اور جب ستارے ماند پڑ جائیں گے۔

یعنی علم اور روحانیت والے علماء امت اپنی روشنی کھو دیں گے۔ اس آیت کے حوالہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا:

’علامات قیامت سے یہ بھی ایک علامت ہے کہ ایسے علماء جو نجوم کی طرح ہیں ان کی نور فراست جاتی رہے گی۔ (حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ نمبر 302)

پس یہ اظہار کہ رسول لائے جائیں گے بھی ایسی ہی ایک پیش خبری ہے۔

بیشتر مذاہب میں آخری زمانے میں ایک نبی کی آمد کا تصور پایا جاتا ہے۔ یہود پہلے مسیح کے منتظر ہیں۔ عیسائی حضرت مسیح کی آمد ثانی کے۔ اور مسلمان امام مہدی اور حضرت عیسیٰؑ کی آمد کے۔ ان تمام رسولوں کا اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے یکجا کیا جانا تو ایک ناقابل عمل صورتحال ہوگی۔ اس لئے اس یکجائی سے مراد ایک ہی وجود کو ان انبیاء کا نام دیا جانا زیادہ قرین امکان ہے۔ جس کی ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ وقت ایسا ہوگا کہ دنیا ایک بار پھر ان سب برائیوں کی آماجگاہ بن چکی ہوگی جن کی اصلاح کے لئے مختلف انبیاء مختلف وقتوں میں بھیجے گئے۔ جیسے شرک، لین دین کی بدمعاملگی، جنسی بے راہ روی وغیرہ۔

ایک بڑے تناظر میں ایسا کرنے کی ایک حکمت مختلف انبیاء کے ماننے والوں کو ایک ہاتھ پر جمع کرنا اور بنی نوع انسان کو امت واحدہ میں بدلنا بھی ہوسکتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد یہی تھا اور اسی لئے تمام بنی نوع کو آپ ﷺ کی دعوت کا مخاطب قرار دیا گیا۔ چونکہ وہ وقت عیسائیت کے اسلام پر حملہ آور ہونے کا ہوگا اس لئے اس موعود نبی کا اصل کام ردعیسائیت کر کے حضرت محمد مصطفی ﷺ کے پیغام کو عام کرنا ہوگا۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود نے اس خبر کو احادیث میں حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی خبر قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اس مقام پر جو آخری زمانہ کی ابتر علامات بیان فرما کر پھر اخیر پر یہ بھی فرمادیا کہ اس وقت رسول وقت مقرر پر لائے جائیں گے تو قرآئن بیّنہ صاف طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس ظلمت کے کمال کے بعد خدا تعالیٰ کسی اپنے مرسل کو بھیجے گا تا مختلف قوموں کا فیصلہ ہو اور چونکہ قرآن شریف سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ظلمت عیسائیوں کی طرف سے ہوگی اور ایسا مامور من اللہ انہیں کی دعوت کے لئے اور انہیں کے فیصلہ کے لئے آئے گا پس اسی مناسبت سے اس کا نام عیسیٰؑ رکھا گیا ہے۔

(شہادت القرآن روحانی خزائن جلد نمبر 6 صفحہ نمبر 319۔320 نیا ایڈیشن)

نویں خبر: پیچھے آنے والا گواہ:

اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی صداقت پر تین دلائل یکجا یوں بیان فرماتا ہے:

أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰٓى إِمَامًا وَّرَحْمَةً (ہود 11:18)

ترجمہ: پس کیا وہ جو اپنے ربّ کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہے اور اس کے پیچھے اس کا ایک گواہ آنے والا ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بطور امام اور رحمت موجود ہے (وہ جھوٹا ہوسکتا ہے؟)

یہ آیت آنحضور ﷺ کی صداقت پر حال، مستقبل اور ماضی تینوں زمانوں کی گواہی ہے۔ اس وقت ہمارا موضوع مستقبل کی خبر ہے۔

اس خبر کے مطابق یہ آنے والا یتلوہ آں حضرت کے پیچھے آئے گا۔ یعنی آپ ﷺ کے نقش قدم پر ہوگا۔ دوسرے وہ شاہد ہوگا یعنی گواہ اور تیسرے منہ وہ خدا کی طرف سے ہوگا۔ گواہ کی ضرورت صداقت کے اظہار کے لئے ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ شاہد کے آنے کا وقت وہ ہوگا جب آں حضرت ﷺ اور قرآن کی صداقت کو دشمن اپنی طاقت کے ذریعہ شک وشبہ سے گرد آلود کرنے کی کوشش کریں گے۔ تو یہ آنے والا اسلام کی صداقت کو طشت از بام کرے گا۔

(باستفادہ تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ نمبر 167۔164 از حضرت مصلح موعود۔ نظارت اشاعت ربوہ)

اس خبر کے مطابق احادیث میں آنے والے مسیح اور مہدی کے زمانے میں دشمنوں کی چیرہ دستیوں کا ذکر بھی ملتا ہے اور بطور گواہ تازہ نشانوں اور علم کلام کے

ذریعہ یقیم الناس علی ملتی وشریعتی اس کا کام بھی قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں اس آنے والے گواہ کی خبر ایک اور جگہ یوں بیان ہوئی ہے:

وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ (بروج 85:4)

ترجمہ: اور ایک گواہی دینے والے کی اور اس کی جس کی گواہی دی گئی۔

جس کی گواہی دی جائے گی وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور جو گواہی دے گا وہ آں حضور ﷺ کا بیان فرمودہ مہدی اور مسیح ہوگا جس کا آپ ﷺ نے اہل فارس سے ہونا ظاہر فرمایا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعہ)

اس آیت سے قبل کی دو آیات میں اس شاہد کے آنے کے زمانے کا اشارہ ملتا ہے

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ (بروج 3-85:2)

ترجمہ: قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور موعود دن کی۔

ہئیت دان آسمان پر بارہ برج قرار دیتے ہیں جو کہ سیارگان کی قرارگاہ ہیں اور عالم روحانی میں یہ بارہ مجددین اسلام میں جن کے بعد تیرھویں مجدد کی آمد کو ایک خاص دن (زمانہ) فرمایا گیا اور پھر اس کا مقام بتایا گیا کہ وہ شاہد ہوگا۔

(باستفادہ تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ نمبر 359-354 از حضرت مصلح موعود، نظارت اشاعت ربوہ)

مجددین کے سلسلہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد یوں ہے:

ان اللہ یبعث ھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا

(سنن ابی داؤد جلد 4 کتاب الملاحم باب مایذکر فی قرن المائۃ صفحہ 109)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس امت کیلئے ہر صدی کے سر پر ایسے لوگ کھڑے کرتا رہے گا جو اس امت کے دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔

مجموعی طور پر یہ قرآنی پیشگوئی اسلام پر مخالف حملوں کے دفاع کے لئے آں حضرت ﷺ کے لئے ایک گواہ کی آمد کی ہے جو آپ ﷺ کے کامل بروز کے طور پر امتی نبی ہوگا۔ اور احادیث کے مطابق اہلِ فارس میں سے ہوگا اور دین اور شریعت کو قائم کرے گا اور چودھویں صدی میں ظاہر ہوگا۔

6۔ امت میں جاری نبوت کی حدود:

مندرجہ بالا حصہ مضمون میں آیات قرآنیہ کے حوالے سے امت میں نبی کی آمد کے متعلق نو پیش خبریاں درج ہوئیں۔ ان خبروں کے ساتھ قرآنِ کریم اس اجراءِ نبوت کی دو حدود کا تعین بھی فرماتا ہے۔

پہلی حد: بلا شریعت

ان خبروں کے تحت معبوث ہونے نبی صرف غیر تشریعی ہو سکتے ہیں کیوں کہ قرآن کریم کی شکل میں نسل انسانی کو ایک کامل شریعت عطا ہو چکی جیسا کہ فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (مائدہ 5:4)

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔

اس تکمیل دین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت بھی خود اپنے ذمہ لی۔ جیسا کہ فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر 15:10)

ترجمہ: یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس انتظام کے بعد اب کسی اور شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی اور اب تا دم آخر قرآن کریم ہی بنی نوع انسان کے لئے کتاب شریعت ہوگی۔ غیر تشریعی نبوت کے جاری رہنے کا مضمون درج ذیل آیات میں بھی ذکر ہوا ہے۔

1۔ سورت آلِ عمران آیت 180 کے مطابق اللہ تعالیٰ صرف اظہار غیب کے لئے رسول چنے گا۔ رسولوں کی ترسیل کی اس محدود غرض سے ظاہر ہے کہ یہ نبی شریعت کے بغیر ہوں گے۔

2۔ سورت اعراف کی آیت 36 میں مذکور آنے والے رسولوں کے بارے میں یہ فرمانا کہ وہ پہلے سے نازل شدہ آیات یعنی قرآن کریم ہی پڑھیں گے نیز یہ کہ ان کی بعثت کی غرض تقویٰ پیدا کرنا اور اصلاح ہوگی ظاہر کرتا ہے کہ وہ غیر تشریعی ہوں گے اور ان کی اپنی کوئی شریعت نہیں ہوگی کہ یہی کام آں حضرت ﷺ نے امت میں آنے والے نبی کے بتائے ہیں کہ:

يُقِيمُ النَّاسَ عَلَى مِلَّتِي وَشَرِيعَتِي

(بحار الانوار جلد نمبر 13 از ملا باقر مجلسی صفحہ نمبر 17)

ترجمہ: وہ لوگوں کو میرے دین اور میری شریعت پر قائم کرے گا۔

3۔ حٰم سجدہ 31:41 میں اللہ تعالیٰ مومنوں پر فرشتے اترنے کی بشارت دیتا ہے۔ یہ بلا شریعت نبیوں کی خبر ہے جیسا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ھذا التنزیل ھو النبوۃ العامۃ لا نبوۃ التشریع۔

(فتوحات مکیہ جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 242، باب معرفۃ الاستقامہ بحوالہ ضرورت نبوت کا ثبوت از قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری صفحہ نمبر 85)

ترجمہ: یہ اترنا (استقامت دکھانے والوں پر فرشتوں کا کلام کے ساتھ) عام نبوت ہے نہ کہ تشریعی نبوت۔

دوسری حد: آنحضرت ﷺ کی مہر تصدیق کے ساتھ:

دوسرے ان خبروں کے تحت معبوث ہونے والے نبی صرف وہی ہو سکتے ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانے، آپ ﷺ کے مطیع اور آپ ﷺ سے محبت کرنے والے ہوں گے اور اس کے نتیجہ میں اس انعام نبوت کو پانے

والے ہوں گے یعنی امتی نبی ہوں گے کیونکہ آں حضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام ممکنہ روحانی رفعتیں عطا فرما کر آپ ﷺ کو صاحب خاتم بنا دیا ہے ۔(احزاب 33:41)اور یوں آپ کو یہ منفرد اعزاز بخشا ہے کہ انعام نبوت کے لئے آپ ﷺ کی مہر تصدیق لازم کر دی ہے ۔امتی نبوت کا یہ مضمون قرآن کریم میں اور کئی جگہ بھی بیان ہوا ہے ۔ایسی چند آیات درج ذیل ہیں ۔

1 ۔اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو اپنے رسول ﷺ کی اطاعت سے وابستہ کیا ہے جیسا کہ فرمایا:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران 3:32)

ترجمہ: کہ تو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اطاعت رسول سے حاصل ہونے والی اللہ کی محبت امتی نبوت پر منتج ہو سکتی ہے ۔اس آیت سے یہ لطیف اور عام فہم استنباط کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود نے فرمایا:

جو جس سے پیار کرتا ہے تو اس سے کلام بغیر نہیں رہ سکتا۔اسی طرح خدا تعالیٰ جس سے پیار کرتا ہے تو اس سے بلا مکالمہ نہیں رہتا۔آں حضرت کی اتباع سے جب انسان خدا کو پیار کرنے لگتا ہے تو اس سے کلام بھی کرتا ہے ۔غیب کی خبریں اس پر ظاہر کرتا ہے ۔اسی کا نام نبوت ہے (ملفوظات جلد سوم صفحہ نمبر 259)

2 ۔انبیاء سمیت چار انعام یافتہ گروہوں کے ذکر پر مشتمل آیت قرآنی (سورت النساء 4:70)جہاں اس امر پر ایک مضبوط حوالہ ہے کہ انعام نبوت جاری ہے وہیں اس میں اس انعام کو اللہ کے ساتھ الرسول یعنی اس رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط کیا جانا اس نبوت کے امتی ہونے پر بھی واضح دلیل ہے کہ اطاعت رسول امتی ہونے کا اظہار ہی ہے ۔

3 ۔سورۃ اعراف کی آیت 35 میں رسولوں پر ایمان لا کر اصلاح کرنے والوں کے لئے اس نتیجہ کا اظہار ہے کہ:

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (اعراف 7:35)

ترجمہ:ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں ہو گا اور وہ غمگین نہیں ہوں گے ۔

یہ نتیجہ ویسا ہی ہے جیسا آیت استخلاف میں وعدہ خلافت پورا ہونے کا فرمایا گیا:

وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (نور 24:56)

ترجمہ:اور ان کے خوف کی حالت کے بعد ضرور انہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔

دونوں کے ہم رنگ نتیجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح وعدہ خلافت مومنوں سے ہے اسی طرح سورہ اعراف میں جن انبیاء کی آمد کی خبر ہے وہ بھی امتی ہوں گے۔

4 ۔گزشتہ امتوں کی مانند امت محمدیہ سے خلافت کا جو وعدہ فرمایا گیا اسے ایمان لانے والوں سے مختص کیا گیا۔جیسا کہ فرمایا

اٰمنوا منکم (نور 24:56) یعنی تم میں سے جو لوگ ایمان لائے

اور یوں مومنوں میں سے ہونا لازم کر کے اس انعام کے پانے والوں کا ایک پہلو سے امتی ہونا قرار دیا گیا۔

غالباً اسی کے تابع جب آں حضرت ﷺ نے امت میں امام مہدی اور مسیح کی آمد کی پیشگوئی فرمائی تو اس کے آنے کو اماکم منکم (بخاری)اور امکم منکم (مسلم) فرمایا یعنی وہ تم میں سے تمہارا امام ہو گا۔گویا ایک پہلو سے امتی ہو گا اور ایک پہلو سے مقتدا اور امام یعنی نبی ۔

7 ۔حاصل کلام:

مندرجہ بالا مضمون میں مندرج 61 آیات(22 بنیادی استدلال کی اور 39 تائیدی یا وضاحتی) قرآن کریم کے اوّل اور آخر سمیت 22 پاروں میں پھیلی ہوئی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے تکرار کے ساتھ بار بار امت محمدیہ ﷺ میں حدود کے اندر انعام نبوت کا جاری رہنا بطور قانون اور اصول دہرایا ہے ۔نبوت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے ۔معین طور پر آنے والے نبی کی خبریں دی ہیں اور بطور انعام نبوت پانے کے لئے دعائیں سکھائی ہیں اور تنبیہاً ان اقوام اور گروہوں کی مذمت کی ہے جنہوں نے ماضی میں ختم نبوت کے عقیدہ کو اختیار کیا تھا۔ اس سب کا حاصل یہی ہے کہ قرآن کریم نبوت کو ہرگز ختم نہیں کرتا۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین عربیؒ نے نبوت کے ختم نہ کئے جانے کی ایک دلیل یہ دی ہے :

'فانہ یستحیل ان ینقطع خبر اللہ و اخبارہ من العالم اذ لو انقطع لم یبق للعالم غذاء یتغذٰی بہ فی بقاء وجودہ ۔'

(فتوحات مکیہ،جلد 2باب 73نمبر 82)

ترجمہ: پس یقیناً یہ محال ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا کو اخبارِ غیبیہ کا ملنا منقطع ہو جائے ۔اس لئے کہ اگر یہ منقطع ہو جائے تو دنیا کے لئے کوئی غذا باقی نہ رہے گی جس سے وہ اپنے وجود(روحانی) کو باقی رکھنے کے لئے غذا دے سکے ۔

(بحوالہ ضرورتِ نبوت کا ثبوت از قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری صفحہ 45)

(چوتھا باب یہاں مکمل ہوا۔اگلے باب کا عنوان ہو گا 'آیت خاتم النبیین')۔





کل چلی تھی جولیکھو پہ تیغ دعا (5مارچ 1897)

ڈاکٹر فضل الرحمان



پورے لاہور میں یہ خبر جنگل کی اگ کی طرح پھیل چکی تھی ۔5مارچ 1897 کا دن اور دوپہر کے قریب کا وقت ہے۔میو ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں ایک درمیانی عمر کا شخص خون میں لت پت اس حالت میں لایا گیا کہ اُس کا پیٹ پھٹا ہُوا اور انتڑیاں کسی تیز دار آلے سے کٹی ہُوئی تھیں اور مُنہ سے بچھڑے کی اواز جیسی اوازیں نکل رہی تھیں۔خوف وہراس کا عجیب منظر تھا۔ڈاکٹرز کی ایک ٹیم فوری طور پر مریض کو طبی امداد دینے کیلئے بلائی گئ ۔ان میں ایک نوجوان ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ بھی تھے۔ان کے ایک ساتھی ڈاکٹر نے کسی کام کے سلسلہ میں انہیں مرزا صاحب کہ کر آواز دی تو یہ زخمی شخص تڑپنے لگا اور خوف سے اس پر کپکپی طاری ہوگئ۔ اس کی جان بچانے کی پوری کوشش کی جا رہی تھی۔شام کے وقت اس کا اپریشن کیا گیا مگر شدید زخموں کی تاب نہ لاتے ہُوئے یہ بدنصیب اگلے دن 6 مارچ (عید الفطر سے اگلے دن) کو اس جہان فانی سے کُوچ کر گیا۔اس شخص کا نام لیکھرام تھا جو ہندو آریہ سماج کا بہت بڑا لیڈر اور پُرجوش مبلغ تھا مگر انتہائی بدزبان اور گستاخ تھا۔اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قران مجید کی تحقیر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔حضرت اقدس بانئ سلسلہ احمدیہ مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے نتیجہ میں روز قیامت تک کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

جس کی دعا سے اخر لیکھو مرا تھا کٹ کر
ماتم پڑا تھا گھر گھر وہ میرزا یہی ہے

انیسویں صدی ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ملک ہند مذاھب کا اکھاڑہ بنا ہُوا تھا۔عیسائیت نے پوری طاقت سے اپنے پنجے گاڑے ہُوئے تھے اور پادریوں کی ایک فوج اسلام کے خلاف صف آرا تھی۔ہندوؤں اور سکھوں نے علیحدہ یلغار کی ہوئی تھی۔ہندوؤں کی دو اہم تحریکیں نمایاں طور پر اُبھر کر سامنے ائیں ان میں ایک برہمو سماج اور دوسری آریہ سماج تھی۔برہمو سماج راجہ رام موہن رائے نے 1828 میں کلکتہ میں قائم کی۔جبکہ آریہ سماج کی بنیاد سوامی دیانند سرسوتی نے 1875 میں ممبئی میں رکھی۔دونوں تحریکوں نے بے شمار سماجی اصلاحات بھی کیں۔برہمو سماج نسبتاً معتدل رویہ والی جماعت تھی جبکہ آریہ سماج سخت کٹڑ اور بنیاد پرست تنظیم تھی اور وید کے علاوہ تمام مذہبی صحیفوں کو جھوٹا قرار دیتی تھی۔سوامی دیانند کی تعلیمات ''ستیارتھ پرکاش'' کے نام سے شائع شدہ ہیں۔

پنڈت لیکھرام

لیکھرام اپریل 1857 میں سید پور ضلع جہلم میں تارا سنگھ اور بھاگ بھری کے ہاں پیدا ہُوا۔اسے گھر میں لیکھو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس نے پنجاب پولیس میں ملازمت اختیار کر لی۔بعد میں اسے پشاور ٹرانسفر کر دیا گیا۔یہاں اس کا رابطہ اریہ سماج سے ہُوا۔لیکھرام سوامی دیانند کی تحریک سے اس قدر متاثر ہُوا کہ پولیس کی نوکری سے استعفی دے دیا اور اپنے اپ کو اریہ سماج کے پرچار کے لئے وقف کر دیا۔ یہ شخص بلا کا خطیب اور مناظر تھا۔اس نے اردو میں 33 کتابیں تصنیف کیں جو" کلیات آریہ مسافر" کے نام سے شائع شدہ ہیں۔اسلام اور بانئ اسلام کے خلاف اس کی زبان چھری کی طرح چلتی تھی۔اس کے سر پر مسلمانوں کو ہندو بنانے کی دُھن سوار تھی۔اپنی اس شعلہ بیانی کی وجہ سے وہ ہندوؤں کی انکھوں کا تارا بن گیا۔یہ وہ دور تھا جب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو اسلام کی حمایت ونصرت کے لئے چمکتے نشانوں کے ساتھ مبعوث کیا گیا۔

دیں کی نصرت کے لئے اک اسماں پر جوش ہے
اب گیا وقت خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن

اپ نے اپنی کتاب براھین احمدیہ کے زریعہ تمام مخالفین معاندین مکفرین اور مکذبین کو کھلا چیلنج دیا کہ اسلام، بانئ اسلام اور قران مجید کی صداقت وحقانیت کو ثابت کرنے کے لئے اپ کو مامور کیا گیا ہے اور جو بھی سچائی کا طالب ہو وہ اپ کے پاس ائے اور اپنی تسلی وتشفی کر لے۔

کرامت گرچہ بے نام ونشاں است بیا بنگر زغلمان محمد

1885 میں لیکھرام قادیان ایا اور قریبا دو ماہ تک رہا۔جاتے وقت ایک کارڈ حضرت اقدس کی خدمت میں لکھ بھیجا کہ اپ میرے لئے خدا سے کوئی نشان طلب کریں۔فروری 1886 میں حضرت اقدس نے پیشگوئی مصلح موعود شائع کی اور لکھا کہ اگر لیکھرام راضی ہو تو اس کے بارہ میں پیشگوئی شائع کی جائے۔اس پر لیکھرام نے جواب دیا کہ اپ کو میری طرف سے اجازت ہے جو چاہو شائع کرو۔اور میں (لیکھرام) یہ پیشگوئی کرتا ہوں کہ تم (مرزا صاحب) تین سال کے اندر ہیضے سے ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔حضرت اقدس کی کتاب براہین احمدیہ کے مقابلے میں" تکذیب براھین احمدیہ" شائع کی اور بہت دل ازار حملے کئے۔حضرت مسیح موعود

علیہ السلام نے لیکھر ام کو اسکی بدزبانیوں سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود۔ اخر کار جب اس شخص کی دل ازاری بہت بڑھ گئی اور اس کے ناپاک حملوں نے حضرت اقدس کو مجبور کیا کہ اپ خدا تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں اس کے لئے کوئی نشان طلب کریں تو اللہ جل شانہٗ نے اپ کو الہاما فرمایا عجل جسدا لهٗ خوار لهٗ نصب و عذاب یعنی یہ صرف ایک بے جان گوسالہ ہے جس کے اندر سے ایک مکروہ اواز نکل رہی ہے۔ پھر فرمایا ستعرف یوم العید والعید اقرب یعنی تو اس نشان کے دن کو جو عید کی مانند ہے پہچان لے گا اور عید اس نشان کے دن سے بہت قریب ہوگی۔ نیز حضرت اقدس نے اپنے ایک شعر میں اسے مخاطب کرتے ہوئے لکھا

الا اے دشمن نادان و بے راہ
بترس از تیغ بران محمد

چنانچہ اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر حضرت اقدس نے پیشگوئی شائع فرمائی کہ لیکھر ام 20 فروری 1893 سے لیکر 20 فروری 1899 تک چھ سال کے عرصہ میں خدا تعالیٰ کی قہری تجلی کا نشانہ بنے گا۔

ایک جلالی کشف

"لیکھر ام پشاوری کی نسبت ایک اور خبر"

"اج 2 اپریل 1893 صبح کے وقت تھوڑی غنودگی کی حالت میں نے دیکھا کہ میں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اُس کے چہرے پر سے خون ٹپکتا ہے میرے سامنے اکر کھڑا ہو گیا میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے گویا انسان نہیں ملائک شداد غلاظ میں سے ہے اور اسکی ہیبت دلوں پر طاری تھی اور میں اس کو دیکھتا ہی تھا کہ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھر ام کہاں ہے ۔۔۔۔۔ تب میں نے اس وقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھر ام ۔۔۔۔۔ کی سزا دھی کے لئے مامور کیا گیا ہے" (برکات الدعا)

واقعہ قتل

لیکھر ام کے قتل سے چند ماہ قبل ایک نوجوان اس کے پاس ایا اور اسے کہا کہ وہ مسلمان ہے مگر اب ہندو ہونا چاہتا ہے چنانچہ لیکھر ام نے بہت خوش ہو کر اسے اپنے پاس رکھ لیا اور 7 مارچ 1897 کا دن مقرر ہوا جب اُسے باقاعدہ طور پر ہندو بنا کر اریہ سماج میں داخل کیا جانا تھا۔ ہندوؤں نے لیکھر ام کو بہت منع کیا کہ یہ شخص اُس کے لئے بہت خطرناک ہو سکتا ہے مگر لیکھر ام نے انکار کر دیا اور اس نوجوان کو اپنے مزید قریب کر لیا۔ 5 مارچ (عید الفطر) کو لیکھر ام اپنے مکان واقع شاہ عالم مارکیٹ لاہور میں بالائی منزل پر بیٹھا کوئی تحریری کام کر رہا تھا اور یہ نوجوان بھی اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا کہ لیکھر ام نے تھک کر انگڑائی لی۔ موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس نوجوان نے سُرعت کے ساتھ ایک تیز خنجر لیکھر ام کے پیٹ میں گھسا دیا اور اسے بار بار گھمایا تا کہ انتڑیاں پوری طرح کٹ جائیں۔ لیکھر ام کے مُنہ سے ذبح کئے ہُوئے بچھڑے کی طرح سے اوازیں نکلیں۔ نیچے صحن میں لیکھر ام کی بیوی اور والدہ بیٹھی ہُوئی تھیں وہ دوڑ کر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ائیں ۔ وہ نوجوان اہستہ اہستہ چلتا ہُوا دوسرے ملحقہ کمرے میں چلا گیا۔ لیکھر ام کی ماں نے اگے بڑھ کر اس کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی۔ اتنے میں پولیس بھی پہنچ گئی ۔ پولیس کی نگرانی میں کمرے کو کھولا گیا مگر کمرے میں کوئی نہیں تھا اس کمرے میں صرف ایک چھوٹا سا روشن دان تھا جہاں سے چڑیوں کے علاوہ کوئی بڑی چیز نہیں گزر سکتی تھی۔ نیچے گلی میں ایک شادی ہو رہی تھی اور بہت سے لوگ جمع تھے مگر کسی نے بھی قاتل کو جاتے ہُوئے نہیں دیکھا۔ پھر آخر قاتل کہاں گیا اسے اسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی ؟ یہ قاتل کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا۔ کسی کو علم نہیں ۔ حضرت اقدس کے گھر کی بھی تلاشی لی گئی اور پورے ہندوستان کا کونہ کونہ چھان مارا گیا مگر قاتل کا سراغ نہ مل سکا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

"یقیناً یہ سمجھنا چاہیئے کہ جو چُھری لیکھر ام پر چلائی گئی یہ وہی چھری تھی جو وہ کئی برس تک ہمارے سیدو مولی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی میں چلا تا رہا۔'' (سراج منیر)

ایک انسان کے اس طرح مارے جانے پر بحیثیت انسان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی بہت دکھ ہوا۔ آپ نے فرمایا

''ہمارے دل کی اس وقت عجیب حالت ہے درد بھی ہے اور خوشی بھی۔ درد اس لئے کہ اگر لیکھر ام رجوع کرتا زیادہ نہیں تو اتنا ہی کرتا کہ وہ بدزبانیوں سے باز اجاتا تو مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس کے لئے دعا کرتا اور میں امید رکھتا تھا کہ اگر وہ ٹکڑے ٹکڑے بھی کیا جاتا تب بھی زندہ ہو جاتا ۔۔۔۔۔ اور خوشی اس بات کی ہے کہ پیشگوئی نہایت صفائی سے پوری ہُوئی۔'' (سراج منیر)

وہ لیکھر ام تو اپنے انجام کو پہنچ چکا مگر خدا تعالیٰ نے ہماری آنکھوں کو بھی ایک اور لیکھر ام کی عبرتناک موت کا نشان دکھانا تھا اور وہ اس زمانہ کا لیکھر ام ضیاالحق تھا جس کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا

ہے ترے پاس کیا گالیوں کے سوا ساتھ میرے ہے تائید رب الوری
کل چلی تھی جو لیکھو پہ تیغ دعا آج بھی اذن ہوگا تو چل جائے گی

اور پھر نہ صرف ہم نے بلکہ پوری دنیا نے وہ تیغ دعا چلتی ہوئی دیکھی۔ ائندہ بھی خدا تعالیٰ کی غیرت مسیح محمدی کے غلاموں کو ایسے نشان دکھاتی رہے گی۔

بڑھے چلو کوئی عدو تمہیں نہ روک پائے گا
جہاں بھی سر اُٹھائے گا وہیں پہ مات کھائے گا
وہ لے کے داغ ذلتوں کا بے نصیب جائے گا
ہمارے راستے میں جو بھی لیکھرام ائے گا

جذبۂ عشق

از افاضات حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ



مراسلہ از ابوارحم چوھدری

دن کا وقت تھا۔ مجلس میں چاروں طرف خاموشی تھی۔ ایک بزرگ ہستی جس کا چہرہ ایک بقعہ نور تھا اور جس کے پاکیزہ جسم سے نہایت تیز مقناطیسی شعاعیں نکل نکل کر اس کے ہم جلیسوں کے دلوں کو مسحور کر رہی تھیں۔ مجلس کے درمیان بیٹھا تھا۔ وہ مقناطیسی شعاعیں جو اس کے جسم سے نکل رہی تھیں۔ دو قسم کی تھیں ایک محبت پیدا کرنے والی تھیں اور دوسری رعب۔ جن لوگوں کے دلوں کی کھڑکیاں کھلی تھیں وہ شعاعیں ان کے اندر داخل ہو کر عجیب کیفیت پیدا کر رہی تھیں۔ ایک طرف جذبہ محبت تھا جو بچہ کی ماں سے محبت کی نسبت بھی زیادہ ناز اور والہیّت پیدا کر رہا تھا۔ دوسری طرف جذبہ رعب، تھا کہ سلاطین وملوک سے بھی زیادہ ادب و نیاز کا احساس پیدا کر رہا تھا۔ محبت کہتی تھی۔ اس چہرے کو دیکھے جا۔ ادب کہتا تھا آنکھیں نیچی رکھ۔ ناز کا اصرار تھا کہ باتیں کرا اور کرتا ہی جا۔ نیاز کہتا تھا خاموش رہ اور کان رکھ۔

یہ منور وجود اور مقدس ہستی سادگی اور بے نفسی میں اپنی مثال آپ تھی۔ بادشاہانہ رعب تھا۔ مگر فقیرانہ لباس۔ سلاطین سے بڑھ کر دبدبہ تھا مگر مسند شاہی کی جگہ ایک معمولی سا کپڑا اپنے نیچے بچھا ہوا تھا۔ اس میں اور اس کے ساتھیوں میں کچھ فرق نہ تھا بلکہ ان میں سے کئی کا لباس اس کے لباس سے بہتر تھا۔

خدا تعالیٰ نے جس طرح باطنی کمالات اس بزرگ کو دیئے تھے ظاہری خوبیاں بھی موجود تھیں۔ جس کی بناوٹ میں کوئی ایسا نقص نہ تھا کہ دیکھنے والے کو گھن آئے۔ بلکہ مردانہ حسن وخوبصورتی سے اسے وافر حصہ ملا تھا۔ جس کی وجہ سے انسان چہرہ کو دیکھتے ہی ادب و محبت محسوس کرنے لگتا تھا۔ سچ ہے کہ خیالات انسان کے چہرہ پر بھی اثر ڈالنے لگتے ہیں۔ اس بزرگ کا چہرہ ان تمام اندرونی نوروں کا مشاہد تھا جو اس کے دل میں ایک وسیع سمندر کی طرح موجزن تھے۔ اس کا قد میانہ اور رنگ خوبصورت اور سفید تھا۔ اس کے بال نہ تو گھنگریالے تھے نہ بالکل سیدھے۔ رنگ کے لحاظ سے وہ کسی قدر سنہری تھے۔ اس کا جسم بہت ملائم تھا اور اس میں سے خوشبو آتی تھی۔ اس کا سینہ چوڑا تھا اور کندھوں کے درمیان بہت فاصلہ تھا جو وسعت حوصلہ اور سادگیٔ طبیعت پر دلالت کرتا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں موٹے موٹے تھے اور ہتھیلیاں بہت چوڑی تھیں۔ جو ایک طرف شجاعت پر اور دوسری طرف سخاوت پر دلالت کرتی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ بات کرتا تھا اور مخاطب کے احساسات کا بہت ہی لحاظ کرتا تھا۔ اس کے ماتھے پر شکن نہ تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ جوش میں آنے کا کبھی عادی نہیں ہوا۔ وہ ہمیشہ مسکراتا تھا۔ مگر لاابالی متوالے انسان کی مسکراہٹ نہیں جو اسے اچھا مجلسی تو ثابت کرتی ہے مگر قابل اعتبار دوست نہیں۔ بلکہ اس کے ہونٹوں پر ایک سنجیدہ اور افسردہ مسکراہٹ کھیلتی تھی۔ جو اسے اور بھی پیارا بنا دیتی تھی۔ کیونکہ اسے خفیف شکنوں پر صاف صاف طور پر لکھا ہوا نظر آتا کہ اس مسکراہٹ کی غرض دوسروں کی دلداری اور دلجوئی ہے ورنہ غمخواری اور ذمہ داری نے اس کے دل کو درد والم کا مخزن بنا رکھا ہے۔ ابھی ابھی کا واقعہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے وہ خانہ خدا میں نہ جا سکا اس کے اصحاب جو اس کی خفیف سی تکلیف کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے اور اس کی تھوڑی سی جدائی کی بھی طاقت نہ رکھتے تھے گھبرا گئے۔ ایک اور شخص عبادت کے لئے کھڑا ہوا اس کا کھڑا ہونا تھا کہ عبادت گھر آہ وبکا کے شور سے گونج اٹھا۔ مرغ بسمل اس طرح نہیں تڑپتا جس طرح میدان جنگ کے شیر اور صف شکن بہادر کرب واضطراب سے بے تاب ہو رہے تھے۔ آنسو تھے کہ ان کی تار نہ ٹوٹتی تھی۔ سینے تھے کہ ابلنے والی ہنڈیا کی طرح کھول رہے تھے۔ وہ سہارا لے کر اٹھا۔ دوسروں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑکی تک آیا۔ حالانکہ اس میں کھڑا ہونے کی طاقت نہ تھی اس نے کھڑکی کا پردہ ایک طرف کیا اور عبادت گھر کی طرف سر جھکا کر مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ نے لوگوں کو وارفتہ کر دیا۔ وہ بے اختیار ہو کر نعرۂ ہائے مسرت مارنے لگے۔ اس نے پھر اپنا سر اندر کر لیا۔ لوگ خوش تھے مگر آہ انہیں کیا معلوم تھا کہ اس ذرا سی مسکراہٹ کے پیدا کرنے کے لئے اسے کس قدر جذبات درد والم کو محسوس کرنا پڑا۔ اے مقدس وجود میری جان تجھ پر قربان، میرا دل تجھ پر نثار ہو۔ تو نے موت کی آخری کشمکشوں میں بھی دوسروں کی ادنیٰ خوشی کو مدنظر رکھا۔

ہاں! تو آج بھی ان لوگوں کے چہرے افسردہ نظر آتے تھے مگر اس کے چہرہ کی بشاشت قائم تھی۔ وہ انہیں اپنی آنے والی جدائی کے لئے تیار کر رہا تھا اور جس طرح آہنگر تلوار کو مکمل کر کے آخری دفعہ صیقل کرتا ہے وہ بھی اپنے اصحاب کے دلوں کو آخری دفعہ جلا دے رہا تھا۔ وہ ان کے سامنے سب ضروری سبق دہرا رہا تھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت کے سبق ان کے دلوں میں تازہ کر رہا تھا۔ اس کی محبت کا ولولہ ان کے دلوں میں پیدا کر رہا تھا۔ ثبات واستقلال کی تعلیم دے رہا تھا۔ عورتوں سے

حسن سلوک،غریبوں کے حقوق کی نگہداشت،یتیموں کی امداد،غلاموں کی آزادی کی تحریک،شکستہ دلوں کی دلداری،قرضداروں کی اعانت،مسافروں کے ساتھ حسن سلوک،رعایا کی بہتری کی کوشش،غیر مذاہب والوں کے جذبات کا احترام،اخلاق فاضلہ کا قیام،عدل وانصاف کا اثبات،غرض دنیا کی ہر ایک نیکی کی تعلیم اور ہر ایک بدی سے بچنے کی ہدایت وہ دے رہا تھا۔مگر اپنے اور اپنے بیوی بچوں کا ذکر وہ بالکل حذف کر جاتا۔گویا اس وقت دنیا اپنی ساری تفاصیل کے ساتھ اس کے سامنے موجود تھی۔مگر وہ اور اس کا گھرانہ بالکل غائب تھے۔مگر نہیں میں غلطی کرتا ہوں۔وہ کبھی کبھی اپنا ذکر بھی کرتا تھا۔مگر اس لئے نہیں کہ اپنے مخاطبوں سے اپنی قربانیوں کی داد طلب کرے،اپنی فدائیت کا صلہ مانگے یا اپنے رشتہ داروں کی سفارش کرے۔نہیں، بلکہ اس کے بالکل مخالف وہ کبھی کبھی بات کرتے کرتے رک جاتا تھا۔اور اس کے چہرہ پر انتہائی کرب واضطراب کے آثار پائے جاتے تھے۔اس کے دل سے ایک آہ نکلتی تھی۔ایسی آہ جس کی گہرائی کا اندازہ لگانا انسانی طاقت سے بالا ہے۔وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولتا اور اس کی آواز جذبات غم کا ایک ایسا ہیجان ظاہر کرتی جس کے مقابلہ میں سمندر کے تلاطم بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔وہ مضطربانہ طور پر کہتا کہ خدا یہود ونصاری پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ان فقروں کے بولتے وقت اس کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔وہ حسرت وغم کا مجسمہ بن جاتا اور درد والم کی تصویر بالکل یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آواز کی ایک ایک لہر کے ساتھ بے تعداد تمنائیں اور التجائیں لپٹی ہوئی ہیں۔اور وہ اپنی تمام عمر کی خدمات اور قربانیوں کا آخری بدلہ مانگتا ہے۔کیا بدلہ؟ یہ کہ اس کی قبر کو شرک کی جگہ نہ بنالیا جائے۔اس کی آواز غم والم میں اس طرح ڈوبی ہوئی نکلتی تھی کہ گویا اس کی اور اس کے خاندان کی تمام بہبودی صرف اس سوال کے جواب میں پوشیدہ ہے وہ اپنے لئے صرف یہ مانگتا تھا کہ اسے پیدا کرنے والے کی عزت چھین کر اسے نہ دی جائے۔میری جان اس پر فدا اور میرا دل اس پر قربان ہو۔وہ کیسا وفا شعار تھا۔

میں پھر اپنے مطلب سے دور چلا گیا۔میں کہہ رہا تھا کہ ایک دن وہ اپنی آنے والی جدائی کے برداشت کرنے کے لئے اپنے احباب کو تیار کر رہا تھا اور اپنی پاکیزہ تعلیم کے خوشنما آثار پھر ایک دفعہ تکرار کے خطوط کھینچ کر انہیں جلا دے رہا تھا۔آخر اس نے سمجھا کہ اس کا کام ختم ہو گیا ہے۔وہ اپنا مقصد پورا کر چکا ہے۔اس وقت اس کے اصحاب کی کیفیت عجیب تھی۔اگر کبھی بھی انسان کا گوشت اور پوست جذبات واحساسات کی شکل میں بدل گیا ہے تو اس وقت اس کے اصحاب کا یہی حال تھا۔وہ مجسم احساس بن رہے تھے۔ان کا گوشت بھی احساس بن رہا تھا اور پوست بھی اور ہڈیاں بھی اور ان کے اندر کا گودا بھی۔وہ مغز بن گئے تھے بغیر چھلکے کے اور خوشبو بن گئے تھے بغیر پتیوں کے۔وہ نفوس قدسیہ تھے جو مادہ کی حد بندی کو توڑ چکے تھے۔اور بلند پرواز طائر تھے جو زمین کی کثافتوں سے بالا ہو چکے تھے۔اس نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں بھی ایک انسان ہوں جس طرح تم انسان ہو۔مجھے ہمیشہ تم سے معاملات پیش آتے رہتے تھے۔بالکل ممکن ہے کہ کبھی میرے ہاتھ سے کسی کو کوئی اذیت پہنچی ہو میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن خدائے قادر کے سامنے مجھے جوابدہ ہونا پڑے۔پس جس کو میرے ہاتھ سے کوئی اذیت پہنچی ہو وہ آج مجھ سے بدلہ لے۔

یہ فقرے گویا اس کے اصحاب کی کمر توڑنے کے لئے آخری تنکا تھے۔ان کے دل پگھل گئے اور آنکھیں ساون کی جھڑی کی طرح برس پڑیں۔ان کا پیارا جس نے اپنی عمر دنیا کو اذیت سے بچانے کے لئے اور غلامی سے چھڑانے کے لئے خرچ کردی وہ اور اس کے ہاتھ سے کسی کو اذیت پہنچی ہو۔وہ اور اس سے کوئی شخص بدلہ لینے کا خیال کرے۔اگر چاند تک بچہ کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے یا اگر انسانی آنکھ عالم کی انتہاء تک پہنچ سکتی ہے تو بے شک اس سرتا پا نور کا بھی عیب کسی کو نظر آسکتا ہے۔مگر جب حقیقت یہ ہے کہ چاند میں داغ ہیں مگر اس مطہر وجود کی زندگی داغوں سے پاک ہے تو پھر اس سے بدلہ لینے کے معنی ہی کیا ہوئے؟ سورج چمک رہا تھا مگر اس کی شعاعیں دھندلی نظر آنے لگ گئیں۔ہوائیں چل رہی تھیں مگر ان پر ایک سکوت کا سا عالم طاری ہو گیا۔درخت ہل رہے تھے مگر ایسا معلوم دینے لگا گویا وہ ٹھہر گئے ہیں۔پرندے گا رہے تھے مگر ایسا محسوس ہوتا تھا گویا ان کے گانے میں سے خاموشی کی لہریں پیدا ہو رہی تھیں۔سب لوگ محو حیرت ہی تھے کہ ایک شخص بولا۔حضور! ایک جنگ کے موقع پر آپ صف بندی کر رہے تھے کہ ایک صف سے گزر کر آپ کو آگے جانے کی ضرورت پیش آئی۔آپ جس وقت صف کو چیر کر آگے گئے تو آپ کی کہنی میری پیٹھ کو لگی۔ہر ایک جو محبت وعشق کا مزا جانتا ہے سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت مجلس کا کیا حال ہو گیا ہوگا۔تمام حاضرین پر ایک سنّاٹا چھا گیا۔کئی منچلوں کی تلواریں میانوں سے نکل نکل پڑتی تھیں۔آنکھیں شرر بار تھیں مگر دم مارنے کا یارا نہ تھا۔ہونٹ پھڑ پھڑاتے تھے مگر بولنے کی طاقت نہ تھی۔دماغ پر جوش وغضب کا تسلط ہو رہا تھا مگر اظہار کی جرأت نہ تھی۔سورج اسی طرح چمک رہا تھا۔مگر محبت کی آنکھ سے دیکھنے والوں کو یوں نظر آیا جیسے اس کی شعاعیں تیز ہو گئی ہیں اور اس کی دھوپ سُرخ ہو رہی ہے اور دنیا کو جلانے کے لئے تیار ہے۔ہوائیں اسی طرح چل رہی تھیں مگر یوں معلوم دینے لگا گویا اُن کی رفتار میں تیزی پیدا ہو گئی ہے۔اور وہ دنیا کو تباہ کرنے پر تُلی ہوئی ہیں۔درخت اسی طرح ہل رہے تھے مگر نظر یوں آتا تھا کہ گویا وہ ابھی زمین سے اُکھڑ کر جا پڑیں گے۔پرندے ویسی ہی میٹھی آواز سے گا رہے تھے مگر محبت کے کان ایک کان پھاڑ دینے والا شور سن رہے تھے جو دوزخ کی چیخ کے مشابہ تھا۔غرض سب مجلس میں کیا متکلم اور کیا سامع سب کے دلوں میں ایک ہیجان برپا تھا اور ہر ایک کی قلبی کیفیت کے مطابق عالم میں بھی ایک تغیر نظر آرہا تھا۔مگر ایک شخص ان سب ہیجانوں سے بالا تھا۔اور وہ وہی بزرگ نفس انسان تھا جس نے ہر اس شخص کو بدلہ لینے کی دعوت دی تھی جسے اس کے ہاتھوں سے کوئی نقصان پہنچا ہو۔اُس نے نہایت متانت اور خوشی سے جواب دیا کہ

!میں بیٹھا ہوں میری پیٹھ پر کہنی مارلو۔ حصارِ مجلس کے دماغ جوش غضب سے اُبل رہے تھے۔ مگر وہ کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ یقیناً خدا کے فرشتے اس وقت اس خدا کی حمد گا رہے تھے۔ جس نے اس رسول کو پیدا کیا تھا۔

وہ شخص جس نے بدلہ کا مطالبہ کیا تھا اُٹھا۔ اور اس نے کہا کہ جناب جس وقت مجھے آپ کی کہنی لگی تھی اُس وقت میرا جسم ننگا تھا پس بدلہ پورا نہیں ہوسکتا جب تک آپ کے جسم پر کرتہ نہ اُتارا جائے۔ اس بزرگ نے فوراً اپنی پیٹھ پر سے کرتہ اونچا کر دیا۔ کہ لو اب کہنی مارو۔ اس وقت لوگوں کے دلوں کی حرکت بند ہوگئی اور دنیا ایک عالم خموشاں نظر آنے لگی۔ ہر ایک شخص حیران تھا کہ وہ شخص جو بدلہ کے لئے آمادہ تھا کیا دیوانہ ہے۔ اگر اس بزرگ کا ڈر نہ ہوتا تو اس وقت اس شخص کی ایک بوٹی بھی نظر نہ آتی۔ مگر اس کے ثبات میں بھی کچھ فرق نہ آیا۔ اس نے لوگوں کے غصہ کی بھی پرواہ نہ کی۔ وہ اُٹھ کے اس بزرگ کے پاس آیا اور پیٹھ کی طرف جھکا۔ اس کے چہرہ کے اعصاب اس وقت پھڑک رہے تھے۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اس کے نتھنے پھول رہے تھے۔ وہ نیچے جھکا اور اس بزرگ کی ننگی پیٹھ کو ادب سے اپنے ہونٹوں سے چھوا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور خدا کی حمد بجالاتا ہوا وہ کھڑا ہوگیا۔ وہ آنسو جذبہ عشق کے آنسو تھے۔ اس نے کہا۔ حضور! کجا بدلہ اور کجا یہ خادم! جس وقت حضور سے معلوم ہوا کہ شاید وہ وقت قریب آپہنچا ہے جس کے خیال سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں تو میں نے چاہا کہ میرے ہونٹ ایک دفعہ اس بابرکت جسم کو مس کرلیں جسے خدا تعالیٰ نے برکتوں کا مجموعہ بنایا ہے۔ پس میں نے اس کہنی کو اپنے مقصد کے پورا کرنے کا ذریعہ بنایا جس کا لگنا اس وقت بھی میرے لئے موجب فخر تھا اور آج بھی۔ جماعت پر سے حیرت دور ہوگئی۔ تعجب کی سختی جاتی رہی اور دل پھر نرمی سے حرکت کرنے لگے۔ کئی دماغ جو پہلے غصہ کے خیالات سے لبریز تھے اب رشک کے جذبہ سے معمور ہوگئے۔ سورج اب بھی چمک رہا تھا مگر اب اس کی روشنی بہت خوبصورتی اور محبت کی بجلی سے بھری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ ہوائیں اب بھی چل رہی تھیں مگر اب ان میں دیارِ محبوب کی خوشبو ملی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ درخت اب بھی ہل رہے تھے۔ مگر اب ان کی حرکات خوشی کے ناچ کے مشابہ لگتی تھیں۔ پرندے اب بھی گا رہے تھے مگر یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ حمد وثنا کے گیت گا رہے ہیں مجلس میں افسردگی کے باوجود خوشی کی ایک لہر دوڑ رہی تھی اور اس کا سبب جذبہ عشق کا وہ مظاہرہ تھا جو اوپر بیان ہوا۔ اور بزرگ کے ہونٹوں پر اسی طرح مسکراہٹ تھی اور مسکراہٹ کے پیچھے ایک بار الم وغم تھا۔

یہ بزرگ میرا محمدؐ تھا اور اہل مجلس اس کے صحابہؓ تھے۔

اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ اٰل محمدٍ وبارك وسلم انك حمید مجید۔

لفظ ''بعدی'' سے وفاتِ مسیح کا ایک لطیف استدلال!!!

عبدالخالق مُحسِن فارُوقی

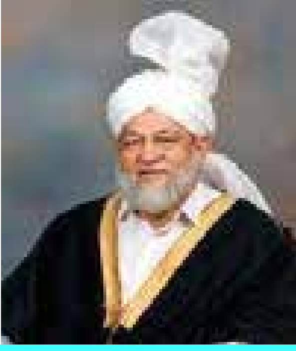
آنحضرتﷺ نے فرمایا" لا نبی بعدی" کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔۔۔قطع نظر اس بحث سے کہ اس حدیث کا سیاق وسباق کیا ہے اور اسکی تفہیم کیا ہے، For the sake of argument,اس حدیث کے لفظی ترجمے کو لیتے ہیں۔۔۔یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔۔۔احمدی ہوں یا غیر احمدی، کسی کو اس ترجمے سے اختلاف نہیں۔ اور یہاں لفظ" بعدی" کا بھی literal meaning ہی لے لیتے ہیں کہ" میرے بعد"۔۔۔تو اس حدیث کا ترجمہ یہ ہوگا کہ" میرے بعد یعنی میرے وصال کے بعد کوئی نبی نہیں"۔۔۔

قارئینِ کرام! آپ" بعدی" کے لفظ پر غور کیجئے۔۔۔میرے بعد سے مُراد میری وفات کے بعد ہے۔۔۔اس سے کسی کو اختلاف نہیں۔۔۔اب آتے ہیں قرآن کریم کی طرف۔۔۔حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے ایک عظیم رسول کی اِن الفاظ میں بشارت دی کہ!!! وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَد۔۔۔سورۃ الصف آیت 7۔۔۔یعنی اور ایک عظیم رسول کی خوشخبری دیتے ہوئے جو (میرے بعد) آئے گا جسکا نام احمد ہوگا۔ اسمیں بھی لفظ" بعدی" استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد یعنی اپنی وفات کے بعد بنی اسرائیل کو ایک عظیم رسول کی بشارت دے رہے ہیں۔۔۔اگر یہاں" بعدی" کا مطلب میرے بعد یعنی میری وفات کے بعد نہیں لینا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ لا نبی بعد۔۔۔کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، پھر وہاں پر بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ بعدی کا مطلب میرے بعد یعنی میری وفات کے بعد نہیں ہیں۔۔۔اس لحاظ سے پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرتﷺ بھی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی طرح اب تک جسمانی لحاظ سے آسمان پر زندہ موجود ہیں۔۔۔مگر تمام بالغ مسلمان مانتے ہیں کہ آنحضرتﷺ تمام گزشتہ انبیاء کی طرح فوت ہوچکے ہیں۔۔۔اس لئے اگر لا نبی بعدی میں لفظِ بعدی کا مطلب میری وفات کے بعد ہے تو قرآنِ کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو اپنے بعد ایک عظیم الشان رسول کی خوشخبری دی تھی وہ بھی اپنی وفات کے بعد ہی دی تھی یعنی جب میں فوت ہوجاؤں گا تو خدا تعالیٰ میرے بعد ایک عظیم الشان رسول کو مبعوث فرمائے گا جسکا نام احمد ہوگا۔۔۔لہٰذ الفظِ" بعدی" سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔۔۔اگر پھر بھی یہی ماننا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں تو ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ پیشگوئی بھی ابھی تک پوری نہیں ہوئی اور نعوذ باللہ من ذالک آنحضرتﷺ کا بھی ابھی تک ظہور نہیں ہوا۔۔۔کیونکہ یہ پیشگوئی مشروط ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد یعنی اُنکے اس جہانِ فانی سے عالَمِ جاودانی میں کُوچ کرنے کے بعد۔۔۔پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ماننے بغیر چارہ نہیں۔۔۔کافی ہے سمجھنے کو اگر اہل کوئی ہے!!!۔



مجلسِ عرفان (منعقدہ 27 اپریل 1986 بمقام لندن)

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ



مرتب کنندہ: منیر احمد شاہین۔ مربی سلسلہ

جماعت احمدیہ اور جماعتی عقائد کا تعارف

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ علیہ نے مجلسِ عرفان منعقدہ مؤرخہ 27 اپریل 1986 میں حاضرینِ مجلس کے سامنے جماعت احمدیہ اور جماعتی عقائد کا تعارف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"۔۔۔۔۔۔مَیں کچھ خاص بات تو نہیں کہنی چاہتا ویسے، دوست کچھ پوچھنا چاہیں، کوئی general بات، کوئی اَور بات ویسے تو I well come them . It is very kind of you to come.all ہمارے پاس آنا ذرا مشکل کام ہے، اُس کی وجہ ہے کہ بیچ میں اتنے نفرتوں کے پہاڑ کھڑے کئے ہوئے ہیں اور اتنا پراپیگینڈہ ہے۔ اتنے گندے لوگ ہیں کہ ultimately اس میں جس طرح ایک افیم کا نشہ ہوتا ہے، اس طرح پراپیگینڈہ کا ایک نشہ ہوتا ہے اور بعض دفعہ آدمی سوچتا ہی نہیں کہ جن کو مَیں گندا کہہ رہا ہوں اُن سے زیادہ گندے لوگوں میں تو مَیں ٹھہرا ہوا ہوں۔

Russia میں جانا کوئی گناہ نہیں جہاں دہریت ہے۔ اُن سے تعلق رکھنا کوئی منع نہیں، مشرکوں سے تعلق رکھنا منع نہیں۔ اُن کے ساتھ dealings ہیں They are most wellcome. جب وہ آتے ہیں اُن کے ساتھ تصویریں کھنچوائی جاتی ہیں اور جو عیّاشیوں کے گڑھ ہیں Paris ہوا اور America میں Los Angeles ہے اور بہت سے جہاں سے گندگی پھوٹتی ہے Morocco ہے۔ جوا اڈے ہیں جوؤں کے وہاں مسلمان شہزادے بھی جاتے ہیں۔ مسلمان حکومتوں کے سربراہ بھی جاتے ہیں اور کبھی مولوی نے نہیں کہا کہ کیوں اِن لوگوں سے ملتے ہو؟ یہ تو بڑے گندے لوگ ہیں بڑے خبیث ہیں۔ خدا کے منکر ہیں، بدمعاش ہیں دُنیا میں گند پھیلایا ہوا ہے اور جو مَیں نشہ کہہ رہا ہوں یہی ہے کہ عام آدمی اُن کی باتیں سُنتا ہے اور پھر بھی اُس کے دل میں سوال ہی نہیں آتا کہ ان سے تو کبھی نہیں روکا ان سے کیوں روک رہے ہیں؟ ان سے ملنا، ان سے تعلق رکھنا اتنا بڑا گناہ! اور بہت ہی بدلوگ ظاہری طور پر بھی جو اِسلامی نقطہ نگاہ سے comitted ہیں۔ ان کے ساتھ ملنے جُلنے میں تعلق بڑھانے میں کبھی کسی نے روک نہیں پیدا کی۔ غیروں سے شادیاں ہوجاتی ہیں، غیر مذاہب میں ہوجاتی ہیں اور کبھی objection نہیں ہوئی۔ لیکن احمدی کی شادی میں چلا جائے تو اخباروں میں اعلان چھپ جاتے ہیں کہ اس (یعنی شامل ہونے والوں) کے اپنے نکاح ٹوٹ گئے۔ بڑی خطرناک بات ہے یہ تو، یہ کیسی قوم ہے جس کی شادی میں جا کر اپنے بیس بیس سال پُرانے نکاح بھی ٹوٹ گئے ہوں اور یہ ہورہا ہے اور کوئی سوال نہیں اُٹھاتا یہ جو dornment position ہے ناں، غفلت کی حالت اس سے نکلنا چاہیئے۔

اگر آپ غور کریں تو مَیں سمجھتا ہوں اَحمدیّت کی صداقت کے لئے یہ ایک دلیل بن جاتی ہے۔ کم سے کم یہ حق پیدا ہوجاتا ہے اَحمدیّت کو کہ آپ غور کریں، اسی وجہ سے غور کریں کہ ہم ہیں کیا؟ کیونکہ جہاں تک میرا تعلق ہے، مَیں نے ساری دنیا کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، مجھے یہ بات انبیاء کی history کے سوا کہیں نظر نہیں آتی۔ صرف وہ شہر ہیں جن میں جانے سے روکا گیا ہے، وہ لوگ ہیں جن سے ملنے سے روکا گیا ہے۔ جنھوں نے یہ مانا کہ خدا نے کسی کو بھیجا تھا ہم نے اُس کو تسلیم کرلیا ہے۔ اس کے سوا یہ واقعہ کہیں نہیں ہوتا۔ طائف میں جانے سے کبھی عرب کے کسی باشندہ نے نہیں روکا۔ عکاظ کے میلوں میں جانے سے جہاں شرابیں بہتی تھیں پانی سے بھی بڑھ کر اور اپنی عیّاشیوں کے گیت گائے جاتے تھے کبھی کسی نے نہیں روکا لیکن جب مکّے میں حضرت اَقدس محمد مصطفی ﷺ تشریف لائے تو لوگوں نے روک دیا۔ لوطؑ کی بستی سے روکا ہے، ابراہیمؑ کی بستی سے روکا ہے، صالحؑ کی بستی سے روکا ہے، موسیٰؑ کی بستی سے روکا ہے لیکن ان بستیوں سے کبھی کسی نے نہیں روکا تو کیا وجہ ہے؟

سچوں نے کبھی جھوٹوں کا بائیکاٹ نہیں کیا

آنحضرت ﷺ کے متعلق تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اتنا پراپیگینڈہ تھا وسیع کہ ان سے ملو گے تو تمہارا دین تباہ ہوجائے گا اور تم پر جادو ہوجائے گا۔ کچھ نہ کچھ بگڑ جائے گا۔ اس لئے کوشش یہ کرو کہ اُن راستوں سے بھی نہ گزرو جن راستوں سے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سے گزرتے تھے۔ یہ جو پراپیگینڈہ ہے جب کسی خاص جماعت کے متعلق، کسی خاص شہر سے متعلق شروع ہوجائے تو کم سے کم ایک alarm تو بجنا چاہیئے۔ کبھی بھی شیطانوں کے متعلق یہ پراپیگنڈہ نہیں ہوا اور اس کے بر عکس بات بھی کبھی نہیں ہوئی۔ آج تک ایک بھی واقعہ مذہبی تاریخ میں نہیں ہوا

کہ وہ لوگ جو سچے تھے، نیک تھے جن کا خدا سے تعلق تھا انہوں نے بُری بستیوں میں جانے سے روکا ہو۔ اس سے زیادہ واضح کھلی حقیقت کوئی نہیں ہے جس کے لئے آپ کو کسی تحریری دلیل کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک کھلی کھلی حقیقت، سورج کی طرح روشن دلیل ہے۔ اب مَیں آنحضرت ﷺ کی زندگی سے دو مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ ایک یہ کہ آپؐ سے ملنے سے، آپؐ کے غلاموں سے ملنے سے، اُس وقت کے سارے علماء، جس مذہب کے بھی وہ تھے وہ روکا کرتے تھے اور ایسی ایسی باتیں مشہور کرتے تھے کہ جس سے خوف پیدا ہو جائے جس سے توہمات پیدا ہو جائیں کہ ان سے ملیں گے تو ہمارا کچھ بگڑ جائے گا۔

ایک موقعہ پر ایک بوڑھیا کے متعلق آتا ہے کہ وہ مکّے میں داخل ہوئی اور ڈرتی ڈرتی اس حال میں کہ جو راستے میں راہ گیر نظر آتا تھا اُس سے پوچھتی تھی کہ یہ بتاؤ کہ ان راستوں سے کہیں محمد تو نہیں گذرتا؟ ﷺ! وہ پوچھتے تھے تمہیں کیا ہوا ہے؟ کیا مطلب ہے؟ اُس نے کہا وہ تو بڑا خطرناک جادوگر ہے۔ اُس کا سایہ پڑ جائے تو انسان کا دین تباہ ہو جاتا ہے اس لئے اُن سے بچ رہی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ کی شان ہے اُس کو سبق دینا تھا، خود حضورِ اکرم ﷺ اُس کو راستے میں مل گئے اور اُس نے پوچھا کہ بھائی یہ بتاؤ کہ یہاں سے محمد (ﷺ) تو نہیں گذرتا؟ آنحضرت ﷺ کا کردار، آپؐ کا اخلاق دیکھیں، آپؐ نے اپنا تعارف وہاں نہیں کروایا۔ فرمایا بی بی! تم بوڑھی ہو۔ تمہاری بوجھ سے کمر جھکی ہوئی ہے۔ تم اپنا سامان مجھے دے دو۔ جہاں جانا ہے مَیں تمہیں لے کے چلتا ہوں۔ میرے ساتھ چلو۔ اُس بوڑھیا کو اور کیا چاہیئے تھا؟ کوئی پوچھ نہیں رہا تھا۔ (جو) انسان سوال سُنتا جواب دے کر غائب ہو جاتا، حضورِ اکرم ﷺ نے اُس کا سامان اُٹھایا ساتھ لے کر اُسے گھر تک پہنچایا اور اس وجہ سے نہیں بتایا کہ پھر وہ گھبرا نہ جائے اور دوبارہ تکلیف میں مبتلا نہ ہو جائے۔ جب سامان رکھا تو پھر فرمایا کہ بی بی! وہ (محمد ﷺ) مَیں ہی ہوں۔ جس کے متعلق تم سُنا کرتی تھیں۔ اُس نے یہ جواب دیا کہ اَے محمد! (ﷺ) اگر تُو ہی وہ جادوگر ہے تو خدا کی قسم! تیرا جادو چل گیا ہے اور مَیں تجھ پر ایمان لاتی ہوں۔ (1)۔ کیونکہ یہ اخلاق کا جادو ہے۔ یہ سوائے اللہ والوں کے کسی کو نصیب نہیں ہوا کرتا اور وہیں وہ مسلمان ہو گئی۔ ایک طرف یہ سُنّتِ محمد مصطفی ﷺ ہے!

اہل اللہ اور انہیں قبول کرنے والوں سے دُنیا کا سلوک

اس کے مقابل پر غیروں کی سُنّت کے ڈھونڈرے پٹ رہے ہیں کہ اگر تم مسلمان کے پاس سے بھی گزر جاؤ گے بھرشٹ ہو جاؤ گے۔ تمہارا دین تباہ ہو جائے گا تمہارے اَخلاق بگڑ جائیں گے۔ تم پر جادو چل جائے گا دوسری طرف حضورِ اکرم ﷺ سے زیادہ بھی مقدس کوئی دُنیا میں سوچا جا سکتا ہے؟ کس بستی میں جانے سے آپؐ رُکے ہیں؟ مکّے والوں نے جب آپ کو دُکھ دیئے، انتہا کر دی، پتھر برسائے، سر میں خاک ڈالی، بدبخت عورتیں گند، کوڑا کرکٹ آپؐ کے سروں پہ پھینک دیا کرتی تھیں۔(2) جب مکّے نے پوری طرح بائیکاٹ کر دیا، بولنا چالنا بند ہو گیا۔ ایک وادی میں قید کر دیا جہاں کھانے پینے کے لئے بھی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ مقامی طور پر اُگتا ہی کچھ نہیں تھا اور باہر سے خوراک بند ہو گئی۔ پانی کا داخلہ بند ہو گیا تین سال یہ جو کربلاؔ کہتے ہیں بعد میں، کربلا کا آغاز تو حضورِ اکرم ﷺ کے زمانہ سے شروع ہوا ہے۔ یعنی واقعہ کربلا کا آغاز، کربلا تو ایک مقام کا نام ہے لیکن واقعہ کربلا اُس کی رُوح حضورِ اکرم ﷺ کے زمانہ سے شروع ہوئی۔ تین سال تک قید رہے ہیں اُس وادی میں اور اس وجہ سے کہ اِن کا بائیکاٹ کرواس کے بغیر تم ان سے بچ ہی نہیں سکتے، مقاطعہ کرو، کھانا بند کر دو، پانی بند کر دو(3)۔ یہاں تک تکلیف میں مبتلا ہو گئے تھے صحابہؓ، اُس دَور کے واقعات پڑھیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ اتنی بھوک تھی ہمیں کہ ہم پتّے کھانے لگ گئے تھے۔ سبز پتّے نہیں ملتے تھے، سوکھے پتّے اُبال اُبال کے کھاتے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وِصال ہی اس وجہ سے ہوا۔ وہاں تکلیفوں میں مبتلا ہو کر بیمار ہوئی تھیں، پھر آپؓ اس بیماری سے بچ نہ سکیں۔ ایک صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ چلتے چلتے میرا پاؤں رات کے وقت ایک نرم سی چیز پہ پڑا، مَیں نے سوچا کہ شائد کھجور ہو، لیکن اگر مَیں نے دیکھ لیا تو ہوسکتا ہے کوئی کیڑا مکوڑا ہی ہو، کوئی جونک، کوئی اور گندگی ہو، تو بھوک اتنی تھی کہ مَیں برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ مجھے پتہ لگ جائے کہ کیا ہے؟ اور پھر مَیں چھوڑ دوں اور منہ میں ڈالتا تو مجھے پتہ لگنا ہی تھا تو کہتے ہیں ایسی تنگی کی حالت تھی کہ مَیں نے گلہ کھول کے یُوں لٹکا کے پھینکی کہ مزے سے پہلے وہ مَیں نِگل سکوں اور مجھے نہ پتہ لگے کہ کیا چیز ہے؟ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم! آج تک نہیں پتہ کہ مَیں کیا کھا گیا ہوں؟(4) لیکن مجبوری تھی۔ یہ کیفیت تھی اور جب اس کیفیت سے آزاد ہوئے ہیں تو طائفؔ چلے گئے۔ طائف جا کر آنحضرت ﷺ نے پیغام پہنچایا ہے۔ اس لئے سُنّتِ محمد مصطفی ﷺ تو یہ نظر آتی ہے اور مار کھا کر دُکھ اُٹھا کر پیغام پہنچایا ہے، اِتنی تکلیف آپ کو دی گئی طائف میں، یعنی آپ آج باتیں کرتے ہیں چودہ سو سال کے بعد کہ کائنات کا بادشاہؔ آ گیا۔ جب بادشاہ آیا کرتے ہیں اُس وقت یہ سلوک نہیں کیا کرتے، اُس وقت یہ ہوتا ہے جو مَیں بتا رہا ہوں۔ جس کی خاطر کائنات پیدا ہوئی ہے، وہ طائف گیا ہے بستی کے بھاگ جاگ گئے! کہتے ہیں کیڑی کے گھر نارائن آیا اس سے بھی کئی گنا زیادہ مثال ہے یہ، حضورِ اکرم ﷺ خود ہدایت دینے مبلّغ کے طور پر ایک بستی میں جا رہے ہیں جو مکّہ سے تیس چالیس میل دُور ہے، تکلیف اُٹھا کر بڑی مصیبت میں پہنچتے ہیں اور وہاں کے سرداروں کا استقبال یہ ہے کہ اَوباش گلیوں کے آپؐ کے پیچھے لگا دیئے جنہوں نے جھولیوں میں پتھر ڈال لئے، منہ سے اُن کے گند نکل رہا تھا اور گالیاں برساتے اور پتھروں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے وہ آپ کو شہر سے باہر چھوڑنے جا رہے ہیں، اس حالت میں حضورِ اکرم ﷺ

اُن گلیوں سے گزرے ہیں کہ آپؐ کا خون جسم سے بہتے بہتے، آپؐ کی جوتیوں میں بھر گیا تھا اور جوتیوں سے اُبل اُبل کے گلیوں میں گر رہا تھا(5)۔ یہ تھا اِستقبال! لیکن نہ خدا نے آپ کو روکا کہ اِن گندے لوگوں سے نہیں ملنا، نہ آپؐ نے اپنے غلاموں کو روکا کہ اِن لوگوں سے نہ ملو۔ دین والوں کا تو یہ دستور ہوتا ہے!

لیکن آپ کو یا کسی اور کو کبھی خیال نہیں آیا کہ ہمارے علماء جو کہتے ہیں، ان بدمعاشوں، ان مرزائیوں، کُتّوں سے نہ ملو۔ تمہارا دین تباہ ہوجائے گا، تم مارے جاؤ گے۔ اِن کا بائیکاٹ کرو، ان کے ساتھ یہ سلوک کرو۔ اِنہوں نے یہ دین سیکھا کہاں سے ہے؟ ہمارے آقا محمد مصطفی ﷺ سے تو نہیں سیکھا یہ! آپؐ کے دشمنوں نے سِکھایا ہو کسی کو یہ دین تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہاں یہ ہوسکتا ہے۔ مگر نہ حضورِ اکرم ﷺ سے یہ طریق سیکھا ہے نہ اس سے پہلے کبھی ایک لاکھ چوبیس ہزار اَنبیاء میں سے کسی ایک نے یہ طریق سِکھایا ہے۔ اُنہوں نے تو یہ سِکھایا ہے کہ اگر کوئی مرتد ہے، کوئی ظالم ہے، کوئی رستے سے ہٹا ہوا ہے تو اُس کے پاس ہدایت پہنچانے کے لئے جاؤ۔ مار کھا کے بھی جاؤ، دُکھ اُٹھا کے بھی جاؤ، گالیاں سُن کے بھی جاؤ۔ سب کچھ اپنا قربان کرتے ہوئے، جان کو ہتھیلی پہ لے کر پہنچو اور پھر بھی پیغام دو۔ اگر ہم گندے تھے تو آپ کو اِس طرح پہنچنا چاہیئے تھا نہ یہ کہ ہم پہنچیں تو ہمیں مار مار کے نکال دیں، منہ کالے کر کے گدھوں پہ سوار کر کے رَوانہ کریں۔ تم ہوتے کون ہو ہمیں پیغام پہنچانے والے؟ اِس لئے اِتنا اُلٹ ہے یہ نظام کہ جب تک کوئی بیدار مغزی سے نہ دیکھے اُس کو پتہ ہی نہیں لگتا کہ ان سے ہو کیا رہا ہے؟ میرے علماء، ہمارے لیڈر کیا کہہ رہے ہیں؟ کِن رستوں پر چلا رہے ہیں؟ کِن رَوِشوں پہ سے گزار رہے ہیں؟ حالانکہ آپ سارے جانتے ہیں مگر بہت ساری حالتیں ہیں سوئی ہوئی حالت میں گزر جاتے ہیں پتہ ہی نہیں کرتے کہ کیا ہو رہا ہے ہمارے ساتھ؟

أعانهٗ علیه قومٌ اٰخرون: غیر اَقوام کے ایجنٹ ہونے کے اعتراض کی حقیقت:

ایک بڑا اعتراض کہ اِسرائیل میں مشن کھولا ہوا ہے! یہودی ایجنٹ ہیں؟ عجیب بات ہے، عقل کی بات ہی کوئی نہیں سوچتے کہ اِسرائیل ہی کیا فلسطین میں تو ہم 1924ء میں تبلیغ کا مشن لے کے پہنچے تھے اور یہودی بعد میں آ کے آباد ہوئے ہیں کیا ہم اپنا تبلیغی مشن واپس کھینچ لیں؟ اِس لئے کہ یہود پہنچ گئے؟ اور رسولِ اکرم ﷺ کے اُسوہ کو چھوڑ دیں جو یہودیوں سے زہر کھا کر بھی اُن کو تبلیغ کرنے پہنچ گئے تھے۔ سب سے زیادہ آپؐ کی جان پر حملے یہود نے کئے ہیں۔ نہ مشرکینِ مکّہ نے نہ عیسائیوں نے، پتھروں کے پاٹ گرائے آپؐ کے سر پر جہاں آپؐ بیٹھے ہوتے تھے۔(6) خدا نے بچایا یہ ایک الگ مسئلہ ہے، زہر دیئے گئے (7) سب یہود کی طرف سے اور آخر دم تک یہود کے متعلق آپ کا رویّہ یہ تھا۔ دو باتیں میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ دیکھ لیں اُسوۂ نبیؐ پر چلنا ہے یا سُنے سُنائے قصوں پر چلنا ہے؟ ایک موقعہ پر ایک جنازہ گزر رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ اُٹھ کے کھڑے ہو گئے۔ کسی نے سمجھا کہ آنحضور ﷺ کو پتہ ہی نہیں ہوگا کہ کس کا جنازہ ہے؟ اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) آپؐ کھڑے ہو گئے ہیں یہ تو یہودی کا جنازہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ انسان نہیں تھا؟(8) کیا شان ہے؟ اِنسان عاشق ہوجائے یہ ہے اَخلاق! اِس کو اُسوۂ محمدیؐ کہتے ہیں جو سورج کی طرح ساری دُنیا کی تاریکیوں کو روشن کرنے والا ہے، یہ ہے حُسنِ سلوک! اور دوسری طرف مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں، مسائل پہ گفتگو ہو رہی ہے۔ ایک عورت کا پیغام ملتا ہے۔ اُس نے تو محمد ہی کہنا تھا خالی، (ﷺ) ایمان نہیں لائی تھی یہودیہ تھی۔ پیغام یہ بھیجا کہ مجھے پتہ ہے کہ میرے بچے کو آپؐ سے پیار ہے اور آپ اُس سے پیار کرتے ہیں، ہے وہ یہودی بچہ مسلمان نہیں ہے! لیکن اِس وقت حالت یہ ہے کہ وہ جان کَنی کی حالت میں ہے اور کسی وقت بھی مَر سکتا ہے تو اگر آپ کو خیال ہو یا آپؐ اُسے دیکھنا چاہیں تو آپ تشریف لے آئیں۔ جاتے جاتے مَرنے سے پہلے اُس کو دیکھ لیں۔ آنحضو ﷺ ایک روایت ہے کہ پیغام سُنتے ہی کھڑے ہو گئے مجلس کو ترک کر دیا اور سیدھا اُس یہودن کے گھر پہنچے۔ بچہ واقعی نزع کے قریب پہنچا ہوا تھا، آخری حالت میں تھا اور جاتے ہی اُس سے یہ فرمایا کہ بیٹا کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ مسلمان ہونے کی حالت میں جان دو؟ اُس نے سر سے اِشارہ کیا کہ ہاں میں یہ پسند کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے تم مسلمان ہوتے ہو اور اُس کے بعد اُس نے جان دے دی اور روایت کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا اور یہ فرمانے لگے الحمدللہ، الحمدللہ! خدا نے ایک رُوح کو میرے ذریعہ نجات بخش دی۔ جو ساری کائنات کی رُوحوں کو نجات بخشنے کے لئے آیا تھا۔ نجات اور بیعت کے معاملہ میں اتنا حریص تھا، ایک یہودی کا بچہ ہے اُس کی رُوح کو نجات دے کے اس طرح خوشی سے کِھل جاتے ہیں الحمدللہ الحمدللہ میرے ربّ نے مجھے موقعہ دیا ایک رُوح کو نجات بخش دی۔

(9) یہ ہے وہ اُسوہ اور ہم تبلیغ بھی کریں یہود کو (تو کہا جاتا ہے کہ) تم اُن کے ایجنٹ ہو۔ ہم تو ہندوؤں کو بھی کرتے ہیں پھر ہندوؤں کے بھی ایجنٹ ہوئے۔ عیسائیوں کو بھی کرتے ہیں اُن کے بھی ایجنٹ ہو گئے۔ اشتراکی رُوس کو بھی کر رہے ہیں وہاں بھی قرآنِ کریم کی اِشاعت کر رہے ہیں۔ Polish کو کر رہے ہیں، ہم تو پھر ساری دُنیا کے ایجنٹ ہیں! ایجنٹی ہوتی کیا ہے؟ ایجنٹی تو یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنی اُمّت کے مفاد کے خلاف کوئی سازش کرے۔ کوئی جاسوسی کرے کوئی نقصان پہنچائے اِس کا نام ایجنٹی ہے! تبلیغ کا نام ایجنٹی کب سے رکھا گیا ہے؟

جماعت احمدیہ کی قومی و ملی خدمات

اور آج تک جاسوسیت کی ساری تاریخ میں ایک اَحمدی بھی کبھی کسی جگہ بھی نہیں

پکڑا گیا جاسوس کے طور پر، India کی پاکستان سے جنگ ہوا اُس میں Heros کے نام آپ دیکھیں گے اَحمدیوں کے ماشاءاللہ! جنرل اختر ملک ہے، عبدالعلی ہے، جنرل ممتاز ہے، جنرل اِفتخار ہے(10) خود یہی حکومت جو ہمارے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ (احمدی) ملک کے دُشمن ہیں۔ اِنہوں نے ان کی اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے ہوئے ہیں۔ سارے عرب کی تاریخ میں کوئی ایک بھی اَحمدی کبھی نظر نہیں آئے گا جس نے نعوذ باللہ من ذلک کبھی جاسوسی کی ہو۔ کبھی یہود کے مفادات کی خاطر نعوذ باللہ من ذلک اُمّت کے مفاد کو نقصان پہنچایا ہو۔ فلسطین کا معاملہ پیش ہوتا ہے، سرظفر اللہ خانؓ ایسا پیش کرتے ہیں کہ عرب اُٹھ اُٹھ کر ہاتھ چومتے تھے، یا سیّدی! کہہ کر مخاطب کرتے تھے، کہتے تھے آپ نے حق ادا کر دیا ہے! اور اُن کے اَخبارات نے بڑے بڑے اس پر article لکھے(11) آج پاکستان کی حکومت کہہ رہی ہے کہ ظفر اللہ خان نے فلسطین کے مفاد کو بھی ختم کر دیا۔ کشمیر کے مفاد کو بھی ختم کر دیا۔ کشمیر کا مفاد ہوا، United Nations میں چوہدری صاحب کی جو تقریریں ہیں۔ وہ کوئی بھی صاحبِ علم آدمی ہو، وہ معلوم کر سکتا ہے کہ اُن کا کیا inmpact(تاثر) تھا؟ آپ نے Banun کے چھکے چھڑا دیئے تھے، Indian government کو تو مصیبت پڑگئی تھی (12)۔ آج (کا مؤرّخ)distort کر رہا ہے۔ آپ واقعاتی ہو کے دیکھیں ہم لوگ ہیں کیا؟ ہم کس مقصد کے لئے پیدا ہوئے، کیا کر رہے ہیں؟ اور یہ جو رویّہ ہے یک طرفہ نفرتوں کا یہ اِسلامی رویّہ ہے بھی کہ نہیں؟

تحقیقِ حق کا طریق:

اس لئے آپ کا آنا تو یقیناً قابلِ قدر ہے اس لحاظ سے کہ اس خطاب سے پہلے تو آپ ضرور جھجکتے ہوئے آئے ہوں گے۔ آپ کو خیال ہوگا کہ اُن لوگوں کے پاس ہم جا رہے ہیں جن کے متعلق پچھلے سال مولویوں نے یہ بتایا تھا، یہ بتایا تھا، وہ بتایا تھا۔ واپس جائیں گے تو کئی لوگ سوال کریں گے کہ کہاں سے ہو کے آئے ہو؟ اور بڑی اُلجھن پیدا ہو جائے گی ہوسکتا ہے بعضوں کے لئے مشکل پیدا ہو جائے۔ اِس لئے آپ کی مردانگی کی تو مَیں داد ضرور دیتا ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ خُلقِ محمدیؐ کا ایک ادنیٰ حصہ ہے بالکل معمولی، جو اس خُلق پر پورا اُترے گا وہ سعادت پائے گا۔ آپ اپنے اُوپر فضل کر رہے ہیں، اپنے اُوپر رحم کر رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی سُنّت پر عمل کر کے اُن لوگوں کے پاس جا رہے ہیں جن کو آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ اِس لئے قطعاً کسی اور کے خوف کی ضرورت نہیں۔

مجھے ایک دفعہ ربوہ پاکستان میں، پتوکی (ضلع قصور) سے ایک وفد ملنے کے لئے آیا، اس وفد میں ایک بڑے leader شامل تھے۔ وہاں کا ایک بہت معزز شیعہ خاندان ہے اُن کی گدّی بھی ہے۔ اُن کے جو سربراہ تھے اُن کا بیٹا بھی تھا بیچ میں بل کے جب اُس نے کچھ باتیں پوچھیں، ربوہ دیکھا تو اُس کی آنکھیں کُھل گئیں۔ اُس نے کہا کہ ہم تو بالکل اور سُنتے آئے تھے۔ یہ تو اور جگہ ہے، یہ تو مل کے پتہ لگا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ مسلمان ہیں۔ جو کچھ بھی اِختلاف اپنی جگہ ہوں گے، دیانت دار ہیں، مخلص ہیں اسلام کی خدمت میں اور اسلام پر ایمان ہے اور ہے ہی کچھ نہیں۔ تو مَیں نے اُسے کہا کہ میاں! آپ نوجوان ہیں، کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ آپ کو اندازہ نہیں آپ جا کے اس طرح وہاں کھلی کھلی تعریفیں نہ کرنا مصیبت پڑ جائے گی۔ کہتے نہیں جی نہیں سوال ہی نہیں، آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ اور میرے خاندان کا وہاں بڑا وقار ہے اور کوئی نہیں میں نہیں ڈرتا۔ مَیں نے کہا کہ مَیں (آپ کو) آپ کے خاندان سے ہی ڈرا رہا ہوں، آپ کا خاندان مصیبت ڈالے گا۔ کہتے مَیں تو اپنے باپ کا بیٹا اور طالبِ علم بھی تھا۔ بڑا معزّز ہوں اور میرے سے بڑا پیار ہے۔ خیر چلے گئے اور جانے کے کچھ دن کے بعد اَخباروں میں چھپ گیا کہ جو، جو لوگ پتوکی کے ربوہ گئے تھے اُن سب کے نکاح ٹوٹ چکے ہیں اور اگر اب وہ اپنی بیویوں سے ملیں گے تو وہ خالص زنا ہوگا۔ اولاد ولد الحرام ہوگی اور اب ہر قسم کے تعلق ناجائز ہیں۔ اگر وہ رکھیں بھی تو بیویاں پردے کریں گی۔ اور اُن کے متعلق پتہ لگا اُن کو باپ نے گھر سے نکال دیا تھا کہ تُو نے ناک کٹوا دی ہماری اور ساری برادری پیچھے پڑگئی۔ تو یہ واقعات ہیں یہ کوئی فرضی باتیں نہیں ہیں۔ اِس لئے مَیں نے جو آپ سے گزارش کی تھی کہ مَیں ممنون ہوں۔ میرا مطلب یہی تھا مجھے پس منظر میں یہ باتیں معلوم ہیں۔ آج جو بھی ہم سے ملنے آتا ہے اِتنی تکلیف اُٹھا کر یہاں پہنچتا ہے۔ اُس میں یقیناً سعادت ہے، شرافت ہے، مردانگی ہے، ہمّت ہے۔ کیونکہ غلط روایات کے ایک پردے کو چاک کر کے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا دے۔ (آمین)

باقی سوالات اگر آپ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ تحقیق کا سلسلہ تو جاری رہتا ہے۔ مَیں آپ سے یہ گزارش کروں گا کہ تقویٰ کے ساتھ تحقیق کریں۔ کیونکہ مَیں کامل یقین رکھتا ہوں سو فیصدی اور ہر اَحمدی یقین رکھتا ہے ورنہ اِتنی قربانی نہیں دے سکتا کہ جس نے قادیان میں دعویٰ کیا تھا کہ مجھے خدا نے اِمام مہدیؑ اور مسیحؑ بنا کر بھیجا ہے وہ جھوٹا نہیں تھا۔ کوئی جھوٹوں والی علامتیں نہیں ہیں جو اُن میں ظاہر ہوئی ہوں۔ کوئی جھوٹوں والی علامتیں نہیں ہیں جو اُن کے ماننے والوں میں ظاہر ہوئی ہوں۔ ایک جھوٹا اگر جھوٹ بولتا ہے تو کسی مقصد کے لئے بولتا ہے اور اُس کا مقصد پاک نہیں ہوسکتا۔ کبھی کسی جھوٹے نے نمازی نہیں پیدا کئے ہوں گے۔ کبھی کسی جھوٹے نے قرآن کی خدمت کرنے والے پیدا نہیں کئے ہوں گے۔ کبھی کسی جھوٹے نے نیک اخلاق والے لوگ نہیں پیدا کئے ہوں گے۔ کبھی کسی جھوٹے نے بددیانتوں کو نسبتاً دیانت دار نہیں بنایا ہوگا۔ بدخُلقوں کو نسبتاً بااخلاق نہیں بنایا ہوگا۔ کبھی کسی جھوٹے نے دُنیا میں خدا کے نام پر مالی قربانی کرنے والے پیدا نہیں کئے ہوں گے۔ یہ ساری ایک اجتماعی شکل ہے۔ اِس لئے اگر وہ پیغام آپ کے نزدیک درست نہ بھی ہو۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ غلط فہمی ہوئی، جھوٹ کا اِلزام نہیں لگا

سکتے۔ کیونکہ جھوٹے کی علامتیں اور ہوتی ہیں اُس کی طرزِ بیان اُس کی رہن سہن جس قسم کے لوگ پیدا کرتا ہے وہ مختلف ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بہت ہی پیارا فقرہ کہا ہے کہ ''درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔''(13) کبھی کڑوی بیل کو میٹھا پھل نہیں لگتا۔ایک آدمی اگر جھوٹا ہے تو اُس کو ضرورت کیا ہے کہ اللہ کے نام پر قربانی کرنے والے، نمازیں پڑھنے والے، دین کی خدمت کرنے والے، گالیاں کھا کر، تکلیفیں اُٹھا کر، مُرتد کہلا کر بھی، جانیں دے کر بھی، اپنے مقصد پر قائم رہنے والے پیدا کر جائے۔اس لئے جو بھی لوگ نسبتاً متقی ہوتے ہیں وہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اگر ہمیں سمجھ نہیں آ رہی اِن کے عقائد کی تو ہوسکتا ہے غلط ہوں لیکن جھوٹے نہیں۔کئی لوگ پاگل ہوتے ہیں کئی غلط فہمیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔کئی اَوں کی دِماغ کی بناوٹ ایسی ہوتی ہے، ایک مسئلہ اُن کو سمجھ آ رہا ہوتا ہے بظاہر دوسرے کو نہیں آتا۔اب یہ جتنے عیسائی ہیں جو تین کو ایک اور ایک کو تین مان رہے ہیں ان کو آپ جھوٹا نہیں کہہ سکتے کیونکہ انہوں نے تین سو سال اکٹھا شروع میں اور اُس کے بعد مسلسل اپنے دین کی خاطر قربانیاں دی ہیں۔آپ ان کو غلط کہہ سکتے ہیں ان دو چیزوں میں بڑا فرق ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو عیسائی محققین نسبتاً زیادہ شریف النفس اور متقی تھے۔نسبتاً کہہ رہا ہوں اُنہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کبھی جھوٹا لفظ نہیں استعمال کیا۔اُن سب محققین نے یہ لکھا ہے کہ اپنے پیغام پر وہ کامل یقین رکھتا تھا۔باوجود اس کے سر ولیئم میوّر ہے وہ جہاں اُس کا داؤ لگتا ہے چرکے بھی لگاتا ہے، خنجر بھی گھونپتا ہے لیکن جہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا معاملہ آئے وہاں لازماً تائید کرتا ہے(14)۔لینَ پال ہے وہ یہی کرتا ہے(15)۔کارل لائل ہے وہ بڑی شدت کے ساتھ اس بات کا اظہار کرتا ہے حالانکہ مسلمان نہیں ہوا۔کہتا ہے کہ یہ شخص جھوٹا نہیں تھا۔(16)۔اسی لئے جو (احمدیّت کی) پہلی صدی کے آغاز کے مسلمان مفکّرین اور چوٹی کے بزرگ تھے اُنہوں نے حضرت مسیحِ موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے متعلق بعینہٖ یہی اَلفاظ استعمال کئے ہیں۔مولانا آزاد تک بھی، اُن کے پاس ایک دفعہ احرار کا وفد گیا اُنہوں نے کہ فتویٰ دو۔اُنہوں نے کہا دیکھو میں جھوٹا نہیں کہہ سکتا(17)۔مجھے یہ پتہ ہے، میں مانتا نہیں ہوں اُن کے عقائد سے مجھے اختلاف ہے لیکن یہ کہ میں یہ یقین رکھوں کہ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے، یہ میں نہیں کہہ سکتا۔بہت بڑے بڑے پیر ہیں فقیر ہیں اُس زمانہ کے علماء ہیں جو اس سے نکل گئے۔ہمارا جب اِختلافی لٹریچر آپ پڑھیں گے تو آپ حیران ہوں گے۔گنتی کے چند علماء کے نام آتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو جھوٹا کہنے کے لئے وقف کیا ہوا ہے۔باقی کہتے تھے ہم نہیں جانتے لیکن عقیدے کا اختلاف ہے۔سو پہلی correction attitude میں یہ کرنی چاہیئے تھی، کہ جن کی ساری جماعت سو سال سے قربانیاں دے رہی ہے، نیکی کے کام کر رہی ہے، دُنیا میں تبلیغ کر رہی ہے۔اُن کو آپ consciously جھوٹا کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اس لئے یہ دیکھیں کہ جو عقائد ہیں اُن میں اِن کو غلطی لگی ہے یا آپ کو غلطی لگی ہے۔قرآن جس کے ساتھ ہے اگر اُس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیں مسئلہ ہی ختم ہوجاتا ہے لیکن اگر prejudicy کے بغیر کریں۔

ختمِ نبوّت اور جماعت اَحمدیہ

ایک بڑی بات آج کل علماء کہتے ہیں کہ جی نبوّت کا دعویٰ کیا۔اس کے بعد تو کسی بحث کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔کہتے ہیں جب نبوّت کا دعویٰ کر دیا تو پھر آگے مسئلہ کون سا باقی رہ جاتا ہے؟.....سب سے بڑی روک جو پیش کی جاتی ہے اور جو بات اکثر مسلمانوں کے دلوں میں میخ کی طرح گڑ جاتی ہے، اس کے بعد ہمیں ضرورت ہی کوئی نہیں کہ دلچسپی لیں یا پوچھیں کہ کیا عقیدہ ہے؟ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسئلہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کہا''جو کہے مَیں نبی ہوں اُس سے آگے بات ہی نہ کرو۔وہ ہے ہی جھوٹا''۔اب اِس مسئلہ پر غور کر کے دیکھیں کہ کہاں تک یہ دُرست ہے؟ اگر یہ یہی مسئلہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مُتنبّی کے نمائندہ کو کیوں موقعہ دیا تھا گفت وشنید کا؟(18) اگر کوئی شخص قطعاً جھوٹا ہوسکتا ہے نبوّت کے دعوے میں تو اس سے زیادہ قطعی جھوٹا اور دُنیا میں کبھی پیدا نہیں ہوسکتا۔جو مُتنبّی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوتا ہے اور زمانے میں دعویٰ کر دیتا ہے اور وہ کہتا ہے مَیں وفد بھیجنا چاہتا ہوں گفت وشنید کے لئے، وہ وفد حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس سے گفتگو کرتے ہیں۔اب یہ بتائیے کہ کیا dialouge بند تھا؟

قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ تم سے پہلے ایسی قومیں گزریں جنہوں نے یہ عقیدہ بنا لیا تھا کہ اب خدا کبھی کسی نبی کو نہیں بھیجے گا۔حضرت یوسفؑ کی مثال دیتا ہے کہ جب تک حضرت یوسفؑ زندہ رہے تم اُن کی مخالفت کرتے رہے۔جب ہلاک ہوگئے اِذَا ھَلَکَ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اُس وقت تم نے کہنا شروع کر دیا کہ اب کبھی خدا کوئی نبی نہیں بھیجے گا (المومن:35)۔اب بتائیے کہ وہ لوگ جو یہ عقیدہ رکھتے تھے اُن کے پاس حضرت یوسفؑ کے بعد کتنے نبوّت کے دعوے دار پیش ہوئے ہوں گے؟ ایک لمبا زمانہ ہے حضرت یوسفؑ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور سب نے یہ دعوے کئے تھے۔کیا وہ justified تھے اِس بات میں؟ چونکہ اُن کا عقیدہ ہے اس لئے وہ رَدّ کر دیں اور اس بات کو قرآنِ کریم نے اتنی اہمیت دی ہے کہ دیکھو اس جال میں نہ پڑنا کہ خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ جِنّوں کا وفد جو ملنے آیا ہے سورۃ جنّ میں اُن کا dialouge محفوظ کیا اور فرمایا۔قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ جب وہ واپس لوٹ رہے تھے تو آپس میں اُنہوں نے یہ باتیں کیں کہ ہم کتنے بے وقوف ہوا کرتے تھے، کتنے جاہل تھے کہ جو یہ، یہ باتیں کیا کرتے تھے (الجنّ:5)۔اور اُن باتوں میں ایک یہ بات اُن کی طرف منسوب کر کے قرآن کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے سے پہلے ہم یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اَب خدا کبھی کوئی نبی نہیں

بھیجے گا۔اس عقیدے کے باوجود وہ آئے اور اس سے بات کی جس نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا اور سمجھے اور کہا کہ وہ عقیدہ غلط تھا۔اب قرآن کریم کو یہ دو باتیں محفوظ کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اور اس کے علاوہ ایک اُصولی بات، وہ بھی بڑی عظیم الشان ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد تو اس معاملہ میں اُلجھن کا مسئلہ ہی باقی نہیں رہ جاتا۔

قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں فرعونؔ کی قوم میں سے ایک شخص ایسا تھا جو حضرت موسیٰؑ پر خفیہ طور پر ایمان لے آیا اور وہ تھا اتنا معززؔ، اس کا نام نہیں ظاہر کیا قرآنِ کریم نے، اُس وقت بھی مخفی تھا یہاں بھی خدا نے مخفی رکھا ہے۔ یہ بھی عجیب خدا کی ستاری ہے۔ ہے حیرت انگیز بات، کلام کی فصاحت و بلاغت کا بھی کمال ہے۔فرمایا اُس نے اُس وقت بھی مخفی نام رکھا ہوا تھا۔ ہم بھی نہیں بتاتے کیا نام تھا؟ تھا کوئی شخص لیکن تھا ایسا کہ اُس کو پہنچ تھی دَربار تک اور اُس کی بات سُنی جاتی تھی کیونکہ فرمایا کہ جب وہ حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے وہاں کے چوٹی کے لوگ، فرعونؔ کے بڑے بڑے وزراء وغیرہ مل کے، تو وہ اُن تک پہنچا اور اُس نے کہا کہ دیکھو میری ایک بات سُن لو۔خوامخواہ ان باتوں میں دَخل نہ دو، اُس نے دعویٰ کیا ہے کہ مجھے خدا نے بھیجا ہے۔ اب ہمارے پاس مطلب یعنی مفہوم یہ ہے قرآنِ کریم کی exact آیت مَیں بعد میں پڑھ کے سُناتا ہوں۔مفہوم یہ ہے اُس بیان کا کہ ہم کس طرح پتہ کرلیں کہا اللہ نے اُس سے بات کی تھی کہ نہیں کی تھی؟ خدا بیچ میں کوئی Inspector تو نہیں لگا تا کہ اُس کی معرفت بات کرے یا کوئی exchange کھولا ہوا ہے۔ exchange ہے تو فرشتوں کا ہے بندوں کا نہیں ہے۔تو اُس نے یہ کہا

اِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ (المومن:29)

کہ دیکھو اگر وہ جھوٹا ہے جیسا کہ تم جھوٹا سمجھتے ہو تو تب بھی تمہارا کام نہیں ہے کہ تم اُس کو قتل کرو۔ عَلَیْهِ کَذِبُهٗ کیونکہ خدا پر جھوٹ بولنے والے کا جھوٹ اُس پر پڑا کرتا ہے۔جھوٹ وہ بولے وبال تم پر پڑ جائے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اِس لئے جو جھوٹ بول رہا ہے وہ ڈرے تمہیں کیا ضرورت ہے اُس سے ڈرنے کی یا اپنے متعلق خوف کرنے کی، اگر وہ جھوٹا ہے تو خدا کی تقدیر اُس کو ہلاک کردے گی۔ عَلَیْهِ کَذِبُهَا ورتمہارا تعلق ہی کوئی نہیں۔ یہ بنیادی صداقت ہے جس کو یاد رکھنا چاہیئے۔ اگر یہ غلط بات کی ہوتی تو قرآنِ کریم کو کیا ضرورت تھی کہ نبیوں کے ذکر میں ایک غیر نبی بلکہ ایسے مومن کا ذکر کردے جو اپنے ایمان کو بھی چُھپا رہا ہے اور لوحِ قرآن پر اُس کی بات کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کردے۔ فرمایا اِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهَا گر جھوٹا ہے تو اُس کو ڈرنا چاہیئے اپنے خدا سے نہیں ڈرتا تو جائے جہنم میں، جس طرح ہم اُردو میں کہتے ہیں۔اُس کا وبال اُس پر پڑے گا۔تمہارا حق ہی کوئی نہیں اُس کے قتل منصوبے بناؤ۔ وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا لیکن یہ دیکھ لینا اگر وہ سچا نکلا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ پھر ضرور تمہارے اُوپر وہ بلائیں پڑ جائیں گی جن کے وہ تم سے وعدے کرتا ہے۔

تو کتنا خطرناک سودا ہے، ایک دعوے دار کے متعلق یہ فتویٰ دے دینا کہ ہم یقیناً کہتے ہیں کہ خدا نے اُس سے کوئی کلام نہیں کیا اور وہ جھوٹا ہے کس طرح پتہ لگا؟ اَللہ نے کلام نہیں کیا تو اَللہ جانتا ہے اور اَللہ کو غیرت ہی کوئی نہیں اپنی، اُس کو کوئی فکر ہی کوئی نہیں کہ جھوٹا آ گیا ہے اور یہ بے چاروں کو پتہ لگ ہی نہیں سکتا کہ خدا نے کلام کیا تھا کہ نہیں کیا تھا؟ ان پر ذمہ داری خداؔ ڈال دے کہ اس کو ہلاک کردو۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا عقل کے خلاف بات ہے۔ اِس لئے اگر مرزاؔ صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے تو پہلے تو اُس کے دعوے کی نوعیت کو آپ سمجھیں اور یہ غور کریں اپنے نفس پر کہ یہ دعویٰ شانِ محمد مصطفی ﷺ کے خلاف ہے بھی کہ نہیں ہے؟ فیصلہ کُن یہ بات ہے۔ ورنہ عربی کے جھگڑوں میں اگر آپ مبتلا ہو گئے تو آپ میں سے اکثر کو نہیں آئے گی۔ آتی نہیں ہوگی پہلے اور اگر آتی بھی ہو تو اتنے لمبے جھگڑے، ہم بھی تو قرآنِ کریم سے دلیلیں دیتے ہیں، عربی کی گرائمر سے دلیلیں دیتے ہیں۔ اَحمدی عرب ہیں بڑے بڑے چوٹی کے عالم اِس وقت بھی ہمارے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔تو کس طرح پتہ چلے گا؟ اگر یہ کہیں، دلیل دیں کہ زیادہ عرب مخالف ہیں تو آنحضرت ﷺ کے زمانے کے زیادہ عرب آپؐ کے مخالف تھے۔ یہ تو کوئی دلیل نہیں اِس لئے اُصولی بات یہ ہے کہ ایسا طریق اختیار کریں جو ہر کَس و ناکَس کے لئے اختیار کرنا ممکن ہو۔اور میرے نزدیک سب سے بڑی کسوٹی سچ اور جھوٹ کی پرکھ کی یہ ہے کہ ہر وہ عقیدہ جو شانِ محمد مصطفی ﷺ کے خلاف ہو اُس کو رَدّ کردیں وہ مردود ہے۔سچا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ کی شان قیامت تک کے لئے خدا تعالیٰ نے محفوظ فرمادی۔ اس کی حفاظت کا وعدہ کردیا۔ ہر وہ عقیدہ جو شانِ محمد مصطفی ﷺ کو بڑھانے والا، بڑھا تو نہیں کوئی سکتا مطلب ہے اُس کے مطابق ہو اُس کے شایانِ شان ہو وہ رَدّ کرنے کے قابل نہیں ہے۔ نہ بھی سمجھ آئے تو اُس پہ غصے کی، مخالفت کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ یہ اُصول اتنا قطعی، اتنا واضح ہے کہ میرے نزدیک ہر اختلافی مسئلہ خواہ وہ شیعہؔ سُنّیؔ کا ہو، خواہ وہ وہابیؔ، بریلویؔ کا ہو، خواہ وہ اَحمدیؔ، غیر اَحمدیؔ کا ہو اِس کسوٹی پر اگر پرکھا جائے تو صحیح جواب آئے گا۔ اور دوسرا اَپنی فطرت ہے فطرت کی کسوٹی پر پرکھیں، دیکھیں آپ کی فطرت کیا جواب دیتی ہے؟

حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ:

جو دعویٰ حضرت مرزا صاحب نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ مَیں محمد مصطفی ﷺ کا کامل غلام نبی ہوں۔ نہ قرآن کا ایک شعشہ تبدیل کرنے کے لئے آیا، نہ سُنّت کو تبدیل کرنے کے لئے آیا، نہ فرمانِ محمد مصطفی ﷺ کو تبدیل کرنے کے لئے آیا۔ قیامت تک کے لئے یہ جاری قدریں ہیں ان کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ مَیں حضورِ اَکرم ﷺ

کی غلامی کی طرف قوم کو دوبارہ بلانے کے لئے آیا ہوں۔ اُن سُنّتوں کو بحال کرنے کے لئے آیا ہوں جو حضورؐ کے زمانہ میں جاری تھیں بعد میں اُمّت اُن سے پیچھے ہٹ گئی۔ اُن مسائل کو حل کرنے کے لئے آیا ہوں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں روشن تھے مگر بعد میں اِختلاف کا شکار ہو گئے یہ دعویٰ ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے سوچیں اپنے گزشتہ پس منظر سے نکل کے، اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدا نے مجھے غلام محمد مصطفی ﷺ کے طور پر، آپؐ کے تابع کے طور پر نبوّت کی خلعت پہنائی ہے تو شانِ مصطفویؐ میں اِس سے کیا نقصان پہنچتا ہے؟ یہ کسوٹی ہے جس کی طرف مَیں آپ کو بُلاتا ہوں۔ اور اس کے برعکس ایک اور بات بھی سوچ لیجئے اس سے پہلے اَنبیاء ایسے گزرے ہیں جن کے غلاموں کو خدا نے نئی شریعت نہ لانے کے باوجود نبوّت کی خلعت بخشی تھی۔ اگر موسیٰؑ یہ دعویٰ کرے نعوذ باللہ من ذلک، مَیں مثال کے طور پر سمجھانے کی خاطر کہہ رہا ہوں کہ دیکھو مَیں افضل ہوں۔ قیامت کے دن جب میرے غلام کھڑے ہوں گے تو میرے غلاموں کی صف میں چوٹی کے اَنبیاء بھی ہوں گے۔ داؤدؑ بھی ہوں گے، سلیمانؑ بھی ہوں گے، حضرت یسعیاہؑ اور بہت سے غلام اُن میں حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام، حضرت یحییٰؑ اور حضرت زکریاؑ یہ سارے بزرگ ہوں گے اور جب حضرت محمد مصطفی ﷺ کھڑے ہوں گے تو آپؐ کے پیچھے آپؐ کا نائب نبی بھی کوئی نہیں ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے تو کون سی دلیل ہے جس کے ذریعہ ہم اُس دعویٰ فضیلت کو رَدّ کر سکتے ہیں؟ اور حکمت کیا ہے اِس میں، کیوں خدا نے غلام محمد مصطفی ﷺ کو ایک عظیم اصلاح کے لئے نبوّت کا لقب نہ عطا فرمائے؟''

فرمایا: ''۔۔۔۔۔ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ مَیں ایک غلام نبی کے طور پر آیا ہوں اور نبی کیوں مجھے کہا گیا؟ یہ دلیل مَیں بعد میں دوں گا۔ دعویٰ پہلے سمجھنا چاہیئے، اُس دعوے میں قابلِ نفرت بات کوئی ہے کہ نہیں یہ صرف دیکھ لیا جائے۔ اور ایسی کوئی بات ہے کہ نہیں جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کے لئے ہتک کا موجب ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپؐ کی رُوحانی بادشاہت قیامت تک قائم ہے۔ آپؐ کی کتاب قیامت تک قائم ہے، آپؐ کی سُنّت قیامت تک قائم ہے۔ کوئی شخص نبی ہو یا ولی ہو ایک شعشہ بھی قرآن، سُنّت اور حدیث کا جو سچی حدیث سے ہے منسوخ نہیں کر سکتا۔ تو پھر اُس کو اگر نبوّت کا لقب ملتا ہے تو اس میں کون سی بات ہتک یا گستاخی کی ہے؟ یہ ایک بُنیادی بات ہے۔

قرآن کی رُو سے مل سکتا ہے یا نہیں؟ یہ بعد کی بات ہے۔ لیکن مَیں اِس وقت یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک حضور اکرم ﷺ کی محبت کا تعلق ہے۔ یہ بات محبت کے منافی کوئی نہیں۔ مَیں تو سمجھتا ہوں کہ جس بادشاہ کی غلامی میں بادشاہ ہوں وہ زیادہ معزز ہوتا ہے۔ اِسی لئے آنحضور ﷺ نے اپنی اُمّت کے علماء ربّانی کے متعلق یہ فرمایا عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ (19) میری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے برابر مرتبہ رکھتے ہوں گے۔ اتنی بڑی شان کر دی ہے آپؐ نے!

دوسرا دعویٰ آپ کا یہ ہے کہ مجھے خدا نے اِمام مہدی بنایا ہے۔ اب اِمام مہدی بنانے میں تو ہتک کا ویسے ہی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن ایک چیز ہے اِمام مہدی کے متعلق غور کرنے والی اگر آپ اُس مسئلہ کو سمجھ لیں تو ہمارا نبوّت کے متعلق اختلاف اس طرح غائب ہو جاتا ہے جیسے تھا ہی کوئی نہیں۔۔۔۔۔ مسئلہ یہ بہت اہم ہے۔ ہم کہتے کیا ہیں؟ ہماری سوچ کیا ہے؟ ہم کیوں اپنے آپ کو ان باتوں کے باوجود مسلمان سمجھتے ہیں؟ اور کہتے ہیں کہ ہم قرآن وسُنّت کے مطابق ہیں۔ ہماری بات سُن لیجئے پھر بعد میں آگے اور راہیں کھلی ہیں۔ اِمام مہدیؑ کے متعلق اکثر مسلمان فرقوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ تشریف لائیں گے۔ یہ دُرست ہے کہ نہیں؟ بعض اہلِ قرآن کہتے ہیں کہ نہیں ہم نے قرآن میں اُس کا ذکر نہیں پڑھا اس لئے ہم نہیں مانتے۔ وہ مسیح کے بھی آنے کے منکر ہیں۔ اس لئے مَیں اُس فرقہ کو چھوڑتا ہوں۔ باقی جتنے فرقے ہیں وہ متّفق ہیں کہ حضرت اِمام مہدی ضرور تشریف لائیں گے۔ اس بات پر بھی متّفق ہیں کہ اِمام مہدی، اِمام ہونے کا دعویٰ خدا کے ایماء پر کریں گے خود نہیں کریں گے۔ اللہ اُن کو اِمام بنائے گا۔ یہ دُرست ہے ناں بات؟ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب بھی حضرت اِمام مہدی تشریف لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ خود اُن کو اِمام مقرر فرمائے گا اور تیسری بات اس پر متّفق ہیں کہ جو اِمام مہدی کا منکر ہو جائے گا وہ عملاً اَللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق توڑ لے گا۔ کیوں کہ جس کو خدا نے اِمام بنا کے بھیجا ہو اُس کا انکار گناہِ کبیرہ ہے۔ یہ باتیں جو مَیں نے تین بیان کی ہیں۔ ان اُصولی باتوں میں ہمارا اور دوسرے فرقوں کا قطعاً ایک ذرّے کا بھی اِختلاف نہیں ہے۔ صرف اِختلاف یہ ہے کہ اِس حقیقت کا نام کیا رکھا گیا ہے؟

امام مہدی پہ ایمان لانا کیوں ضروری ہے:

جس شخص کے متعلق ہم یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ اُسے خدا نے بھیجا ہے۔ ellect نہیں ہوا یا اپنے واہمے سے نہیں کھڑا ہوا۔ جس شخص کے متعلق ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُس کا انکار کفر ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ سے تعلق قطع کرنے کے مترادف ہوگا۔ وہ اگر آج نہیں آیا تو کل آئے گا اور جب آئے گا اُس کا دعویٰ یہی ہوگا۔ اس دعوے کو نبوّت سے الگ کر کے دکھائیں کہ اگر اس کا نام نبوّت نہیں ہے تو پھر نبوّت اور اس دعوے میں فرق کیا ہے؟ اس لئے مَیں ہمیشہ علماء سے گزارش کیا کرتا ہوں، آپ بھی پوچھ سکتے ہیں۔ کسی بڑے سے بڑے عالم سے پوچھ لیں، تسلّی سے ذرا ٹھنڈے دِل سے پوچھیں کہ میاں چھوڑو حضرت مرزا صاحب کا جھگڑا، نہ سہی نہیں مانتے کل کے لئے تو ہمیں مُتنبّہ کر دو کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ کل جو دعویٰ کرے گا اِمام مہدیؑ کا، آج نہیں تو اُس نے آنا ہی آنا ہے پھر، اُس کے دعوے میں یہ بُنیادیں ہوں گی یا نہیں؟ وہ یہ اعلان کرے گا کہ خدا کی قسم! مجھے اللہ تعالیٰ نے خود کھڑا کیا ہے اور اُمّت کا ہی نہیں، اور محمد مصطفی ﷺ کی غلامی میں ساری دُنیا کا اِمام بنا دیا ہے۔ مانو یا نہ مانو۔ یہ

کرے گا کہ نہیں کرے گا؟ تمام علماء مجبور ہیں ماننے پر کہ ہاں یہ دعویٰ کرے گا اُس کے بعد آپ اُن سے پوچھ سکتے ہیں کہ اِس دعویٰ کے بعد ہمیں حق دیتے ہیں آپ یا قرآن یا سُنّت حق دیتے ہیں کہ ہم اُس کا انکار کر دیں؟ ایک بھی عالم آپ کو یہ اِجازت نہیں دے سکتا۔ آپ اُس سے پوچھیں وہ کہے گا کہ پکّے کافر ہو جاؤ گے۔ تمہارا دین سے تعلق ہی نہیں رہے گا اگر خدا کے بنائے ہوئے اِمام کے منکر ہو گئے۔

تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے دعویدار کا اصطلاحی نام کیا ہے؟ قرآنِ کریم ایسے شخص کو کیا قرار دیتا ہے؟ جہاں تک میرا علم ہے آپ قرآنِ کریم کا مطالعہ خود کر کے دیکھ لیجئے۔ علماء سے پوچھ لیجئے اِنسانوں میں سے جس پر ایمان لانا ضروری ہے اُسے نبی کہا گیا ہے۔ کسی غیر نبی پر انسانوں میں سے قرآنِ کریم نے ایمان لانا ضروری قرار نہیں دیا۔ آپ کی ایمانیات میں جو بُنیادیں ہیں۔ پہلا ہے، اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ فرشتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ تو تینوں اِنسان نہیں ہیں ناں؟ اور یومِ آخرت پر اِیمان لاتے ہیں۔ یہ بھی اِنسان نہیں ہے۔ تقدیرِ خیر و شر پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ بھی انسان نہیں ہے اور نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ ایمان کی بُنیادیں ہیں۔ (20) کسی غیر نبی پر ایمان لانا قرآن اور سُنّت سے ثابت کر دیں۔ ایک بھی اِستثناء آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ اسی لئے ساری اُمّتِ محمدیہ میں ایک دن بھی یہ عقیدہ نہیں بنا کہ مُجدّد پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مُجدّد آئے پہلے بھی، ہر صدی کے سر پر آئے (21) لیکن چونکہ وہ امام مہدی نہیں تھے اُن کو اِمام مہدی کا لقب دیا ہی نہیں گیا اس لئے اُن کے اوپر ایمان لانا کسی بھی مذہب کے عقیدہ میں شرط نہیں ہے۔ لیکن اِمام مہدی پر ایمان لانا تمام فرقوں کے بُنیادی عقائد میں داخل ہے کہ یہ لازمی ہے۔

دوسری بات اُسے خدا خود مقرر کرے گا۔ comissioned officer جس کو کہتے ہیں جسے خدا خود مقرر کر دے اُسی کا نام اِمام ہوتا ہے۔ اُسی کو قرآن کریم اَئِمَّہ کہتا ہے اور اَئِمَّہ کا لفظ نبیوں کے متعلق اِستعمال ہوا ہے (الانبیآء: 74)۔ تو آپ مُنہ سے نہ کہیں کہ وہ اِمام مہدی اُمّتی نبی ہوگا۔ لیکن عقیدہ کی جو دو بُنیادیں ہیں وہ مجبور کرتی ہیں کہ اُس کی اُمّتی حیثیت کو، اُس کی اُمّتی نبوّت کو تسلیم کریں۔ اب مجھے یہ بتائیں کہ نام رکھنے سے گناہ ہو جاتا ہے اور عقیدہ رکھنے سے گناہ نہیں ہوتا؟ عجیب بات ہے! تقویٰ سے کام لینا چاہیئے۔ پہلے اپنے ایمان کا تجزیہ کر لیں غور کریں کہ اگر نعوذ باللہ من ذلک، حضرت مرزا صاحب جھوٹے ہیں تو کل یا پرسوں یا بعد میں حضورِ اکرم ﷺ کی پیشگوئیوں نے تو بہر حال پورے ہونا ہے اور اُمّت کو لازماً ایک دن اِمام مہدی سے واسطہ پڑے گا، اُس کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ یہ دعویٰ کرے گا کہ مجھ پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ دعوے کرے گا کہ خدا نے مجھے بنایا ہے۔ جن علماء نے آپ کو یہ سبق دیئے ہیں وہ کل پھر آپ کو یہی کہیں گے کہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ وحی بھی بند اور عملاً نبوّت کا دعوے دار آپ کو کافر کہتا ہے۔ چھوڑیں گے پیچھا پھر اس کا؟ اِسی لئے گزشتہ بزرگوں نے جو چوٹی کے مُجدّدِ دِین گزرے ہیں اُنہوں نے یہ پہلے سے لکھ دیا ہے۔ خدا سے خبر پا کے کہ جب اِمام مہدی ظاہر ہوں گے تو یہ نہ سمجھ لینا کہ لوگ دوڑ دوڑ کے پھولوں کے ہار اُن کے گلے میں ڈالیں گے، اِمام مہدی کی مخالفت میں آئمہ اور علماء سب سے پیش پیش ہوں گے۔

حضرت ابنِ عربیؒ بڑے چوٹی کے بزرگ اور مُجدّد گزرے ہیں۔ اُس زمانہ میں خدا نے اُن کو ایک خبر دی۔ اُنہوں نے آگے اپنی کُتب میں لکھا کہ جب اِمام مہدی ظاہر ہوں گے تو اُن کی مخالفت میں اوّلین جماعت اُس وقت کے علماء کی ہوگی۔ (22) تو یہ factor بھی ساتھ پورا ہو جائے گا۔ پھر کس طرح فیصلہ کریں گے؟ اس لئے جس طرح اُس دِن فیصلہ کرنا ہے اُسی طرح آج کیوں نہیں فیصلہ کر لیتے؟ آج بھی تو یہی مشکل سامنے ہے۔ جو criterion سچائی کا اُس وقت ڈھونڈیں گے وہ آج کیوں نہیں ڈھونڈ لیتے؟ آج یہ تینوں factors موجود ہیں۔ دعوے دار نے یہ دعویٰ کر دیا ہے۔"

بہاء اللہ اور امام خمینی

حاضرین میں سے ایک غیر از جماعت دوست نے استفسار کیا کہ آج کل شیعہ بہآء اللہ اور امام خمینیؔ کو بھی تو امام مانتے ہیں؟

اس پر حضورؒ نے فرمایا:

"مَیں عرض کر دیتا ہوں۔ مَیں یہی کہہ رہا ہوں کہ جب آپ امام مہدی کو مانتے ہیں۔ امام مہدی آئے گا تو یہ کہہ کر کسی کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور امام مہدی آ نہیں سکتا۔ یہ کہہ کر تو جھوٹا نہیں کہہ سکتے ناں؟ مَیں یہ دلیل دے رہا ہوں۔ مَیں شاید اپنے مطلب کو بیان نہیں کر سکا پوری طرح، مَیں کہتا ہوں اُصولاً آپ کسی دعویٰ دار امام مہدی کو یہ کہہ کر رَدّ نہیں کر سکتے کہ چونکہ اس کے دعوے میں اجزائے نبوّت شامل ہوگئے ہیں اس لئے ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ جب سچا امام آئے گا اگر یہ سچے نہیں ہیں تو اُس کے دعاوی میں یہ دونوں اجزاء لازمی شامل ہوں گے۔ مَیں یہ کہہ رہا ہوں۔ اس لئے جس طرح آپ اُس کے دعوے کو پرکھیں گے اُسی طریق پر ہر ایسے دعوے دار کو پرکھنا مناسب اور عقل کے مطابق ہے۔ مَیں یہ دلیل دے رہا ہوں۔ اس دلیل کے مطابق آپ کی بات بالکل دُرست ہے valid ہے کہ اگر امام خُمَینیؒ دعویٰ کریں کہ مَیں امام مہدی ہوں۔ مجھے خدا نے کھڑا کیا ہے اور میرا انکار اس لئے کفر بن جائے گا کہ مجھے خدا نے قائم کیا ہے۔ اگر یہ دعویٰ کریں تو یہ دعویٰ اپنی ذات میں اُن کو کافر یا جھوٹا نہیں بناتا۔ یہ بات جھوٹا بنائے گی کہ خدا نے نہ کہا ہو اور پھر یہ دعویٰ کریں یہ مَیں مانتا ہوں۔ لیکن دعویٰ اپنی ذات میں جھوٹا دعویٰ نہیں ہے۔ یعنی یہ دعویٰ ایسا نہیں ہے جو اسلام کی بُنیادوں کے خلاف ہو۔ کیوں کہ آپ خود مان رہے ہیں کہ اگر یہ نہیں سچے تو کل ایک امام ایسا ضرور آئے گا جو یہی دعوے کرے گا۔"

ایک غیر احمدی دوست نے عرض کیا: ''یہ چیز ابھی مَیں نے آپ سے لی ہے کہ ایک اِمام آئے گا آپ نے پہلے بھی کئی دفعہ کہا ہے۔''

حضورؒ نے فرمایا:

''ابھی بھی مَیں یہی کہہ رہا ہوں ۔ اس لئے کہ آپ کے عقیدے اور میرے عقیدے میں ایک فرق ہے اور مَیں جب تک آپ کے platform پر نہیں آتا مَیں آپ کو کس طرح سمجھاؤں؟ یعنی common factor develop کئے بغیر اختلاف میں انسان ایک دوسرے کو سمجھا نہیں سکتا۔ dailouge کے لئے ضروری ہے۔ اگر مَیں یہ کہوں آپ کو کہ یہ سچا امام ہے جن کو ہم نے مان لیا۔ تم مانو یا نہ مانو جاؤ جو مرضی کرو یہ بڑا جاہلانہ طریق ہوگا۔ مَیں آپ کو یہ سمجھا رہا ہوں کہ دیکھیں جن بُنیادوں پر آپ اِن کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اگر وہ بُنیادیں دُرست ہیں تو پھر یہ بات لکھی گئی ہے کہ کل جب سچا امام آیا تو آپ نے اُس کی مخالفت ضرور کرنی ہے۔ کیونکہ وہ بُنیادیں دل میں پیدا ہوجائیں گی۔ مَیں آپ کو یہ سمجھا رہا ہوں اور جہاں تک امام خمینیؒ صاحب کا تعلق ہے، مَیں آپ سے عرض کر دوں اُنہوں نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ امام خمینیؒ نے یہ دعویٰ کیا ہی نہیں اُن کا عقیدہ اگر آپ سمجھیں تو وہ عملاً سارے شیعہ آئمہ اَپنے آپ کو نائب اِمام کہتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ اِمام زندہ موجود ہے، آچکا ہے۔ وہ کل کی راہ نہیں دیکھ رہے وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ دوبارہ واپس آئے گا اور ایک امام کی موجودگی میں جسے خدا بنا چکا ہے کوئی دوسرا امام بن ہی نہیں سکتا۔ اس لئے وہ کہتے امام ہیں لیکن اُن کی مُراد یہ ہوتی ہے کہ اُن کی نیابت کر رہا ہے۔ اُن کا قائم مقام ہے۔ اس لئے وہ دعویٰ ہی نہیں اور آج تک امام خمینیؒ صاحب نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ خدا نے مجھے مقرر کیا ہے۔ ایک فقرہ آپ نہیں دکھا سکتے۔

جہاں تک بہاء اللہ (مرزا حُسین علی ایرانی) کا تعلق ہے ۔ بہاء اللہ اور باب اللہ (علی محمد باب) دو الگ الگ وجود ہیں۔ باب اللہ نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور یہ کہا کہ خدا نے مجھے مقرر کیا ہے کہ مَیں آنے والے مسیح کی جو بھی نجات دہندہ آنے والا ہے اُس کی راہ تیار کروں۔ (23) اور اُس کا اِس لئے باب کہلاتا ہے دروازہ گویا کہ اُس میں گزر کے آنے والا تشریف لائے گا اور چونکہ اُنہوں نے واضح دعویٰ کیا تھا امام کا وہ مُدّتِ مقررہ کے اندر اندر قتل کر دیئے گئے اور خدا نے اُن کے ساتھ وہ سلوک کیا جو جھوٹوں سے کیا کرتا ہے۔ بہاء اللہ نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہی نہیں نہ امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ بہاء اللہ نے جیل سے خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے، ہمارے پاس کتاب اَقدس پڑی ہوئی ہے اکثر ملتی نہیں، وہ مَیں دوبارہ اسی لئے چھپوا رہا ہوں کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کو پتہ تو لگے کہ بہائیت کیا چیز ہے؟ اور احمدیّت کیا چیز ہے؟ زمین آسمان کا فرق ہے۔۔۔۔۔ بہاء اللہ صاحب نے جیل سے جو عبارت لکھی جو کتابِ اَقدس میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ ''دیکھو! تم لوگ جو بندے ہو، عام اِنسان ہو'' بہاء اللہ صاحب نے لکھا ''مَیں خدا تو قید میں ہوں تمہاری خاطر اور جیل کی صعوبتیں برداشت کر رہا ہوں۔ دیکھو کتنا بڑا میرا احسان ہے۔ تم میرے بندو باہر عیش کر رہے ہو''۔ (24) اور ایک جگہ نہیں repeatedly اُنہوں نے یہ دعویٰ کیا اور سارے قرآنِ کریم میں اور احادیث میں ایک بھی اشارہ نہیں ملتا کہ خدا تعالیٰ، خدائی کے دعوے دار کو اسی دُنیا میں پکڑ لیتا ہے۔ نبوّت کے دعوے دار کو پکڑنے کا اعلان ملتا ہے، وجہ کیا ہے؟

ظاہر بات ہے خدائی کا دعویٰ اتنا absurd (مضحکہ خیز) اور پاگلوں والا دعویٰ ہے کہ کوئی دھوکہ کھا ہی نہیں سکتا۔ سوائے اس کے کہ پہلے ہی ہلاک ہوا ہو۔ نبوّت کے دعوے میں مشکل ہے کیونکہ نبوّت کے دعوے میں وہ کہتا ہے مجھ سے خدا نے کلام کیا۔ آپ کے پاس ذریعہ نہیں ہے معلوم کرنے کا کہ کیا تھا کہ نہیں کیا تھا؟ جس نے کیا تھا وہی جانتا ہے۔ اگر وہ نہ پکڑے تو آپ کو کیا پتہ؟ ہاتھ ڈال بیٹھیں، اُس نے کیا ہو تب مارے گئے۔ مان جائیں تو شک میں رہیں پتہ نہیں دعویٰ کیا۔ خدا نے بولا بھی تھا کہ نہیں بولا تھا۔ اس لئے جب خدائی کا دعوے دار کوئی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو ترک کر دیتا ہے۔ اُس کی حیثیت ہی کوئی نہیں، سارے خود اپنی موت مَر جاتے ہیں اور جتنے وہ مذاہب موجود ہیں جن کے بانیوں کے متعلق کہا جاتا ہے اُنہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا قطعی طور پر ثابت ہے کہ اُنہوں نے نہیں کیا تھا۔ جنہوں نے سچ مچ کیا ہے اُن کا وجود ہی نہیں رہا خود ہی مٹ گئے۔

حضرت عیسیٰؑ نے کیا تھا دعویٰ؟ نہیں کیا تھا! اُن کو بنا دیا ہے۔ اس لئے اس کا گناہ اُن پر نہیں ہے۔ اُن کا جو مذہب جاری ہے وہ اس لئے جاری ہے کہ اُن کا دعویٰ نبوّت کا تھا اور خدا نے اُن کو نہیں پکڑا۔ بہر حال یہ الگ مضمون ہے۔ جماعت احمدیہ میں ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے۔

بہائیت کی حقیقت اور بہائیوں سے مناظرہ کا پُر معارف طریق:

بہائیت سے تو ہمارا دُور کا بھی رشتہ نہیں بلکہ بہائیت سے ہماری بحثیں چلتی ہیں۔ خود ہمارے بڑے بڑے مباحثے اُن سے ہوتے ہیں۔ وہ بہائی یہ کہتے ہیں کہ نئی شریعت ان معنوں میں کہ قرآنِ کریم کی شریعت کا اکثر حصہ اب واجب العمل نہیں رہا۔ کیونکہ زمانہ بدل گیا اس لئے نئے جدید تقاضے ہیں نئے جدید تقاضوں کے مطابق بہاء اللہ کہتا ہے۔ اب مَیں شریعت میں تبدیلی کر رہا ہوں کیوں کہ مَیں خدا ہوں میرا حق ہے اور مَیں تمہیں نئے تقاضوں کے مطابق لے کے آرہا ہوں۔ نمازیں تین کر دیں اور بعض جگہ چھٹی دے دی۔ مہینوں کے نام بدل دیئے اُن کے وقت بدل دیئے۔ بعض فرائض اُٹھا دیئے، شادیوں کی چار کی اجازت کے بجائے دو بیویاں کر دیں۔ عجیب وغریب ہے، پردہ اُٹھا دیا اور بہت ساری دخل اندازی کی۔ بہاء اللہ نے تو پوری شریعتِ اِسلامیہ کا حُلیہ ہی بگاڑ دیا مسخ کر دیا ہے اور دعویٰ یہ کیا کہ جدید

تقاضے مجبور کرتے ہیں (25)۔ہم تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہائیوں کے خلاف بھی ساری اُمّتِ مسلمہ کی طرف سے دِفاع کا حق اَدا کر رہے ہیں۔اِس لئے ہمیں اُن کے ساتھ بالکل بریکٹ نہ کریں۔

مَیں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں، مَیں اَمریکہ گیا وہاں بھی بڑا چلا ہوا ہے اِن کا قصہ اِن معنوں میں کہ پراپیگنڈہ ہے کہ بہت پھیلے ہوئے ہیں۔عملاً گنتی کے چند لوگ ہیں کوئی خدا نے ان کو برکت نہیں دی۔ان کا جو مرکز ہے عکّہ وہاں بھی total number بہائیوں کا 30۔25 سے زیادہ نہیں ہے آج تک،یہ تو سلوک ہے اللہ تعالیٰ کا اِن سے، مجھ سے ایک بہائی صاحب نے گفتگو شروع کی اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ، مَیں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کے سامنے بھی بہائی آئیں تو اُن سے گفتگو کا طریقہ کیا ہے؟

بہائی کا بیان حضورؒ کے اَلفاظ میں :۔

’’دیکھیں جی آپ کہتے ہیں کہ شریعتِ اِسلامیہ اِس لئے بہتر تھی کہ عیسیٰؑ کا دین پیچھے رہ گیا موسیٰؑ کا دین پیچھے رہ گیا اُس سے پہلے ابراہیمؑ،نوحؑ کے دین پیچھے رہ گئے اور وقت کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے تھے۔اِنسان تو progress کر رہا ہے۔چودہ سو سال پہلے کہاں انسان کس موقع پر کھڑا تھا۔آج کا انسان ترقی کر کے کہاں پہنچ گیا؟ تو کتنا جاہلانہ عقیدہ ہے کہ شریعت وہیں کھڑی ہو جائے اور خدا تعالیٰ اُسے تبدیل نہ کرے اور نئے تقاضوں کا خیال نہ کرے اس لئے خود اس بُنیاد پر جس بُنیاد پر قرآن نے گزشتہ شریعتوں کو منسوخ کیا تھا۔قرآن کی شریعت کا منسوخ ہونا ایک عقلی تقاضہ ہے۔ایک لازمی طبعی تقاضہ ہے۔‘‘

’’یہ دلیل دیتے ہیں اور اکثر مسلمان بے چارے سادہ لوگ، فلسفۂ دین کا چونکہ علم نہیں ہوتا تو بڑی مشکل میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔مَیں نے اُن کی بات سُنی اور یہی مَیں آپ کو بھی طریق سمجھاتا ہوں۔مَیں نے کہا آپ نے دلیل جو دی ہے اُس میں تھوڑا سا twist کر دیا ہے۔پہلے مَیں اُس کو کھول لوں پھر اگلی بات کرتے ہیں۔قرآنِ کریم نے صرف یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اُن پچھلے دینوں کے مقابل پر چونکہ بعد میں ہے اس لئے اس کو حق ہے۔قرآنِ کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدۃ:4) کہ ہم نے آج دین کو کامل کر دیا ہے۔یہ دین کے کامل ہونے کا دعویٰ کبھی کسی گزشتہ شریعت نے نہیں کیا تھا اور کامل کے بعد اضافہ نہیں ہو سکتا۔کامل میں کمی کریں تب مارے گئے کامل میں اِضافہ کریں تب مارے گئے۔یہ balance ہے جس کو آپ بگاڑ نہیں سکتے۔زمانے کے گزرنے سے کامل میں کیسے تبدیلی ہو سکتی ہے؟

مَیں نے اُن کو مثال دی۔مَیں نے کہا مَیں مثال دیتا ہوں اور مَیں آپ کے سامنے ایک challenge رکھتا ہوں اُس کو تبدیل کر کے دکھا دیں مجھے، مَیں اُسی وقت مان جاؤں گا کہ بہائی شریعت سچی ہے۔حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے تعلیم دی کہ ناک کے بدلے ناک، آنکھ کے بدلے آنکھ، کوئی مُکّہ مارے تو مُکّہ مارو اور خوب برابر کا بدلہ لو (26)۔یہ تعلیم تھی کہ نہیں؟ اور معافی کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔حضرت موسیٰؑ کی تعلیم کے متعلق مَیں نے اُن کو بتایا کہ comperitively کامل تھی۔absolutely کامل تھی اور مَیں یہ بتانا چاہتا ہوں آپ کو کہ اِسلام absolutely کامل ہے۔comperitively نہیں۔جب یہ سمجھ جائیں تو پھر کسی قیمت پہ بھی بہائی آپ پر غالب نہیں آ سکتے۔اُن کو رخنہ ہی نہیں مل سکتا جہاں سے وہ داخل ہو جائیں۔حضرت موسیٰؑ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تعلیم کو اگر ہم ناکامی کہیں، ناقص کہیں تو یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ خدا ناقص تعلیم دیتا ہے۔خدا تو کامل ہے۔وہ کیسے ناقص تعلیم دے سکتا ہے۔اگر اُس کی تعلیم ناقص تھی تو پھر خدا ہی ختم پھر چھوڑو مذہب کو پھر باہر نکلو۔اس لئے ہرگز نہیں کہنا چاہیئے۔وہ کامل تعلیم تھی اپنے وقت کی نسبت سے absolutely نہیں کیونکہ اُس وقت حضرت موسیٰؑ کی قوم جس قوم میں آپ آئے ہیں وہ مغلوب تھی، مظلوم تھی، مقہور تھی اور اتنی بُزدِل بنا دی گئی تھی کہ اپنا حق بھی وہ نہیں لیتے تھے۔حاکم قوم کا آدمی تھپڑ مارتا تھا تو کہتے تھے ہم نے تجھے معاف کر دیا۔اب کمزور آدمی نے معاف کیا کیا؟ وہ تو بے چارہ بدلہ لے ہی نہیں سکتا۔بُزدِلی کا نام معافی رکھ دیا۔تو اُن کے اَخلاق اتنے بگڑ چکے تھے کہ ہر بُزدِلی، ہر کمزوری کو وہ اَخلاقِ حسنہ قرار دے رہے تھے۔اُن کو خدا اگر اُس زمانہ میں معافی کی اجازت دے دیتا تو اُنہوں نے معاف ہی کرتے رہنا تھا۔اُن کو ضرورت کیا تھی کہ وہ بدلہ لیتے۔اُن کا character کھڑا کرنے کے لئے، اُن کو اپنے پاؤں پر دوبارہ قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کہا اس وقت جب تک ہم مناسب نہیں سمجھتے ہم تم سے معافی کا حق ہی لے رہے ہیں۔کوئی آنکھ پھوڑے گا تو آنکھ پھوڑنی پڑے گی۔کوئی ناک کاٹے گا تو تمہیں ناک کاٹنا پڑے گا۔کامل تعلیم ہے اپنے وقت کے لحاظ سے لیکن absolute value کے لحاظ سے نہیں تھی۔

چنانچہ اس کا رَدِّعمل لمبے عرصہ کے بعد ظاہر ہوا اور وہ سخت دل ہو گئے۔قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد اُن کے دل پتھر ہو گئے۔چٹانوں کی طرح سخت ہو گئے۔اتنے ظالم ہو گئے کہ عفو کے نام سے نا آشنا، حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ایک معصوم انسان نہایت ہی پیاری شخصیّت، محبت کرنے والی، رحم کی تعلیم دینے والی، اُن کے دل ٹھنڈے ہی نہیں ہوتے تھے جب تک سولی پر نہ چڑھائیں۔کیسا ظالمانہ سلوک کیا؟ خدا تعالیٰ نے اُس تعلیم کو پھر اس طرح بدلا کہ اُن سے بدلہ لینے کا حق چھین ہی لیا، حضرت عیسیٰؑ کو کیا فرمایا؟ کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے

تو دوسرا گال بھی پیش کر دو۔تمہارا کوئی clouge اُتارے تو قمیص بھی اُتار کے دو(27)۔عجیب تعلیم ہے لیکن اُس زمانے میں اگر یہود کو اِجازت دے دیتے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اَپنے ماننے والوں کو کہ بدلہ بھی لے لو تو وہ تو پہلے ہی سخت دل تھے اُنہوں نے لینا ہی بدلہ تھا اُنہوں نے کہاں ایک تھپڑ کے بدلے دوسرا گال آگے کرنا تھا۔اِس لئے اُس زمانے میں اُس context میں یہ کامل تعلیم تھی لیکن absolute نہیں!

مَیں نے اُن بہائی scholar صاحب سے عرض کی کہ اب مَیں اسلامؔ پر آتا ہوں۔ چھ سو سال کے بعد، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے چھ سو دس سال کے بعد اسلام ظاہر ہوتا ہے۔آنحضرت ﷺ کو خداؔ تعالیٰ یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر کوئی ظلم کرتا ہے تو انسان کا حق ہے کہ مقابل پر اپنا بدلہ اُتارے مگر جتنا ظلم کیا ہے اُتنا ہی ٹھہرے اُس سے ایک inch بھی آگے بڑھنے کی اجازت نہیں۔ پہلا حصہ تعلیم کا، نمبر 2:عفو کی بھی اجازت ہے معاف کرنے کی بھی لیکن شرط یہ ہے کہ معافی کے نتیجہ میں اصلاح ہو۔معافی کے نتیجہ میں جرم کی حوصلہ اَفزائی نہ ہو۔absolute معافی نہیں دی۔ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ (الشوریٰ:41) یہ الفاظ ہیں۔ جو عفو کرے بشرطیکہ اُس کے نتیجہ میں اصلاح واقعہ ہو تو خدا اُس کو بہت پسند کرتا ہے۔مَیں نے کہا اب اِس تعلیم کو آپ ذرا بدل کے دکھادیں۔چودہ سو سال ہو گئے ایک شعشہ اِس کا تبدیل کر کے دکھائیں کہ یہ زمانے میں پیچھے رہ گئی ہے اب کامل تعلیم یہ ہے۔قرآنِ کریم کو absolute value حاصل ہے یہ ہے اصل point کمال اِسی کو کہتے ہیں کہ اِس سے بہتر تعلیم ممکن ہی نہیں نہ معافی کی کھلی چھٹی دے دی ہے نہ انتقام کی کھلی چھٹی دے دی ہے۔اِنسان adult age کو پہنچ گیا ہے وہ یہ فیصلہ کرے کہ مَیں معافی دُوں گا۔اگر معافی کے نتیجہ میں جُرم کی حوصلہ اَفزائی ہوتی ہو تو خدا مجھے معافی کی بھی اِجازت نہیں دیتا۔ مَیں نے لازماً پھر بدلہ لینا ہے۔اگر معافی کے نتیجہ میں اصلاح ہوتی ہے کسی کا دل بدل جاتا ہے کوئی پاک ہو جاتا ہے تو خدا مجھ سے تقاضہ کرتا ہے کہ مَیں اپنا حق چھوڑ دوں اُسے معاف کر دوں۔تو یہ ہے کمال کا مضمون اور جماعت اَحمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ دین ان معنوں میں کامل ہوا کہ ہر زمانے کی ضرورت اُصولی طور پر بیان فرمادی گئی اور ہر زمانے کی ضرورت قرآنِ کریم اور سُنّتِ محمد مصطفی ﷺ اپنے اَندر رکھتے ہیں۔اِس لئے ہماری مثال تو ایسے دوسرے لوگوں سے ہو ہی نہیں سکتی۔"

متفرق حوالہ جات

1: صحیح بخاری کتاب المغازی: باب 14 اور بعض مزید متعدد روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ساحر کہا جاتا تھا۔

2: السیرۃ الحلبیہ: جلد1:صفحہ:295 بیروت

3: شعب ابی طالب میں محصوری کے واقعات کی تفصیلات کے لئے دیکھیں الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 1:صفحہ 208 ودلائل ابی نعیم جلد 1 :صفحہ 358-359

4: حاشیہ سیرۃ ابن ہشام جلد2:صفحہ 17 مکتبہ المصطفیٰ الحلبی

5: واقعہ طائف کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں سیرۃ ابن ہشام مترجم اُردو: جلد 1:صفحہ 279 شائع کردہ اِدارۂ اِسلامیات لاہور پاکستان:مطبوعہ مئی 1994

6: سیرۃ ابن ہشام مترجم اُردو: جلد2:باب 104:صفحہ 143 شائع کردہ اِدارۂ اِسلامیات لاہور پاکستان:مطبوعہ مئی 1994

7: سنن ابی داوٗد کتاب الدیات: و سیرۃ ابن ہشام مترجم اُردو: جلد 2:باب 121:صفحہ 233 شائع کردہ اِدارۂ اِسلامیات لاہور پاکستان:مطبوعہ مئی 1994

8: صحیح بخاری: کتاب الجنائز باب من قام لجنازۃ یھودی

9: صحیح بخاری کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی فمات

10: احمدی فوجیوں کی ملکی خدمات کے لئے ملاحظہ فرمائیں چٹان لاہور مؤرخہ 13 ستمبر 1965ء و ماہنامہ حکایت اپریل 1973ء اور، روزنامہ جنگ مؤرخہ 16 فروری 1983ء وروزنامہ جنگ لاہور 6 ستمبر 1984ء صفحہ 3 کالم 7-6

11: سرظفراللہ خان صاحب کی بلادِ عربیہ سے متعلق خدمات کے بارہ میں جاننے کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ جریدۃ الاخبار القاھریۃ :مؤرخہ 23 جون 1952ء و رسالہ العربی: شمارہ جون 1983

12: سرظفراللہ خان صاحب کی کشمیر سے متعلق خدمات کے لئے ملاحظہ فرمائیں رسالہ طلوعِ اِسلامؔ مارچ 1948ء و منیر inquiry report صفحہ 209

13: متی کی انجیل: باب 8 آیت 15 تا 19:مطبوعہ 1990ء: بائبل سوسائٹی لاہور

14: Life of Muhammad مؤلفہ سر ولیم میور بحوالہ سیرۃ النبیؐ مغربی مفکرین کی نظر میں: جلد 2 صفحہ 30: مؤلفہ طالب حسین کرپالوی۔ شائع کردہ جعفریہ دارالتبلیغ سانده کلاں لاہور: مطبوعہ 10 جنوری 1991ء)۔

15: سیرۃ النبیؐ مغربی مفکرین کی نظر میں: جلد 2 صفحہ 30: مؤلفہ طالب حسین کرپالوی۔ شائع کردہ جعفریہ دارالتبلیغ سانده کلاں لاہور: مطبوعہ 10 جنوری 1991ء

16: سیرۃ النبیؐ مغربی مفکرین کی نظر میں: جلد 2 صفحہ 38: مؤلفہ طالب حسین کرپالوی۔ شائع کردہ جعفریہ دارالتبلیغ سانده کلاں لاہور: مطبوعہ 10 جنوری 1991ء

17: مولانا آزاد کے خیالات جاننے کے لئے ملاحظہ فرمائیں اَخبار وکیل مئیؔ 1908ء

18: حضرت نبی کریم ﷺ کے دَور میں دو اَشخاص نے دعویٰ نبوّت کیا مسیلمہؔ

کذّاب (سکنہ یمامہ) اور اسوَد بن کعب عنسی (سکنہ صنعاء یمن) مسیلمہ کذّاب کے نمائندگان حضورﷺ سے ملاقات کے لئے آئے تھے اور یہ واقعہ 10 ہجری میں پیش آیا۔ دیکھیں سیرۃ ابن ہشام مترجم اُردو: جلد 2: باب 144: صفحہ 358 شائع کردہ اِدارۂ اِسلامیات لاہور پاکستان: مطبوعہ مئی 1994ء

19: مرقاۃ المفاتیح: کتاب المناسک: باب حرم المدینۃ: شرح البخاری للسفیری المجالس التاسع والثلاثون

20: ترمذی کتاب الایمان: باب ماجاء فی وصف جبرائیل

21: سنن ابوداؤد: جلد 2: باب الملاحم

22: فتوحاتِ مکیّہ جلد 3: صفحہ 374

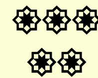
23: الکواکب: صفحہ 70

24: بہآء اللہ کے دعوٰی خدائی سے متعلق معلومات کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ کتابِ مبین: صفحہ 286,298,333 اور اِقتدار: صفحہ: 162 بحوالہ تبلیغی پاکٹ بک مؤلفہ ملک عبدالرحمان صاحب خادمؔ زیرِعنوان بہائیت۔

25: قرآنی شریعت میں تبدیلی سے متعلق معلومات کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب الاقدس: صفحہ 130، 135، حکم نمبر 101 عربی حکم نمبر 114 حکم نمبر 143 عربی بحوالہ احمدی پاکٹ بک مؤلفہ ملک عبدالرحمان صاحب خادم زیرِ عنوان بہائیت

26: اِستثناء: باب 19: آیت 21: مطبوعہ 1990ء بائیبل سوسائٹی لاہور

27: متی کی انجیل: باب 5: آیت 39: مطبوعہ 1990ء بائیبل سوسائٹی لاہور۔



ایک سبق آموز قصہ

مراسلہ: ابوارحم چوہدری

کسی ملک کا بادشاہ بہت رحم دل اور نیک تھا، رعایا کے حق میں بہت اچھا تھا چنانچہ تمام رعایا اس سے محبت کرتی اور دعائیں دیتی تھی

اسی ملک کے ایک دور دراز گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا جس کی خواہش تھی کہ اپنے نیک دل بادشاہ کی زیارت کی جائے اور اسے کوئی تحفہ بھی دوں اس نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کہ میں بادشاہ کو ملنے کے لئے جانا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ میں اس کوئی تحفہ بھی دوں تم مجھے مشورہ دو کہ میں بادشاہ کے لیے کیا تحفہ لے کر جاؤں۔

بیوی نے کچھ دیر سوچا اور کہا کہ بادشاہ کے پاس تو ہر چیز ہوگی ہم اسے کیا تحفہ دے سکتے ہیں ہاں میرا ایک مشورہ ہے کہ ہمارے گھر کے پاس بہنے والے چشمے کا پانی بہت میٹھا اور ٹھنڈا ہے اور ایسا پانی پورے ملک میں کہیں بھی نہیں ہوگا حتیٰ کے بادشاہ کے پاس بھی نہیں ہوگا تو تم اس کے لیے یہ پانی لے جاؤ۔ کسان کو یہ تجویز پسند آگئی اور اس نے اپنے چشمے سے پانی کے دو گھڑے بھرے اور اپنے گدھے پر لاد کر بادشاہ سے ملاقات کے لیے روانہ ہوگیا

کئی ہفتوں کے سفر کے بعد بادشاہ کے محل پہنچ گیا اور ملاقات کی اجازت چاہی۔

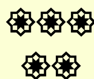
اجازت ملنے پر بادشاہ کو تحفہ پیش کیا اور بتایا کہ یہ میرے گاؤں کے چشمے کا پانی ہے اور ایسا میٹھا اور ٹھنڈا پانی آپ کو پورے ملک میں کہیں بھی نہیں ملے گا۔ بادشاہ کے اشارے پر وزیر نے گھڑے کا ڈھکن اٹھایا تو کئی ہفتوں کے سفر کی وجہ سے پانی میں بدبو پیدا ہوگئی تھی

وزیر نے بادشاہ کی طرف دیکھا تو بادشاہ نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور باآواز بلند کہا کہ ہم اس تحفے سے بہت خوش ہوئے اور خزانچی کو حکم دیا کہ اس کسان کے گھڑوں کو سونے سے بھر دیا جائے، کسان بہت خوش ہوا، بادشاہ نے وزیر کو بلا کر چپکے سے کہا کہ پانی کو گرا دینا اور واپسی پر اس کسان کو اس رستے سے گزارنا جہاں ہمارے چشمے ہیں تا کہ اس علم ہو کہ ہمارے پاس پانی کے کتنے چشمے ہیں اور انکا پانی کتنا ٹھنڈا اور فرحت بخش ہے۔

چنانچہ جب کسان کو انعامات دینے کے بعد ان چشموں کے پاس سے گزارا گیا تو وہ سمجھ گیا کہ اس کا تحفہ کتنا حقیر تھا لیکن بادشاہ نے اسکے حقیر تحفے کو بھی قبول کر کے اسے انعام سے نوازا۔ اس کے دل میں بادشاہ کے لیے محبت اور عقیدت اور گہری ہوگئی۔

ہماری عبادات کا بھی یہی حال ہے، ہم جوٹوٹی پھوٹی عبادت کرتے ہیں تو ہم اسے بہت اچھی سمجھتے ہیں اور اپنے مالک کے حضور پیش کرتے ہیں، ان عبادات کی حقیقت معلوم ہونے کے باوجود وہ مالک الملک نہ صرف ان عبادات کو قبول کرتا ہے بلکہ انعام کے طور پر بے بہا نعمتوں سے بھی نوازتا ہے حالانکہ اسے ہماری عبادتوں کی ضرورت نہیں ہے۔

عبادت کے لیے تو فرشتے ہی کافی ہیں اب ہم ان ٹوٹی پھوٹی عبادتوں کو پیش کر کے اسکی نعمتیں حاصل کرنے والے بھی نہ رہے تو ہم جیسا بدنصیب کون ہوگا وہ تو ہر وقت دینے کے لیے تیار ہے لیکن ہمارے پاس ہی لینے کے لیے وقت نہیں ہے کاش کہ ہمیں اس بات کی سمجھ آجائے ورنہ جب مرنے کے بعد سمجھ آئے گی تو بہت دیر ہوچکی ہوگی....





حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ کا وفات مسیح پر ایک مناظرہ



مراسلہ اصغر علی بھٹی نائیجر

حضرت مولانا اپنی خودنوشت سوانح عمری حیات قدسی میں اس مناظرے کا حال درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''ایک دفعہ ایک علمی مجلس میں جس میں مَیں بھی موجود تھا ایک غیر احمدی عالم نے بیان کیا کہ حضرت مسیح اسرائیلی علیہ السلام کا قرآن کریم کی رو سے زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر چڑھنا ثابت ہوتا ہے جب وہ اپنا مضمون تفصیل سے بیان کر چکے۔ تو میں نے عرض کیا۔ کہ اگر اجازت ہو تو اس تعلق میں بھی کچھ عرض کروں۔ حاضرین کی اجازت سے میں نے کہا۔ کہ کوئی مسلمان قرآن کریم کے فیصلہ کا انکار نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ایسا کرے تو اس کا ایمان جاتا رہتا ہے۔ جناب مولوی صاحب نے حیات مسیح کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ تین امور ہیں:۔(1) حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہیں۔(2) وہ بجسدہ العنصری زندہ ہیں (3) اس آسمان پر اپنے جسم کے ساتھ چڑھے ہیں۔ اور جسم عنصری کے ساتھ وہاں موجود ہیں۔ اور ان سب باتوں کا ثبوت قرآن کریم سے ملتا ہے۔

میری اتنی گذارش ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جو کچھ مولوی صاحب نے بیان کیا ہے۔ اس کے متعلق قرآن کریم میں الفاظ دکھائے جائیں۔ یعنی حی اور بجسدہ العنصری اور رفع بجسدہ العنصری الی السماء اگر یہ الفاظ قرآن کریم میں مل جائیں تو میں ابھی اسی مجلس میں حضرت مسیح کی حیات کا اقرار کرلونگا اور ان کے زندہ آسمان پر چڑھنے کا بھی اقرار کرلونگا اور جناب مولوی صاحب کی صداقت بھی ثابت ہوجائے گی۔ اور مجھے بھی قرآن کریم کے الفاظ کے مطابق ہدایت نصیب ہوجائے گی۔ میں نے حاضرین سے پرزور الفاظ سے خطاب کیا۔ اور کہا کہ یہ طریق فیصلہ سب کو منظور ہے۔ جب حاضرین نے میری بات کی تصدیق کی اور غیر احمدی عالم سے مطالبہ کیا۔ کہ یہ الفاظ قرآن کریم میں دکھائیں ورنہ ہم احمدیوں کے عقیدہ کو درست تسلیم کریں گے۔

اس پر غیر احمدی مولوی صاحب نے کہا۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم سے مذکورہ الفاظ تو نہیں دکھلا سکتا۔ لیکن جب میں نے احادیث سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات ثابت کردی ہے تو مزید کسی ثبوت کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ قرآن کریم خدا کا کلام ہے اور احادیث اس کے پاک نبی کا کلام ہے۔ اور خدا اور اس کے رسول کا کلام آپس میں موافق ہونا چاہیئے جب قرآن کریم سے حیات کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ برخلاف اس کے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ تو احادیث قرآن کریم کے مخالف کیسے ہوسکتی ہیں۔ مزید برآں اگر مذکورہ بالا الفاظ حضرت مسیحؑ کے متعلق احادیث میں پائے جاتے ہیں۔ تو وہی پیش کردیئے جائیں۔

یہ سنکر غیر احمدی مولوی صاحب نے کہا کہ یہ الفاظ بعینہٖ تو احادیث میں موجود نہیں احمدی لوگ تاویلوں سے کام لیتے ہیں۔ ورنہ بخاری شریف میں صاف لکھا ہے۔ کہ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم واما مکم منکم اس حدیث میں لفظ ابن مریم اور لفظ نزول موجود ہے۔ اگر اس کی تاویل نہ کی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح ابن مریم نے نزول فرمانا ہے۔ اگر وہ آسمان پر سے نازل ہونے والے نہ ہوتے۔ تو یہ الفاظ حدیث میں کیوں وارد ہوئے۔ ان الفاظ میں تاویل کی کوئی بھی گنجائش نہیں۔ اگر احمدی لوگ تاویل نہ کریں تو بات صاف ہے۔

میں نے جواباً عرض کیا۔ کہ مولوی صاحب نے اپنی طرف سے احمدیوں پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ تاویل کرتے ہیں۔ میں ان سے دریافت کرتا ہوں۔ کہ کیا تاویل قرآن کریم کی رو سے ناجائز ہے؟ مولوی صاحب نے کہا ہاں ناجائز ہے۔ میں نے عرض کیا۔ ہر صورت میں منع ہے۔ یا بعض صورتوں میں جائز ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہر صورت منع ہے اور سب کے لئے منع ہے۔ میں نے کہا۔ کہ قرآن کریم کی سورہ یوسف میں آتا ہے۔ کہ جب برادران یوسف اور ان کے والدین نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شان وشوکت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کیا تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا:۔

هذا تاويل رویای من قبل قد جعلها ربّی حقاً۔

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی رویا کی تاویل کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ وعلمتنی من تاویل الاحادیث یعنی اے خدا تو نے مجھے تاویل الاحادیث کا علم بھی سکھایا۔ پھر قید خانے میں دو قیدیوں نے جب آپ سے عرض کیا۔ کہ نبئنا بتاویلہ یعنی ہماری رویا کی تاویل سے ہمیں آگاہ فرمایئے۔

پھر سورہ آل عمران کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاما الذین فی قلوبهم زیغٌ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنةِ وابتغاء تاویله

وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہے۔کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ محکمات کو نظر انداز کرکے متشابہات کے حصہ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔محض اس لئے کہ خدا تعالیٰ کے نبی اور رسول کے مبعوث ہونے پر اس کی مخالفت کا پہلو استعمال کریں اور محکمات کو ترک کرنے سے لوگوں کے لئے فتنہ کی صورت پیدا کریں۔جیسا کہ مسیح اور ابن مریم کے لفظ کے ساتھ نزول کا لفظ جو بطور متشابہات کے تھا۔اس کو محکمات کے طور پر پیش کرکے مسیح محمدیؑ حضرت میرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کے مقابل پر علماء کھڑے ہوگئے اور مسلمان ہوکر یہودیوں اور عیسائیوں کے مسیح کو جو موسوی سلسلہ کا مسیح تھا۔مسلمانوں کا موعود مسیح قرار دینے لگے۔اور اس طرح دین میں فتنہ اور فساد پیدا ہوا۔یہ علماء چونکہ راسخون فی العلم'' نہ تھے۔اس لئے غلط تاویلات کے مرتکب ہوئے حالانکہ صحیح تاویل کا علم محض خدا تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے۔اور وہ ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔جو وقت کے مامور پر ایمان لاکر دعاؤں اور تدبیر سے صراط مستقیم پر ہدایت پاتے ہیں۔

میں نے کہا کہ میری پیش کردہ آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے۔کہ صحیح تاویل قرآن کریم کی رو سے جائز ہے۔ہاں ان لوگوں کے لئے جو کجی سے تاویلات کریں ایسا کرنا جائز نہیں۔

حدیث نزول ابن مریم

اب میں حاضرین کے سامنے حدیث کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم واما مکم منکم کے متعلق صحیح تاویل پیش کرتا ہوں۔ہم احمدیوں پر یہ الزام لگایا گیا ہے۔کہ احمدی تاویلوں سے کام لیتے ہیں۔حالانکہ احمدی اگرچہ تاویل کرتے ہیں لیکن وہ صحیح تاویل کرتے ہیں۔اور غیر احمدی علماء نہ صرف یہ کہ تاویلات سے کام لیتے۔بلکہ بسا اوقات غلط تاویلات کرتے ہیں۔

اس مختصر سی حدیث میں ضمیر جمع مخاطب چار دفعہ استعمال ہوئی ہے۔یعنی (1) انتم (2) فیکم (3) امامکم (4) منکم کے الفاظ ہیں۔میں نے غیر احمدی مولوی صاحب سے پوچھا۔کیا یہ درست ہے؟انہوں نے تصدیق کی۔پھر میں نے کہا اس حدیث میں جن لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے انتم کو الفاظ میں مخاطب فرمایا۔وہ کون تھے۔مولوی صاحب فرمایا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب تھے۔میں نے کہا یہ درست ہے اور اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔کہ آنحضرت ﷺ نے جن اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ ابن مریم تم میں نازل ہوگا۔کیا ان کی زندگی میں ابن مریم ان میں نازل ہوئے۔یا جب تک ابن مریم کا نزول نہ ہوا۔ان اصحاب کی زندگی کے ممتد کرنے کا اللہ تعالیٰ نے سامان فرمایا۔اگر ایسا نہیں ہوا اور اس حدیث کے مذکورہ بالا الفاظ کی کوئی تاویل کرنے کی بھی گنجائش نہیں۔تو کیا اس حدیث کے صدق پر حرف نہیں آتا کیونکہ اس حدیث کے مطابق صحابہ کی زندگیوں میں ابن مریم کا نزول ان میں نہیں ہوا۔یہ سنکر مولوی صاحب فرمانے لگے کہ حدیث صحیح ہے۔اور ابن مریم کا نزول بھی درست ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وفات کے بعد اس حدیث کے مخاطب وہ مسلمان ہونگے۔جن میں مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا۔میں نے عرض کیا۔کہ صحابہ کی جگہ بعد کے زمانہ کے مسلمان مراد لینا تو تاویل ہے۔اور تاویل کو آپ ناجائز قرار دیتے ہیں۔اس حدیث میں چار دفعہ انتم۔امامکم اور منکم میں خطاب کی ضمیر صحابہ کرام کی طرف راجع تھی۔جس کی آپ نے چار دفعہ تاویل کرکے اس سے آئندہ زمانہ کے مسلمان مراد لئے ہیں اور اس تاویل کو آپ نے اس لئے جائز قرار دیا ہے۔کہ صحابہ کرام کی وفات کی وجہ سے ان الفاظ کو ظاہر پر محمول نہیں کیا جاسکتا اور اس طرح حدیث مجروح ٹھہرتی ہے۔

اندریں صورت اگر ہم احمدی ابن مریم کے لفظ کو ظاہر پر محمول نہ کریں اور آنے والے مسیح کو امت محمدیہ کا ایک فرد سمجھیں۔کیونکہ قرآنی آیات سے اور دوسری احادیث سے حضرت مسیح ابن مریم کی وفات نصوص بینہ سے ثابت شدہ ہے۔تو اس ایک تاویل پر آپ کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟

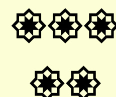
اس موقعہ پر میں نے کسی قدر تفصیل سے وفات مسیح ابن مریم کے متعلق آیات قرآنی اور احادیث سے استدلال پیش کئے اور بتایا کہ جب قرآن کریم اور احادیث سے ثابت شدہ ہے۔کہ حضرت مسیح اسرائیلی فوت شدہ ہیں۔اور آیت استخلاف کی رو سے جس طرح موسوی خلفاء حضرت موسیٰ کی امت سے پیدا ہوئے۔اسی طرح امت محمدیہ کے خلفاء بھی اسی امت میں سے ہونگے۔اور جس طرح قرآن کریم کی آیت استخلاف میں محمدی خلفاء کو لفظ منکم میں امت محمدیہ کے افراد قرار دیا گیا ہے۔اسی طرح حدیث کیف انتم الخ میں امامکم منکم کے الفاظ فرماکر مسیح محمدی کے نزول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اور اس غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے کہ آنے والا ابن مریم مسیح اسرائیلی ہوگا۔

پھر صحیح بخاری میں دو مسیحیوں کے مختلف حلئے اسی غرض کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔تاکہ مسیح اسرائیلی اور مسیح محمدی میں امتیاز ہوسکے۔ماہران فن انگوٹھے کی باریک لکیروں سے جو بالکل مشابہ ہوتی ہیں۔مختلف افراد میں امتیاز کرلیتے ہیں۔تو کیا دونوں مسیحوں کے رنگ اور حلیہ میں جو نمایاں فرق حدیث مذکورہ میں ہے اس سے کسی قسم کا اشتباہ باقی رہ سکتا ہے؟

جب میں نے یہ بات وضاحت سے پیش کی تو مولوی صاحب کہنے لگے کہ ابن مریم تو کنیت ہے۔اور کنیت قابل تاویل نہیں ہوتی اور حدیث میں نزول کا لفظ بھی

ہے جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ابن مریم آسمان پر ہیں اور وہاں سے ہی نازل ہونگے۔ میں نے کہا اول تو حضرت مسیح اسرائیلی کی وفات ثابت ہوجانے کے بعد نزول کا لفظ ان کے متعلق قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ آنے والے مسیح موعود کے متعلق ہے۔ جو پہلے مسیح کی مماثلت میں امت محمدیہ میں آنے والا ہے۔ اور دوسرے یہ بات کہ کیفیت قابل تاویل نہیں ہوتی۔ یہ بھی درست نہیں۔ کیا قرآن کریم میں ابن اللہ۔ ابن السبیل اور ابولہب کے الفاظ جو بطور کنیت کے استعمال ہوتے ہیں۔ ظاہری صورت پر محمول کئے جاسکتے ہیں۔ اور کیا ان کی تاویل نہیں کی جاتی اور حدیث بخاری ہیں ابوسفیان اور ہرقل شہنشاہ روم کا جو مکالمہ آنحضرت ﷺ کے متعلق اَمِرَ اَمْرُ ابن ابی کبشۃ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اور آپ کی کنیت ابن ابی کبشہ بتائی ہے۔ اور ابن ابی کبشہ اور ابی کبشہ دونوں کنیتیں قابل تاویل ہیں۔ پھر حدیث میں آتا ہے۔ کہ حضرت ابوہریرہ نے کہا۔ کہ انکم یا بنی ماء السماء یعنی حضرت ہاجرہ تمہاری ماں تھی۔ اے آسمان کے پانی کے بیٹو۔ پس عربوں کو بنی ماء السماء کی کنیت سے پکارنا ظاہری معنوں میں بلکہ اس لئے ہے کہ عرب میں پانی کی قلت کی وجہ سے جہاں کہیں آسمانی پانی برستا عرب لوگ وہیں ڈیرے ڈال دیتے۔ اور پانی ان کی زندگی اور پرورش کا باعث بنتا۔ اس لئے ان کو آسمانی پانی کے بیٹے کہا۔ خود ابوھریرہ بھی کنیت ہے۔ جو آنحضرت ﷺ نے رکھی اور یہ بھی تاویل کے قابل ہے۔

لفظ نزول جو حدیث میں وارد ہے۔ جس کا مصدر نزل ہے۔ اور اسی سے نزیل مشتق ہے جس کے معنے مسافر کے ہیں۔ اس تعلق میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وانزلنا الحدید (سورہ حدید) یعنی ہم نے لوہا نازل کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انزلنا علیکم لباساً یواری سوآتکم (اعراف) یعنی ہم نے لباس اتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانپتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان من شئٍ الا عندنا خزائنہ ومانُنزلہ الا بقدرٍ معلوم یعنی کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہیں۔ لیکن ہم اس کو معلوم اندازے سے اتارتے ہیں اس طرح آیت وانزل معھم الکتاب کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ کتابوں کے ساتھ نبیوں کا بھی نزول ہوتا ہے۔ کیا تمام نبی آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ اور دنیا کی ہر چیز آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اور پھر کیا لوہا اور لباس آسمان پر رہتے ہیں اور وہاں سے نازل ہوتے ہیں۔ میری ان تشریحات کو سن کر سب حاضرین نے میرے ساتھ اتفاق کیا اور غیر احمدی مولوی صاحب بالکل خاموش ہوگئے"۔



غزل

محمد علی مظہر عارفی



شور ہونے لگا پتنگوں میں
روشنی بٹ گئی ہے رنگوں میں

کیسے کیسے جوان مارے گئے
حرف و صوت و صدا کی جنگوں میں

اس میں کچھ آنکھ کا قصور نہیں
رنگ ہی مل گئے ہیں رنگوں میں

رات جب روشنی قریب آئی
فاصلے بڑھ گئے پتنگوں میں

آن کو ایفائے عہد کا ہے خیال
ہے شرافت ابھی لفنگوں میں

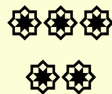
آنکھ لڑتی، زباں جھگڑتی ہے
زندگی گھر گئی تلنگوں میں

کیا ملا تھا معاوضہ اے دل !
تو بھی زخمی ہوا تھا جنگوں میں

آندھیاں بھی نہ ان کو کھول سکیں
ایسی گرہیں پڑیں پتنگوں میں

کاش اپنا شمار ہو جائے
تیری درگاہ کے ملنگوں میں

ان کو ڈر ہے کہ اب کے مظہرؔ بھی
گھر نہ جائے کہیں اُمنگوں میں





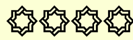
اس دور کا مسلمان

عاصی صحرائی

خاکسار سیدھا سادہ مسلمان ہے کسی فرقہ کی نمائندگی نہیں کرتا اور نہ کسی کے خلاف بغض وعناد رکھتا ہے جو شخص بھی اس مضمون کو پڑھے صرف جائزہ لے، کہ سچائی کیا ہے اور ہم کس حد تک حب الوطن ہیں۔عرصہ دراز سے ہمارے لوگ غیر ملکی ایجنڈے پر عامل ہیں۔ نامعلوم قوتوں سے روپیہ لے کر اپنے ملک میں دہشت گردی میں مبتلا ہیں۔اب تو پاکستانی طالبان کا نام بھی منظر عام پر آچکا ہے۔ اس ملک کی تربیت کرنے والی جماعتوں نے آخر اپنا رنگ ساری قوم کو چڑھا ہی دیا۔عرصہ 70 سال میں آخر ہر ایک مومن کے خون میں اپنی نیتوں کے مطابق اپنا اور اسلام آباد کا تشخص خوب کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ مادر پدر آزاد اور بے لگام معاشرے کی بنیاد ان فرقہ پرست مذہبی اجارہ داروں نے روز اوّل سے پاکستان میں رکھ دی تھی ۔ ہر ایک فرقہ نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر اپنی شکم پُری کے کارخانے بنائے ۔اور اس دوزخ کو بھرنے کے لئے اقتداری محلوں سے نام نہاد محبت کی پینگیں بڑھائیں ۔ضیاع الحق کے دور میں تو ہیروئن اور کلاشنکوف نے ان کے سٹیٹس تبدیل کر دیئے ۔جب انکل سام اور سعودی آقا کے فتویٰ کی آڑ میں جہادِ افغانستان کا ڈھونگ رچایا گیا تو مُلاں کا سٹیٹس ہی تبدیل ہو گیا۔فرقہ پرستی کو خوب ہوا ملی ۔روپے کے زور پر وہابی ازم کی پرورش کما حقہ ہوئی ،شیعہ افراد کو مساجد اور مدرسوں میں قتل کیا گیا احمدی افراد کو غیر مسلم قرار دے کر ان پر اسلام کے نام لینے پر پابندی لگائی گئی سارے شکلِ مومناں کی آڑ میں کرتوتِ کافراں کا سماں باندھنے لگے۔سیاسی اداکاروں نے ہر قسم کی بدکرداری کو فروغ دینے میں اپنا بھیانک کردار ادا کیا انصاف کا گلا گھونٹا گیا اور اس طرح ہر قسم کے بدقماش سرکردہ افراد نے اس معاشرے کی تربیت اس رنگ میں کی کہ آج آپ کو پاکستانی معاشرے میں کوئی دیانتدار نہیں ملتا۔علماء تو اپنی غربت اور بدکرداری کے پیش نظر گاؤں کے نمبردار کو(جھوٹا اور ظالم ہونے کے باوجود) جھوٹا یا ظالم نہیں کہہ سکتے ۔صرف یہ بتا کر اپنی روزی پوری کرتے رہے کہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے ۔لیڈر حضرات نے اپنی سیاسی دکان چمکانے کی خاطر، سستی شہرت پانے کی خاطر، عوام کو اسلامی راستہ دکھایا ہی نہیں ۔نیک اور متقی لوگوں کی کمی بھی ہے اور نیک لوگوں کی تو ان کی اولاد نہیں سنتی ۔ایک طرف سیرۃ النبی کا جلسہ ہو اور دوسری طرف کوئی سٹیج ڈرامہ گاؤں یا شہر میں آجائے تو آپ اس کی حاضری سے اس قوم کے نیک ہونے کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔اب 70 سالوں کی منفی کوششوں سے یہ کینسر قوم کے سارے جسم میں سرایت کر چکا ہے۔اب اس کا کوئی علاج نہیں چہ جائیکہ کوئی نئی قوم کو جنم دیا جائے یا کوئی قوم امپورٹ کی جائے ۔ یا نصف صدی انتظار کیا جائے اگر کوئی فرقہ میری اس بات سے اتفاق نہیں کرتا تو وہ اپنی 70 سالہ کارکردگی دکھائے کہ وہ دیانتدار لوگ یا مومن لوگ کتنے فیصد پیدا کر سکی ۔کیا ان کے تربیت یافتہ لوگ معاشرے میں نمایاں ہیں سچے اور دیانتدار ہیں حقوق العباد کا ان کو کوئی پتہ ہے۔ مگر جب ہم سارے معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو دو چار فیصد سے زیادہ لوگ معیاری نہیں ملتے ۔مگر ان سب کو کسی ایک جماعت یا فرقے سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔مگر ان لوگوں کو جب کوئی بڑی ذمہ داری دی جاتی ہے تو یہ لوگ بڑے اور بُرے لوگوں کے خود ساختہ معیار اپنا کر اپنے کردار کی نفی بھی کر دیتے ہیں۔آج کا مسلمان تعلیم انگلینڈ میں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ملازمت امریکہ میں، رہائش کنیڈا میں چاہتا ہے بات انگریزی میں کرنا ،کھانا چائینیز رائس، پیزا اٹالین،رشین سلاد،مصنوعات جاپانی استعمال کرنا چاہتا ہے ۔ چھٹیاں یورپ میں گزارنا چاہتا ہے فلمیں ہالی وُڈ کی دیکھنا چاہتا ہے۔گانے بالی وُڈ کے سننا چاہتا ہے لیکن زندگی کے اختتام پر مکہ میں مرنا اور دفن ہونا مدینہ میں پسند کرتا ہے اور موت کے بعد جنت میں جانا پسند کرتا ہے۔ جہاد کا متمنی ہے مگر نماز سے گریزاں ہے مذہبی لیڈروں سے محبت کرتا ہے مگر ووٹ لبرل لیڈر کو دیتا ہے۔شراب کو سوسائٹی کا فیشن سمجھتا ہے۔ گرل فرینڈ بھی اس کی کمزوری ہے۔سود لیتا ہے اور سور کھاتا ہے۔اور زکوٰۃ بھی شیر مادر کی طرح ہڑپ کر جاتا ہے۔متعہ کے بہانے کئی بیویاں کرتا ہے۔حج اور عمرہ دکھاوے کے لئے کرتا ہے اور حج سکینڈل میں داڑھی رکھ کر خوب روپے بناتا ہے۔برطانیہ میں gay merriage کا قانون پاس ہو تو برطانوی ممبر پارلیمنٹ ہوتے ہوئے اس کی حمایت کرتا ہے۔امریکہ اس کا باپ ہے برطانیہ اس کی ماں۔دنیا میں سب سے بڑا عیاش اور جواباز سعودی عرب کا مسلمان ہے۔قذافی کی طرح کئی ٹن کے زیورات کا مالک ہے ۔ یاسر عرفات کی طرح کئی خفیہ ایجنسیوں کا ایجنٹ ہے۔زرداری کی طرح زمین، زن اور زر پرست ہے۔مسٹر ڈیزل کی طرح ہر حکومت کا دوست ہے ۔ ہر مولوی کی طرح صرف خود کو مسلمان سمجھتا ہے اور باقی سب کو کافر۔انگریز کو پکا کافر خیال کرتا ہے مگر بے عمل خود اس

سے بھی بڑھ کر ہے۔ رزق حرام اس کی خوراک ہے۔ ناجائز طریقے سے کمائی اس کا شعار ہے۔ غرضیکہ شیطان کا سارا محکمانہ کام اس نے سنبھال رکھا ہے۔

آج کا مسلمان بہت سیدھا سادہ ہے سب کچھ دیکھتا، سنتا، سمجھتا اور محسوس کرتا ہے مگر کچھ کرنے کی حیثیت میں نہیں رہا۔ ذہنی اور جسمانی طور پر معذور ہو چکا ہے حتیٰ کہ اپنے بنیادی حقوق کے لئے لڑنے سے بھی محروم ہو چکا ہے۔ امریکن جاسوس ریمنڈ ڈیوس کی خبر پڑھ کر پرانے زخم ہرے ہو گئے۔ یتیم ریاست کی بے بسی پر رحم آتا ہے۔ جس شخص کو اپنے ملک میں دو ٹکے کی عزت نہیں اس نے بھی پاکستان کو آگے لگا رکھا تھا۔ یتیم ریاست کی آبرو کو پیروں تلے روندتا ہوا پاک فوج اور حکومت کے کندھوں پر سوار تھا۔ پاکستان میں دو افراد کا مبینہ قاتل امریکن جاسوس ریمنڈ ڈیوس کو اس کو اپنے ملک کی عدالت نے ایک امریکی پر تشدد کے الزام میں دو سال کی قید سنادی ہے۔ امریکن جاسوس ریمنڈ ڈیوس نے پاکستان سے واپسی پر 2011ء میں امریکہ کے ایک شاپنگ مال میں ایک امریکی کو معمولی تنازعہ کی بنا پر تشدد کا نشانہ بنایا جس پر اسے گرفتار کر لیا گیا تھا عدالت نے امریکن جاسوس ریمنڈ ڈیوس دو سال کی سزا اور غصہ پر قابو پانے کی خصوصی کلاسز کا حکم سنایا ہے۔ امریکن جاسوس ریمنڈ ڈیوس کو امریکہ میں کوئی نہیں جانتا مگر اس جاسوس کو پورا پاکستان جانتا ہے پاکستان میں تعینات اس جاسوس نے لاہور کی ایک معروف شاہراہ پر دو موٹر سواروں پر فائرنگ کر کے بے دردی سے قتل کر دیا اور تیسرے نوجوان کو اپنے گاڑی تلے روند ڈالا۔ مبینہ قتل کے بعد بڑی ڈھٹائی سے فرار ہوا میڈیا نے معاملہ اُٹھایا تو اسے گرفتار کرنا پڑا اور پھر جو ہوا وہ پاکستان کی تاریخ کا شرمناک باب بن گیا۔ امریکہ کے ایک معمولی اہلکار ریمنڈ ڈیوس کی امریکہ میں گرفتاری اور سزا کی خبر پاکستانی اخبارات سے ملی جبکہ امریکہ میں اس شخص کی حیثیت ایک عام شہری سے زیادہ نہیں جب یہ شخص پاکستان میں تھا تو اس شخص کی رہائی کے لئے امریکہ کے صدر نے استثنٰی کا حکم صادر فرمایا تھا۔ ریمنڈ ڈیوس پاکستان میں ''امریکی چودھراہٹ'' کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ امریکہ کا ایک کمین بھی پاکستان میں چودھری ہوتا ہے اور پاکستان کے سچے چودھری امریکہ میں کمین ہوتے ہیں۔ امریکن جاسوس ریمنڈ ڈیوس کی رہائی کے لئے نام نہاد اسلامی شق کا سہارا لیا گیا۔ اسلام میں دی گئی خون بہا کی شرعی سہولت کو تسلیم کر کے امریکہ کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا کاغذی ثبوت دیا۔ پاکستان کے حکمرانوں کا اسلام بھی مفاد پرستی تک محدود ہے۔ ایک امریکی نے کہا تھا کہ پاکستانی ڈالروں کی خاطر اپنی ماں کا سودا بھی کر سکتے ہیں پاکستان میں اب وہ کچھ ہوتا ہے جسے قیامت کی علامات کہا جاتا تھا اس ظالم دور میں والدین پیسوں کی خاطر اپنے بچوں کو بیچ سکتے ہیں۔ تو بچوں کا خون بہا کیوں نہیں لے سکتے۔؟ امریکہ کا پاک فوج پر دباؤ تھا حکومت پاکستان کے تعاون سے ریمنڈ ڈیوس کو رہا کرا لیا گیا۔ اس کے عوض پاکستان کو خون بہا بھی ادا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے عوض مزید خون کی ندیاں بہادی گئیں۔ ریمنڈ ڈیوس کا طیارہ فضا میں پرواز کرتے ہی امریکہ نے شمالی وزیرستان پر حملہ کر دیا۔ ریمنڈ ڈیوس جیسا کمین بھی پاکستان میں چودھری ہوتا ہے۔ جبکہ پاکستان حکومت اپنے لوگوں سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتی ہے۔ جاپان میں دو امریکی فوجیوں کو ایک جاپانی عورت کے ساتھ زیادتی کے جرم میں دس سال کی سزا سنادی گئی پاکستان میں ایک امریکی اہلکار بے گناہوں کو مبینہ قتل بھی کر دے تو اسے پروٹوکول کے ساتھ رہا کر دیا جاتا ہے پاکستان کے ایک نجی چینل کے ایک اینکر صاحب فرما رہے تھے کہ پاکستان کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کس بنیاد پر کہا جاتا ہے جبکہ نہ وہ اسلام رہا اور نہ پہلے جیسے مسلمان رہے غلاموں کو خریدنے اور آزاد کرنے کا اسلام اب نہیں رہا وغیرہ۔ انہیں کوئی بتائے کہ جو خود غلام ہو وہ غلام خود کیونکر خرید سکتا ہے؟ جو مسلمان غلام خریدا کرتے تھے وہ آزاد مسلمان تھے دورِ حاضر کا مسلمان خواہ وہ بادشاہ بن جائے نفسیاتی غلام ہے یتیم ریاست پاکستان میں ہر دوسرا شخص کسی نہ کسی صورت میں غلامی میں جکڑا ہوا ہے۔ پاکستان آج جس شرمناک اور المناک صورت حال سے دوچار ہے اس کی وجہ ہماری غلامانہ ذہنیت ہے پاکستان کا مسلمان سب کچھ سن، سمجھ، اور دیکھ رہا ہے۔ پاکستان کا مسلمان بہت سادہ اور معصوم ہے۔ قوم کے سامنے ایک دیانتدارانہ نظام رکھا جائے اچھائی اور برائی پر قوانین اور سزائیں مقرر کی جائیں۔ اور ہر آدمی عمل اپنے آپ خود سے عمل شروع ہو۔ قوانین اسلام پر نہ بنیں کیونکہ کون سے اسلام پر قوانین بنیں گے یہ فیصلہ ہی نہیں ہو سکے گا۔ کہ کونسے اسلام کے قوانین پر عمل کیا جائے کیونکہ ہمارے ملک میں اسلام کا تشخص ہر بیس میل کے فاصلے پر مختلف ہو جاتا ہے اور ہر فرقے کا اسلام مختلف ہے۔ صرف جنرل قوانین بنائے جائیں۔



حاصل مطالعہ

اُتھرُ و تارہ ہو سکدا اے ، دُکھ دا چارہ ہو سکدا اے
اِکو واری فرض تے نئیں ناں ، عشق دوبارہ ہو سکدا اے
لکھوں ہولا جان نہ سانوں ، لکھ وی پارا ہو سکدا اے
اجے نہ رشتے توڑ تو سارے ، اجے گزارہ ہو سکدا اے
کدی کدائیں جان دا دشمن ، جان توں پیارا ہو سکدا اے

تحریک آزادی ہند کا مظلوم ترین ہیرو

(تحریر ذوالکفل کا غانی)

مشہور دیوبندی مولوی جناب ابوالحسن ندوی صاحب نے حضرت سید احمدؒ شہید بالاکوٹ کی سوانح عمری پر قلم اُٹھایا اور تمہیدی کلمہ لکھا

''بدقسمتی سے ہندوستان میں اسلام ایران و افغانستان کا چکر کاٹ کر پہنچا اور راستے میں اپنی بہت سی تازگی اور زندگی کھوکر، یہاں کا اسلام سیکنڈ ہینڈ تھا'' اور اس کی ادائیگی کے بعد دو باتیں اور خاص طور پر تحریر کیں۔پہلی تو یہ کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں اللہ تعالیٰ دو شخصوں کو پیدا نہ کرتا اور ان سے اپنے دین کی دستگیری نہ فرماتا تو تیرھویں صدی تک یا تو اسلام ہندوستان سے بالکل فنا ہو جاتا یا اتنا بگڑ جاتا جتنا ہندو مذہب۔ یہ دو بزرگ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہیں۔اور دوسرا امت سے گلہ کیا کہ قوم نے حضرت شاہ ولی اللہ کے جانشین اور آزادی ہند کے ہیرو حضرت سید احمد شہیدؒ کی قدر نہیں کی ان کا رتبہ نہیں پہچانا اور انہیں تاریخ کا مظلوم ترین ہیرو قرار دیا۔

(سیرت سید احمد شہید مصنفہ سید ابوالحسن ندوی از مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو خلاصہ 24 تا 74)

جناب مولانا ابوالحسن ندوی صاحب بصد احترام عرض ہے آپ کا تمہیدی کلمہ بھی اور آپ کی گزارشات بھی اگر تاریخ آزادی برصغیر کے ہیروز سے ناانصافی نہیں تو تاریخ کا نامکمل ایڈیشن ضرور ہیں۔ آپ جو ایک مظلوم ہیرو کے لئے صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں آپ اور آپ کے پورے دیوبندی قبیلے کے ہاتھ ایسے ہی مظلوموں پر کیچڑ اچھالتے ہوتے ہوئے گندگی سے لتھڑے ہوئے ہیں۔ چودھویں صدی میں کھڑے ہو کر تیرھویں صدی کے اسلامی ہیروز کا ذکر کرتے ہوئے چودھویں صدی کے اسلام اور مسلمانوں کی مدافعت کے ''فتح نصیب جرنیل'' اور ان کے خلفاء کو تحریک آزادی کی صف سے منہا کر دینا ایک مؤرخ کے ہرگز شایان شان نہیں ہے۔تاریخ کو نہ بدلا جا سکتا ہے اور نہ ہی چھپایا جا سکتا ہے۔آپ لوگوں کی انہی عادات کا جو گلہ آج ہم کو آپ سے ہے یہی گلہ اہل حدیث علماء کو بھی آپ سے ہے۔کچھ عرصہ قبل جناب الشیخ عبدالمحسن العباد صاحب سابق وائس چانسلر جامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ نے ''علماء نجد پر رفاعی کے اعتراضات کی دینی وشرعی حیثیت'' بیان کرتے ہوئے آپ کے دیوبندی فرقے کے بارے میں گلہ کیا تھا کہ ''دوسرا وہ مکتب فکر جن کے اسلاف نے علمائے نجد وحجاز کو کافر قرار دیا۔''وہابیہ نجدیہ خبیثیہ''،''گمراہ گر''،''باغی''اور فاسق قرار دیا۔ اور فرمایا کہ عبدالوہاب ایک ظالم و باغی وخونخوار فاسق شخص تھا اسی وجہ سے اہل عرب کو اس سے اور اس کی اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے اور اس قدر ہے کہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے، نہ مجوس سے نہ ہنود سے۔اب انہوں نے حالات اور زمانے کی رعائیت کرتے ہوئے اپنا چولا بدل لیا۔ جو کل تک کافر، فاسق۔اور گمراہ تھے اب پٹروڈالر کی'' کرامت '' سے مومنوں کی صف میں شامل ہو گئے۔۔۔جس باپ نے اپنی کتاب میں اس طائفہ وہابیہ کو خبیث قرار دیا، انہی کی اولاد اسی طائفہ ''وہابیہ نجدیہ خبیثیہ'' کی ''عنایات'' کی خاطر ''حرمت حرمین'' کانفرنسیں منعقد کر رہی ہے اور حکومت سعودیہ کو اپنی مکمل حمائیت اور تعاون کا یقین دلا رہی ہے'' (علماء نجد پر رفاعی کے اعتراضات کی دینی حیثیت ص 5و6) چونکہ جماعت احمدیہ کے پاس ایسے لوگوں کو دینے کے لئے پٹرو ڈالر نہیں اس لئے یہ قبیلہ آج بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عاشق صادق ،امام الزمان، مہدی دوراں مسیح پاک علیہ السلام انکے خلفائے عظام اور جماعت پر الزامات کی گندگی اچھال اچھال کر تاریخ کے صفحات کو آلودہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

''قادیانیوں نے تقسیم بھارت کے خلاف ہر لمحہ انگریزوں اور کانگریس کے موقف کی ترجمانی کی''۔

(''قادیانیت ہماری نظر میں'' محمد متین خالد سکالر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت روزنامہ شمال 13 اپریل 94ء قسط 85 ایبٹ اباد)

''مرزائی تقسیم کے مخالف تھے وہ انگریزوں کا جانشین بننا چاہتے تھے جب پاکستان کا دھندلا سا خواب مستقبل میں حقیقت کا روپ دھارتا نظر آیا تو وہ گومگو کی پالیسی میں تھے۔''

(ملت اسلامیہ کے خلاف قادیانی سازشیں صفحہ 8 مصنفہ مولوی منظور احمد چنیوٹی صاحب)

''قادیانی جماعت روز اول سے ہی تحریک آزادی اور آخر میں تحریک پاکستان کی شدید مخالف رہی''۔

(محمد فاروق سکالر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت روزنامہ اوصاف 15 مارچ 1987)

''تحریک آزادی کو روکنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی نے پچاسوں کتابیں لکھیں '' (اداریہ ہفت روزہ ختم نبوت 7 تا 13 اگست 98ء)

تحریک آزادی پاکستان کے ابتدائی مراحل سے لے کر یوم آزادی تک جماعت احمدیہ کی زمام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین

محمود احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھی آپ نے جس بہادری، اولوالعزمی اور بیدار مغزی سے پوری قوم کی سیاسی، اخلاقی، افرادی، مالی اور روحانی راہنمائی کی اس میں سے میں نے صرف تین موقعوں کا انتخاب کیا ہے اور میرا یہ چیلنج ہے کہ جو بھی تاریخ کے ان اہم ترین سنگ میلز پر خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ کے سیاسی تدبر کا مطالعہ کرے گا تاریخ کے اس مظلوم ہیرو کے بارے بے اختیار کہہ اُٹھے گا

اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

کرپس مشن کی ناکامی اور آپ کا انگلستان اور ہندوستان میں صلح کرانے کا مشن

1945 کا سال ہندوستان کے سیاسی مطلع پر ایک نہائیت مایوس کن ماحول میں طلوع ہوا۔ آزادی ہند کے تعلق میں کرپس مشن (1942 جسے مسلم لیگ اور کانگریس دونوں نے مسترد کر دیا تھا) کی ناکامی کے بعد ہندوستان اور انگلستان کے درمیان زبردست تعطل پیدا ہو چکا تھا۔ لارڈ ویول جو کرپس مشن کی آمد کے وقت ہندوستان کی فوجوں کے کمانڈر انچیف تھے اب وائسرائے کے عہدے پر متمکن ہو چکے تھے۔ یہ صاحب ہندوستانی آزادی کے عموماً اور تحریک پاکستان کے خصوصاً بہت مخالف سمجھے جاتے تھے چنانچہ انہوں نے 14 دسمبر 1944 کو بیان دیا کہ ''اگر ہندوستان سیاسی اختلافات کے بخار میں مبتلا رہا تو ہندوستان ایک بہترین موقعہ کھو دے گا (قائداعظم اور ان کا عہد ص 344 مصنفہ رئیس احمد جعفری) جب حالات اس حد تک مایوسی کے اندھیروں میں چھپتے نظر آ رہے تھے آپ نے 12 جنوری 1945 کو مسجد اقصیٰ قادیان کے منبر سے تحریک فرمائی کہ انگلستان اور ہندوستان کو سمجھوتہ کرنا چاہیئے اور آپس میں صلح کرنی چاہیئے۔'' تا کہ یہ ڈیڈ لاک ختم ہو اور قوم کی گاڑی ایک دفعہ پھر سے آزادی کی منزل کی طرف روانہ ہو سکے۔ آپ ایک طرف اس ڈیڈ لاک کو ختم کرانے کے لئے دعاؤں میں لگ گئے تو دوسری طرف لندن میں موجود امام مسجد لندن حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب کو فوری ایکٹو ہونے کی ہدایات فرما دیں چنانچہ امام صاحب نے فوری طور پر اس عظیم تحریک پر مبنی خطبہ کے ضروری ضروری اقتباسات کا انگریزی میں ترجمہ کر کے اسے لندن سے شائع کر دیا اور اگلے چند دنوں میں اسے برطانیہ کے وزراء اور دارالعلوم اور دارالامراء کے 600 ممبران کے علاوہ دیگر عمائدین و اکابر کو بھی پہنچا دیا۔ جس پر سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا۔ ارل لسٹوول پارلیمینٹری انڈر سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا۔ سر جان وارڈ لا ملن رکن پارلیمنٹ۔ لارڈ لنلتھگو سابق گورنر جنرل و وائسرائے ہند جیسے بہت سے مدبرین نے تحریری شکریہ ادا کیا۔ انگلستان کے علاوہ گورنر مشرقی افریقہ سر فلپ مچل کی تحریک پر چودھری محمد شریف صاحب بی اے نے مشرقی افریقہ کے ریڈیو سے حضور کے اس خطبہ کا خلاصہ نشر کیا۔ (الفضل 6 ستمبر 1945)

آپ کے بیان اور دعاؤں سے اللہ کی ایک عجیب شان پیدا ہوئی اور اللہ نے آپ کی اس تحریک کو انگلستان کے معتبر ترین حلقوں تک پہنچانے کا ایک عجیب بندوبست کر دیا۔ وہ اس طرح سے کہ حکومت ہند نے احمدیت کے مایہ ناز سپوت حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کو جو ان دنوں ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے جج تھے کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستان کے سرکاری وفد کے قائد کی حیثیت سے انگلستان بھجوایا۔ 17 فروری 1945 کو چیتھم ہاؤس میں کانفرنس کا افتتاح ہوا جس میں آپ کو خطاب کا موقعہ دیا گیا۔ آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کے خطبہ کے بیان کردہ مطالب کو نہائیت عمدگی سے اپنی زبان میں انگلستان کے اہم ترین فورم پر حکومت کے سامنے رکھ دیا۔ اور ایسے پُرشوکت الفاظ میں بیان فرمایا کہ پوری دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔ چنانچہ انگلستان کے تمام بڑے اخبارات میں سرکردہ لیڈروں نے اس تقریر کے خلاف یا حق میں مضامین لکھے۔ اس طرح سے تھوڑے ہی دنوں میں حضرت مصلح موعود کی آواز ہندوستان سے لے کر امریکہ تک گونجنے لگی۔ یہ اتنی بڑی کامیابی تھی کہ ہندوستان کا سارا مسلم اور غیر مسلم میڈیا خوشی سے جھوم اُٹھا۔ اور تہنیتی پیغامات کی بھرمار بھرمار کر دی۔ چونکہ برطانوی ہند کی تاریخ میں یہ پہلی مثال تھی کہ حکومت کے سربرآوردہ نمائندہ نے ہندوستانیوں کے سیاسی اور ملکی جذبات کی ترجمانی کا فرض اس جرات اور بے باکی سے ادا کیا تھا کہ ملک کے تمام ہندو اور مسلم پریسنے بکثرت تعریفی مضامین لکھے۔ حضرت چودھری صاحب نے واپس آنے سے قبل برطانیہ کے مزید مختلف فورمز پر اسی تقریر کو دہرایا اور اخبارات میں مضامین بھی لکھے۔ آپ کی ان تقاریر کا اثر برطانیہ کے عوامی اور صحافتی حلقوں سے بڑھ کر خود برطانوی حکومت پر ہوا اور فوری طور پر حضرت چوہدری صاحب کی نئی تجویز کے پیش نظر لارڈ ویول وائسرائے ہند کو انتقال اقتدار کا نیا فارمولہ تجویز کرنے اور ہندوستان کو مصالحت کی پیشکش کرنے کے لئے لندن طلب کر لیا گیا۔

تحریک آزادی ہند کا یہ مشکل ترین لمحہ آپ کی دعاؤں اور حکمت عملی سے طے ہوا۔ سرد مہری کی برف پگھل گئی اور کرپس مشن کی ناکامی کے بعد سے رکی ہوئی گاڑی ایک دفعہ پھر سے ٹریک پر چڑھ گئی۔ وائسرائے کو انڈیا سے برطانیہ بلا لیا گیا اور کچھ ہی عرصہ بعد ملک آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہو گیا۔ آپ کی یہ خدمت برصغیر کی آنے والی نسلوں کو یقیناً آپ کا احسان مند رکھے گی۔

ویول سکیم۔ شملہ کانفرنس اور حضرت مصلح موعودؓ کا مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائیدہ ثابت کرنے کے لئے پورا زور لارڈ ویول وائسرائے ہند برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چرچل اور کابینہ کے ارکان سے مشورہ کے لئے تقریباً 10 ہفتے انگلستان میں رہے۔ اور 5 جون 1945 کو واپس ہندوستان پہنچے اور آپ نے 14 جون 1945 کو شام آٹھ بجے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن سے تقریر کی اور تجاویز پیش کیں جو وہ انگلستان سے اس تعطل کو دور کرنے کے لئے لے کر آئے تھے۔ اور ساتھ ہی 24 جون سے تمام سربرآوردہ لیڈروں کو شملہ میں میٹنگ کے لئے طلب کر لیا۔

آپ نے 24 جون سے شملہ میں شروع ہونے والی اس کانفرنس سے 2 دن قبل 22 جون 1945 کو قادیان میں خطبہ جمعہ کے ذریعہ تعطل کے بعد سے دوبارہ شروع ہونے والے اس ماحول کی افادیت، نزاکت، خطرے اور حکمت عملی پر مبنی ایک تفصیلی راہنمائی بیان کی۔ اس پورے خطبہ کو اگلے ہی دن الفضل میں شائع کر دیا گیا۔ اور ساتھ ہی اس کا انگلش ترجمہ کر کے بھی چھاپ دیا گیا۔ اس انگلش ترجمہ کے ساتھ الفضل کے نمائیندہ خصوصی شیخ رحمت اللہ صاحب شملہ پہنچ گئے اور اس پیغام کو مولانا ابوالکلام آزاد صدر آل انڈیا کانگریس، قائداعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ۔ مسٹر گاندھی۔ ڈاکٹر خاں صاحب، مسٹر امام حسین، میاں افتخار الدین، پنڈت گوبند ولبھ نیت، سری کرشن شہا اور دوسرے بہت سے سیاسی لیڈروں تک پہنچا دیا۔

حضور کے اسی خطبہ کا ذکر کرتے ہوئے مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب نے لکھا تھا کہ اب خلیفہ قادیان کا مسلک بھی سننے کا قابل ہے۔۔ خلیفہ قادیان نے حکومت کی جدید سکیم کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے خطبہ جمعہ میں ہندوستانیوں کی ذلت کا ذکر کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے وہ پڑھنے اور سننے کے قابل ہے آپ نے لیڈروں کو اتفاق کر کے کام کرنے کا مشورہ دیا ہے اور کہا ہے (آگے اقتباس ہے) یہ الفاظ کس جرات اور حیرت کا ثبوت دے رہے ہیں۔۔ چالیس کروڑ ہندوستانیوں کو غلامی سے آزاد کرانے کا ولولہ جس قدر خلیفہ جی کی اس تقریر میں پایا جاتا ہے وہ گاندھی جی کی تقریر میں بھی نہیں ملے گا (اخبار اہل حدیث امرتسر 6 جولائی 1945)

ان سیاسی لیڈروں کی کانفرنس 24 جون سے 14 جولائی 1945 تک جاری رہی۔ مذاکرات کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح کانگریس لیڈر مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر کے کوئی آبرو مندانہ سمجھوتہ کر لیں اور قومی حکومت قائم ہو جائے۔ مگر کانگریس اس پر آمادہ نہ ہوئی بلکہ اس نے مسلم لیگ کے اس موقف کو سبوتاژ کرنے کے لئے اور ان کی نمائندہ حیثیت کو چیلنج کرنے کے لئے دہلی میں نیشنلسٹ مسلمانوں کی ایک کانفرنس کا انتظام کیا جس میں جمیعۃ العلماء۔۔ مسلم مجلس۔۔۔ مومن کانفرنس۔۔۔ آزاد پارٹی۔۔۔ اور انجمن وطن بلوچستان کے نمائیندوں سے ایک قرارداد منظور کروائی کہ مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی نمائیندہ نہیں۔ (قائداعظم اور دستور ساز اسمبلی مصنفہ محمد اشرف خان مدیر معاون زمیندار ص 152)

اُدھر کانگریس نے نیشنلسٹ مسلمانوں کو عبوری حکومت میں لئے جانے پر بہت زور دینا شروع کر دیا۔ اور اپنا نقطعہ یہ پیش کئے رکھا کہ اگر 5 مسلمان ممبران کونسل ہوں تو ان میں سے 2 غیر لیگی قوم پرست (کانگریسی یا کانگریس نواز) مسلمان ضرور ہونے چاہیئں۔

کانگریس کے علاوہ خود لارڈ ویول نے بھی اصرار کیا کہ مسلم لیگ کو پنجاب کے مسلمانوں کے نمائیندہ کے طور پر ملک خضر حیات کا ایک آدمی ضرور لینا چاہیئے۔ مگر یہ امر چونکہ مسلم لیگ کی جڑ پر کلہاڑا چلانے اور اسے خود قبر میں اتارنے کے مترادف تھا لہذا قائداعظم نے ایگزیکٹو کونسل کے لئے اپنے امیدواروں کی فہرست وائسرائے کو دینے سے انکار کر دیا اور مطالبہ کیا کہ یا تو مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائیندہ جماعت تسلیم کیا جائے یا ملک میں انتخاب کروا کر مسلم لیگ کی نمائیندی حیثیت کا فیصلہ کر لیا جائے۔

مجبوراً وائسرائے لارڈ ویول نے برطانوی حکومت سے مشورہ کے بعد 19 ستمبر 1945 کو مرکزی اور صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ قائد اعظم اس وقت کوئٹہ میں تھے آپ نے فوری پریس کانفرنس کرتے ہوئے فرمایا'' ہمارے پیش نظر اہم مسئلہ آئیندہ انتخابات کا ہے ہم رائے دہندگان کی اس امر کے بارے میں رائے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ پاکستان چاہتے ہیں یا ہندو راج کے ماتحت رہنا چاہتے ہیں'' اور پھر کانگریس نواز مسلمانوں کا بڑے دکھ سے ذکر کرتے ہوئے فرمایا'' مجھے افسوس ہے کہ وہ مسلمان ہمارے ساتھ نہیں بلکہ ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہیں یہ مسلمان ہمارے خلاف مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے کام میں بطور کارندے استعمال کئے جا رہے ہیں۔۔۔ صرف یہ شکل وصورت کے اعتبار سے ہی مسلمان ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ کانگریس کے پاس دولت کے وسیع خزانے ہیں۔۔ مگر حق ہمارے ساتھ ہے۔۔ اور ہم انشاءاللہ کامیاب ہونگے'' (اخبار انقلاب لاہور 20 اکتوبر 1945) قائداعظم نے مسلمانان ہند سے انتخابات میں مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کی جو تحریک ہمیں کی اس کی تائید میں سب سے پہلی اور پرزور اور ملک گیر آواز قادیان سے بلند ہوئی۔ چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ نے اگلے ہی دن یعنی 21 اکتوبر 1945 کو'' آئندہ الیکشنوں کے متعلق جماعت احمدیہ کی پالیسی'' کے عنوان پر ایک مفصل مضمون لکھا جو الفضل کی 22 اکتوبر کی اشاعت میں شائع ہو کر پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔

انہیں دنوں ایک احمدی دوست محمد سرور صاحب نے حضرت مصلح موعودؓ کو ایک خط لکھا اور الیکشنز میں راہنمائی کی درخواست کی۔ جواب میں حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا کہ مسلم لیگ کی ہر ممکن طریق سے بھرپور مدد کریں۔ جناب ناظر امور عامہ قادیان نے یہ خط اور اس کا جواب قائداعظم کی خدمت میں بھجوا دیا۔ آپ نے اس خط کو اہمیت دیتے ہوئے مسلم لیگی اخبار ڈان میں اشاعت کے لئے بھجوا دیا چنانچہ 8 اکتوبر 1945 کی اشاعت میں فرنٹ پیج پر بعنوان'' جماعت احمدیہ مسلم لیگ کی حمائیت کرے گی'' اس خبر کو دیکھا جا سکتا ہے۔

اسی طرح بنگال، یوپی، بہار، سی پی، اور بمبئی میں جہاں جمیعۃ العلماء کا بہت زور تھا اور ان کی وجہ سے مسلمان کانگریس کو ووٹ دینے جا رہے تھے آپ نے ضلع بجنور کے احمدیوں کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ جس جس پر اثر ڈال سکتے ہیں ان سے مسلم لیگ کو

ووٹ ڈلوائیں۔اپنا ووٹ بھی لیگ کو دیں اور لیگ کی ہر طرح سے مدد کریں۔ (الفضل 27فروری1946)صوبہ سرحد یہاں سرحدی گاندھی کے اثر سے مسلمان کانگریس کو ووٹ دینے والے تھے سرحد کے احمدیوں کو خاص تحریک کی کہ مسلم لیگ کے لئے پورا زور لگائیں (الفضل یک فروری1946)

چنانچہ انتخابات ہوئے اور مرکزی اسمبلی میں مسلم نشستیں 30 تھیں مسلم لیگ نے ہر نشست کے لئے امیدوار کھڑے کئے تھے اور سب نشستوں پر قبضہ کرلیا۔احمدیوں نے حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد کی تعمیل میں آسام۔سندھ۔یوپی۔بہار۔سی پی۔بہار۔مدراس۔اُڑیسہ۔اور بمبئی میں سب مسلم لیگی اُمیدواروں کی حمائیت کی۔اور پنجاب کے 33 حلقوں میں مسلم لیگ کے حق میں ووٹ ڈالا اور ان حلقوں میں 32 امیدوار کامیاب ہوئے۔اسی طرح حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب جب مسلم لیگ کی ٹکٹ حاصل کرنے میں ناکام رہے تو آزاد کھڑے ہوگئے اور بھاری ووٹوں سے انتخاب جیت گئے۔الیکشن جیتتے ہی حضرت مصلح موعودؓ کے حکم پر اسمبلی کا ممبر منتخب ہوتے ہی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔اور یوں حضرت مصلح موعودؓ کی اولوالعزم راہنمائی نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد جماعت کے ٹائیٹل سے نوازنے میں بنیادی رول ادا کیا۔

جس وقت جماعت حضرت مصلح موعود کی قیادت میں مسلم لیگ کو مسلمانوں کا واحد نمائیندہ ثابت کرنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے عین اسی وقت بقول قائداعظم محمد علی جناح ”مجھے افسوس ہے کہ وہ مسلمان ہمارے ساتھ نہیں بلکہ ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہیں یہ مسلمان ہمارے خلاف مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے کام میں بطور کارندے استعمال کئے جارہے ہیں“جمیعتہ العلماء ہند،مجلس احرار، جماعت اسلامی ،خاکسار پارٹی ،آل انڈیا شیعہ کانفرنس ،آل انڈیا مومنون کانفرنس،مولانا داود غزنوی گروپ(اہل حدیث)صحیفہ اہل حدیث گروپ ،نیشنل عوامی پارٹی مندرجہ بالا پارٹیاں کانگریس کی گود میں اس کے”خزانوں“ سے جھولیاں بھر رہیں تھیں اور تاریخ آزادی پاکستان کے اس عظیم ہیرو کی یہ عجیب مظلومیت ہے کہ آج اسی جمیعتہ العلماء اور احرار کے مورخین پاکستانی بچوں کو بتا رہے ہیں کہ

”قادیانیوں نے تقسیم بھارت کے خلاف ہر لمحہ انگریزوں اور کانگریس کے موقف کی ترجمانی کی“۔

(”قادیانیت ہماری نظر میں“ محمد متین خالد سکالر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت روزنامہ شمال 13اپریل94ءقسط85 ایبٹ اباد)

”قادیانی جماعت روز اول سے ہی تحریک آزادی اور آخر میں تحریک پاکستان کی شدید مخالف رہی“۔

(محمد فاروق سکالر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت روزنامہ اوصاف 15 مارچ 1987ء)

”تحریک پاکستان میں ڈیڈلاک پیدا کرنے کے لئے ظفر اللہ خاں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ان کی بھرپور کوشش تھی کہ پاکستان معرض وجود میں نہ آئے۔جس کے لیے انہوں نے 1944ء میں ایک پمفلٹ بھی تحریر کیا جس کا نام”دی ہیڈ آف دی احمدیہ موومنٹ“تھا۔اس میں ظفر اللہ نے مرزا بشیر الدین محمود کے نظریات کی ترجمانی کرتے ہوئے اور اپنے خبیث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا کہ”ہم پاکستان جیسی علاقائی تحریک کے مخالف ہیں“اس پمفلٹ کو وسیع پیمانے پر ہندوستان میں پھیلایا گیا۔مذکورہ بالا عبارت سے سرظفراللہ۔کے پاکستان دشمن خیالات پر غور فرمایئے“۔

(روزنامہ اوصاف 15مارچ98ءکیا ظفراللہ خاں تحریک پاکستان میں شامل تھے)

فیض صاحب نے تاریخ کے ایسے ہی مظلوم ہیروز کا کتنا خوبصورت نوحہ لکھتے ہوئے فرمایا تھا

ہر دور میں سر ہوتے ہیں قصرِ جسم و دارا
ہر عہد میں دیوار ستم ہوتی ہے تسخیر
ہر عہد میں ملعون شقاوت ہے شمر کی
ہر عہد میں مسعود ہے قربانی شبیر

پارلیمنٹری مشن کی بدعہدی ،مسلم لیگ کا بائیکاٹ اور حضرت مصلح موعودؓ کی کوششوں سے آبرومندانہ طور پر عبوری حکومت میں شمولیت انتخاب ختم ہوتے ہی وزیراعظم مسٹر ایٹلی نے لارڈ پینتھک لارنس (وزیر ہند) سرسٹیفورڈ کرپس (لارڈ پریوی سیل) اور الیگزینڈر (وزیر بحر) پر مشتمل وزارتی مشن ہندوستان بھیجا۔یہ وفد 25مارچ1946 کو دہلی پہنچا اور مذاکرات شروع کئے۔پارلیمنٹری مشن،مسلم لیگ اور کانگریس کی باہمی بحث وتمحیص تقریباً2ماہ جاری رہی مگر مفاہمت نہ ہوسکی۔جس پر پارلیمینٹری مشن نے وائسرائے سے مشورہ کے بعد 16 جون 1946 کو ملک میں عارضی حکومت قائم کرنے کا اعلان کردیا۔بعد میں یہ پارلیمینٹری بورڈ کانگریس کی طرف داری کرتے ہوئے مسلم لیگ کے ساتھ بدعہدی کا مرتکب ہوگیا۔جس پر مسلم لیگ نے بطور احتجاج اپنی قرارداد رضامندی منسوخ کردی اور عبوری حکومت میں شمولیت کے بائیکاٹ کا اعلان کردیا۔وائسرائے ہند جو اسی موقعہ کی تاک میں تھے،نے کانگریس سے گٹھ جوڑ کرکے بالاخر صدر آل انڈیا کانگریس پنڈت جواہر لال نہرو کو عبوری حکومت کی تشکیل کی دعوت دے دی جو پنڈت صاحب نے فوری قبول کرلی۔اور ساتھ ہی اعلان پر اعلان شروع کردیئے کہ جو ہمارے ساتھ شرکت نہ کرنا چاہے اُسے مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ہم اُس کا انتظار کرسکتے ہیں۔اور پھر 2 ستمبر 1946 کو عبوری حکومت کا چارج بھی لے لیا۔

تن تنہا عبوری حکومت ملنے سے کانگریس کی دلی مراد برآئی۔مسلمانوں کے قومی جسم میں خنجر گھونپ دیا گیا تھا۔ان کے ساتھ بدعہدی اور فریب کیا گیا تھا۔مسلم لیگ نے ملک گیر احتجاج کرنے کی کال دے دی۔یکم ستمبر کو یوم سیاہ منایا اور ساتھ ہی

کلکتہ،اور پھر بمبئی میں ہولناک فسادات پھوٹ پڑے ۔مسلم لیگ نے احتجاجی مظاہروں کے ساتھ ڈائریکٹ ایکشن کا بھی فیصلہ کرلیا۔اور یوں ایک جیتی ہوئی جنگ پلٹہ کھاتے ہوئے نظر آنے لگی

حضرت مصلح موعودؓ نے اس موقعہ پر بھی قومی مفاد کے پیش نظر قوم کی مدد کا بیڑا اُٹھایا اور فوری طور پر سابق مبلغ جاپان مکرم صوفی عبد القدیر صاحب نیاز کو دہلی بھیجا جہاں پر سربراہان مسلم لیگ کا اجلاس ہونے والا تھا۔اُنہوں نے لیاقت علی خان سے ملاقات کی اور حضور انور کی ہدایات اور پیغام اُن کے گوش گزار کیا۔اس کے علاوہ خواجہ ناظم الدین ۔سردار عبدالرب نشتر اور نواب اسماعیل خان صاحب میرٹھی سے بھی ملاقات کی اور پیغام پہنچایا۔

مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ بظاہر شکست میں بدلتی نظر آرہی تھی۔مسلم لیگ کے آبرومندانہ طور پر عبوری حکومت میں داخلے کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔چنانچہ ان مایوس کن حالات میں اک دفعہ پھر سے حضرت مصلح موعودؓ دعائیں کرتے ہوئے ایک بڑے وفد کے ساتھ دلی وارد ہوئے اور تین ہفتوں تک قیام کیا۔آپ نے دلی پہنچتے ہی مشہور سیاسی لیڈران سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ 24 ستمبر کو قائد اعظم 27 ستمبر کو مسٹر گاندھی اور 3 اکتوبر کو مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات کی۔ ازاں بعد حضور کی ملاقات نواب صاحب بھوپال چانسلر و چیمبر آف پرنسز سے ہوئی۔ جنہوں نے مسلم لیگ اور کانگریس سے رابطہ کرنے اوران کے لیڈران کے درمیان مفاہمت کرانے میں حضور کی بالواسطہ نمائیندگی کا حق ادا کر دیا۔انہی دنوں ایک دعوت کے موقعہ پر خواجہ ناظم ادین آف بنگال۔سردار عبدالرب نشتر۔سے بھی حضور کی ملاقات ہوئی۔ان ملاقاتوں کے بعد آپ نے دوبارہ سے مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات کرنے کے علاوہ سر فیروز خان نون ۔نواب سر احمد سعید خان چھتاری سابق گورنر یوپی سے اور 10 اکتوبر کو پنڈت جواہر لال نہرو سے گفت وشنید کی۔ پریس کے نمائیندوں میں سے چیف رپورٹر ڈان۔ڈائیریکٹر اور ینٹ پریس۔اور سری کرشن صاحب نمائیندہ اندرا پترا سے بھی حضور ملے۔بعض لیڈران سے ملنے کے لئے اپنے نمائیندے بھجوائے۔اس موقعہ پر حضور نے اگرچہ وائسرائے ہند لارڈ ویول سے بالمشافہ گفتگو نہیں کی لیکن خط و کتابت سے مضبوط رابطہ قائم کر لیا۔آپ نے اپنے تیسرے خط میں وائسرائے کی توجہ اس طرف دلائی کہ اگر ہز ہائی نس نواب آف بھوپال کی نیک مساعی کانگریس اور مسلم لیگ سے براہ راست سمجھوتہ میں کامیاب نہیں ہوسکیں تو مایوس ہو کر اصلاح احوال کی کوشش ترک نہیں کرنا چاہیئے بلکہ حسب سابق اس معاملہ کو پھر سے اپنے ہاتھ میں لیں تاکہ کوشش کا سلسلہ جاری ہو سکے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی یہ روحانی اور مادی تدبیر بالاخر کامیاب ہوگئیں اور وائسرائے ہند نے ایک بار پھر سے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا اور 13 اکتوبر کو اس کی اطلاع وائسرائے کو پہنچا دی گئی ۔یہ فیصلہ انتہائی غیر موافق اور غیر متوقع حالات میں ہوا اور اس نے کانگریس کے حلقوں میں کھلبلی مچادی بعض کانگریسی لیڈروں نے کھلم کھلا یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر لیگ اس طرح کانگریس سے سمجھوتہ کئے بغیر ہی حکومت میں شامل ہو گئی تو ہمارے سب کئے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔الغرض اللہ کے فضل و کرم سے حضرت مصلح موعودؓ کی مساعی جمیلہ اور دعاؤں کی برکت سے مسلم لیگ فاتحانہ شان کے ساتھ عبوری حکومت میں شامل ہوگئی اور یوں حضور 14 اکتوبر 1946 کو دہلی سے روانہ ہوکر قادیان واپس آ گئے ۔(الفضل 16 اکتوبر 1946)

تحریک پاکستان کے اعتبار سے مسلم لیگ کا کانگریس سے بغیر سمجھوتہ کئے عبوری حکومت میں شامل ہونا 1945 / 46 کے انتخابات سے بھی بڑا معرکہ ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں مسلم لیگ نے صرف 4 ماہ کے اندر اندر پاکستان کی آئینی جنگ جیت لی۔اور کانگریس کا دیرینہ خواب کہ وہ مسلم لیگ کو نظر انداز کرکے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر تنہا ملک کے نظام حکومت کو چلائے گی۔ہمیشہ کے لئے دھرے کا دھرا رہ گیا۔اور برطانوی سرکار کو آخر مطالبہ پاکستان کے دوقومی نظریہ کے سامنے ہتھیار ڈال دینا پڑے۔

تاریخ پاکستان کے اس عظیم ہیرو کی مظلومیت دیکھئے کہ ایک طرف جمیعۃ کے ان دیوبندی علماء کے بارے میں قائد اعظمؒ فرمارہے تھے

’’نئی دہلی۔4مارچ 1939ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا ہے کہ مسلم لیگ کا کوئی آدمی دہلی میں ہونے والی جمیعۃ العلماء کانفرنس کے ساتھ کسی قسم کا سروکار نہ رکھے کیونکہ اس جمیعۃ کی کاروائیاں مسلم لیگ کے مفاد کے خلاف ہیں بلکہ مسلم لیگ کو تباہ کرنے کی غرض سے اختیار کی جارہی ہیں‘‘۔

(روزنامہ انقلاب 4 مارچ 1939ء صفحہ 1)

تو دوسری کانگریسی لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو اپنے ان وفاداروں کے لئے قائد اعظم سے جھگڑا فرمارہے تھے

بمبئی 14 دسمبر 1939ء

’’مائی ڈیئر جناح۔۔۔آپ چاہتے ہیں کہ ہم ان مسلمانوں سے قطع تعلق کرلیں جو مسلم لیگ کے ممبر تو نہیں لیکن ہمارے دیرینہ اور مخلص رفقاء کار ہیں۔لیگ کے علاوہ مسلمانوں کی اور بھی بہت سی جماعتیں موجود ہیں مثلاً جمیعۃ العلماء اسلام۔آل انڈیا شیعہ کانفرنس۔مجلس احرار اسلام۔آل انڈیا مومن کانفرنس وغیرہ ٹریڈ یونین اور کسان سبھا جیسے اداروں میں بھی بہت سے مسلمان شامل ہیں‘‘۔ آپ کا مخلص جواہر لال نہرو پنڈت صاحب نے لکھا کہ ان جماعتوں کے وجود سے انکار کرکے کانگریس صرف مسلم لیگ کو مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ کیونکر تسلیم کرسکتی ہے‘‘۔

(ہماری قومی جدوجہد صفحہ 320 از عاشق حسین بٹالوی 1935ء

شائع 1968ء)

تو تیسری طرف مسلمانوں کا درد رکھنے والا پریس ملت کے اس عظیم فدائی کا یوں شکریہ ادا کررہا تھا۔

مشہور زمانہ مسلم اخبار انقلاب اپنی 9 جون 44ء کی اشاعت میں اداریے میں فخریہ لکھتا ہے:

''سائمن کمیشن (1927ـ1928) سے لے کر اب (1944) تک انہوں (یعنی امام جماعت احمدیہ) نے مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور جداگانہ حیثیت کے قیام میں ملت اسلامیہ کے ساتھ جس کامل ہم آہنگی کا ثبوت دیا اس کی ہم تہ دل سے قدر کرتے ہیں''۔ (انقلاب اداریہ 9 جون 44ء)

اسی طرح ایک اور مسلم اخبار احمدی جماعت کے تحریک آزادی میں کردار اور اسلامی حقوق کے تحفظ کے لیے سرتوڑ کوشش کے حوالے سے یہ پر زور اعلان کررہا ہے۔''امام جماعت احمدیہ نے سیاست میں اپنی جماعت کو عام مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو چلانے میں جس اصول عمل کی ابتداء کرکے اس کو اپنی قیادت میں کامیاب بنایا ہے وہ ہر منصف مزاج مسلمان اور حق شناس انسان سے خراج تحسین وصول کرکے رہتا ہے''۔ (سیاست 2 دسمبر 1944ء)

وطن عزیز کی بدقسمتی دیکھئے کہ آج پنڈت جوہر لال نہرو صاحب کے یہ چہیتے کانگریسی اور احراری علماء تحریک آزادی پاکستان کے اس باوقار ہیرو کا ذکر کس بے دردی سے کررہے ہیں

''قادیانی گروہ کی تمام تر سازشوں اور خواہشات کے باوجود جب لازوال قربانیاں دے کر مسلمانان برصغیر نے پاکستان کی اسلامی جمہوریہ مملکت قائم کرلی تو بھی اپنے آپ کو الگ ملت کہلانے اور مسلمانوں کو کافر کہنے والا یہ گروہ نچلا نہیں بیٹھا۔''

(ماہنامہ الاحرار لاہور اگست 98ء صفحہ 11)

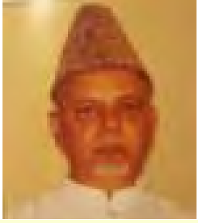
تاریخ کے ایسے ہی دوراہے پر کھڑے ہو کر فیض صاحب نے قوم کے ناہنجار مئورخین کے لتے لیتے ہوئے مظلوم ہیروز کی زبان میں چیختے ہوئے کہا تھا

ہمارے دم سے ہے کوئے جنوں میں اب تک خجل
عبائے شیخ و قبائے امیر و تاج شہی
ہمیں سے سنتِ منصور و قیس زندہ ہے
ہمیں سے باقی ہے گل دامنی و کج کلہی

(بعض اضافوں کے ساتھ بشکریہ الفضل انٹرنیشنل لندن)







موازنہ اخلاق اقوام و مذاہب

ایک لمحہ فکریہ

پچھلے دنوں نیوزی لینڈ کی دو مساجد پر ایک ظالم" کافر" نے وحشیانہ حملہ کر کے پچاس کے قریب "مسلمانوں" کو شہید کر دیا تو وہاں کی" کافر" حکومت اور" کافر"عوام کا انتہائی مومنانہ ردعمل دیکھ کر مجھے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں چند سال قبل ہونے والا انتہائی سفاکانہ حملہ یاد آ گیا جو اسی طرح لاہور کی دو مساجد پر ہوا عین اسی قسم کا تھا اور ساتھ ہی وہاں کی "مسلمان" حکومت اور مسلمان کہلانے والے عوام کا ردعمل یاد آیا اور دونوں کا موازنہ کرنے پر حیرت میں ڈوب گیا۔ میں نے دیکھا کہ نیوزی لینڈ کے" کفار" مسلمانوں سے اپنی ہمدردی کے اظہار کے طور پر مساجد کے باہر پھول اور پیغامات رکھ رہے ہیں۔ ان کی" کافر" وزیراعظم گہری ہمدردی سے مسلمان مرد وخواتین کو گلے لگا لگا کر ان کے دکھ میں شامل ہو رہی ہیں۔ پارلیمنٹ کا اجلاس تلاوت قرآن پاک سے شروع کیا جارہا ہے۔ وزیراعظم السلام علیکم کے ساتھ خطاب شرع کرتی ہیں۔ (واضح رہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قانون تعزیرات کی دفعہ 298 کے مطابق ایک اقلیتی فرقہ کے لئے السلام علیکم کہنے پر مسجد کو مسجد کہنے پر تین سال قید کی سزاء مقرر ہے)۔

کفار کے اس رویہ کے برعکس جب اسی طرح پر لاہور کی دو مساجد پر بہیمانہ حملہ کیا جاتا ہے اور ایک سو کے قریب نماریوں کو شہید کیا جاتا ہے تو حکومت کا ایک وزیر بھی اس اقلیتی فرقہ سے ہمدردی یا تعزیت کے ااظہار کے لئے نہیں آتا۔ بلکہ صوبہ کا گورنر آکر تعزیت کا گناہ کرتا ہے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے اور قاتل غازی کا لقب پا کر ایک مقبرہ عظیم میں دفن کیا جاتا ہے۔ مجھے ذاتی طور ایک مسلمان دوست نے بتایا کہ پاکستانی عوام میں انصاف پسند لوگ تو موجود ہیں پر مولویوں سے ڈرتے اظہار نہیں کر سکتے۔ یہ موازنہ کر کے میرے ضمیر نے کہا کہ تم کس منہ کے کسی کافر کو اسلام کی تبلیغ کر سکتے ہو۔

ان تمام حقائق سے بھی مجھے زیادہ صدمہ (تعجب نہیں) اس وقت ہوا جب میں نے ایبٹ آباد کمیشن کی رپورٹ میں جنرل شجاع پاشا سابق DG-ISI کا یہ بیان پڑھا:

"In Lahore the police protected those who attacked the Qadianis last year (2010) and even directed them to the hospital where the wounded were being treated. The provincial government had been informed of the situation but it took no heed of the advice and information provided by the ISI. No guards were assigned to the hospital as venal political influence intervened everywhere."

ایمان اور کفر کی اخلاقیات کا یہ تضاد کیا ہمیں سنجیدگی سے سوچنے اور غور کرنے کی دعوت نہیں دیتا



اب نہ بولو گے تو کاغذ کربلا ہو جائے گا

تحریر: اصغر علی بھٹی نائیجر مغربی افریقہ

ہندوستان کی سرزمین پر دارلعلوم دیوبند میں 10 دسمبر 2018 کی دوپہر کو گزرنے والے ایک منظر نے میرے لئے بہت سی الجھنوں کے در کھول دیئے۔تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ'' 10 دسمبر 2018 کو عیسائی پادریوں کےایک گیارہ رکنی وفد نے دارلعلوم دیوبند کا دورہ کیا ۔ 11 نفری اس وفد میں ہندوستانی کیتھولک عیسائیوں کے اعلیٰ مذہبی قائد بشپ فادر جان باسکو، ہندوستان کے کانونٹ اسکولوں کے مذہبی سربراہ اورکیتھولک بشپ کانفرنس کےقومی سیکرٹری فادر نکولس برلا، فادر میکائیل ، فادر ٹی کے جوہن ،ڈاکٹر ڈنزائل فرنانڈیز، ڈاکٹر ونسنٹ ایکا،سسٹر بیتا،سسٹر رانی وغیرہ شامل تھے۔ جناب عارض محمد صاحب حیدرآبادی کی راہنمائی میں یہ وفد دارلعلو آیا۔وفد نے مولانا عبدالخالق سنبھلی نائب مہتمم دارلعلوم سے تبادلہ خیال کیا۔ وفد نے ظہر کی نماز میں شرکت کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ نائب مہتمم صاحب کی اجازت سے ان حضرات نے دیگر تمام مصلیان کے ساتھ مسجد قدیم میں ظہر کی نماز باجماعت میں شرکت کی''

(ماہنامہ دارلعلوم جنوری 2019 زیرعنوان احوال وکوائف از مولانا محمد اللہ قاسمی شعبہ انٹرنیٹ دارلعلوم دیوبند ص 51)

دل ما روشن چشم ما شاد۔جی آیاں نوں اور ست بسم اللہ۔بات بھی خوشی کی تھی اور آپ نے خوشی کے ساتھ ہی اپنے سرکاری ماہنامہ میں اس کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔لیکن کیا کریں اس دل وحشی کا جسے گیارہ رکنی پادریوں کے وفد کو دارلعلوم دیوبند کی جامع مسجد میں ظہر کی نماز پڑھتے دیکھ کر کچھ پاکستانی کرم فرما یاد آ گئے ۔کچھ دلازاریوں کے قصے ہویدا ہو گئے ،تو بہت سی گرفتاریوں کی کسک ٹیسیں مارنے لگیں۔ایبٹ آباد کی حوالات اور مانسہرہ کی جیل کے فرش پر گزاری اداس شامیں یاد آ گئیں تو عقوبت خانوں سے جڑی ڈھیروں ڈھیر ایف آئی آرز کی کہانیوں نے مہاجر سفری پرندوں کی طرح دل ناتواں کی سرزمین پر غول درغول اترنا شروع کر دیا۔یقیناً ہندوستان میں تو آپ نے پادریوں کو مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت دی اور اس پر بہت خوش ہیں کہ گیارہ غیر مسلموں نے نماز ادا کی وہ بھی ہماری مسجد میں،لیکن میں اُن دکھوں اور اذیتوں کا کیا کروں جو میں نے اور میرے خاندان نے اور میری جماعت نے'' پاکستان کے سرکاری کافر'' ہونے کے بعد آپ کے پاکستانی دارالعلوم والوں سے صرف السلام علیکم کہنے پر بسم اللہ لکھنے پر اور کلمہ پڑھنے پر اور نماز پڑھنے پر وطن عزیز کی جیلوں میں برداشت کیں۔اور کر رہے ہیں

دکھ تو یہ ہے کہ ہندوستان میں پادریوں نے مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی تو خوشی کے شادیانے اور جب پاکستان میں کوئی احمدی نماز پڑھتا ہے تو ایف آئی آر میں درج ہوتا ہے کہ اس نے نماز پڑھ کر ہماری دل آزاری کی اور اس حوالے سے بڑے عجیب عجیب واقعات رپورٹ ہوئے ہیں۔مثلا پسرور میں وقوعہ کی ایف آئی آر یوں درج کروائی گئی ملزم اپنی عبادت گاہ میں لاؤڈ اسپیکر پر مسلمانوں کی آذان والے الفاظ دہرا رہا تھا جسے موقعہ پر پہنچ کر روک دیا گیا ورنہ عین ممکن تھا کہ ملزم ساری آذان دے جاتا۔مانسہرہ میں رانا کرامت اللہ صاحب کے خلاف مولوی صاحب نے رپورٹ درج کروائی کہ اس نے سربازار سب کے سامنے مجھے السلام علیکم کہا ہے جس سے میری دل آزاری ہوئی ہے۔تھانیدار صاحب نے رانا کرامت اللہ صاحب کو تھانے بلایا ایف آئی آر درج کی حوالات میں بند کیا اور ساتھ ہی نصیحت بھی کہ آئندہ جب یہ مولوی صاحب نظر آئیں تو لعنت اللہ کہنا السلام علیکم نہیں۔'' ننکانہ صاحب کے ایک قادیانی ناصر احمد نے اپنی بیٹی کی شادی کے لیے دعوتی کارڈ چھپوایا جس پر بسم اللہ الرحمن الرحیم۔السلام علیکم۔انشاءاللہ اور نکاح مسنونہ کے الفاظ درج تھے۔مجلس تحفظ ختم نبوت ننکانہ صاحب کے ناظم اعلیٰ نے تعزیرات پاکستان دفعہ 295A اور دفعہ 298C کے تحت نہ صرف ناصر احمد بلکہ ان کی بیگم،سرفراز احمد،اعجاز احمد اوران کے خاندان کے دیگر افراد کے خلاف اسلامی شعائر کے ناجائز استعمال کے الزام میں مقدمہ درج کرادیا۔پولیس نے ناصر احمد کو گرفتار کر لیا باقی ''ملزمان'' نے لاہور ہائی کورٹ میں ضمانت قبل از گرفتاری کی درخواستیں دائر کیں۔یہ مقدمہ ہنوز عدالت میں ہے''۔

(روزنامہ پاکستان 13 اگست 1992ء مضمون نگار اصغر علی گھرال)

''منڈی بہاؤالدین لیٹر پیڈ کے اوپر 786 چھپ جانے پر مقدمہ چل رہا ہے اس کے علاوہ کلمہ طیبہ پڑھنے۔کلمہ کا بیج لگانے اور درود شریف پڑھنے پر گرفتاریاں ہوئیں۔بدوملہی کے مسعود احمد کو سول جج نارووال کی عدالت سے 2 سال قید

بامشقت اور 2ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا۔اس کے خلاف اذان دینے کا الزام تھا۔ملزم کے خلاف جوفرد جرم مرتب ہوئی وہ کچھ یوں تھی ملزم نے بلند آواز سے کہا کہ:''اللہ سب سے بڑا ہے۔اللہ سب سے بڑا ہے۔اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔نماز کی طرف آؤ۔نماز کی طرف آؤ۔بھلائی کی طرف آؤ بھلائی کی طرف آؤ۔اللہ سب سے بڑا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(روزنامہ پاکستان اگست 1992ء مضمون نگار اصغر علی گھرال)

مورخہ 5دسمبر 1991ء کو مکرم خان محمد صاحب امیر جماعت احمدیہ ڈیرہ غازی خاں اور مکرم رفیق احمد صاحب نعیم کے خلاف قرآن مجید کا سرائیکی زبان میں ترجمہ کرنے کی وجہ سے زیر دفعہ 295A تعزیرات پاکستان تھانہ ڈیرہ غازی خان میں ایک مقدمہ درج کیا گیا۔روزنامہ ڈان پاکستان کی 26اپریل 1992ء کی اشاعت کے مطابق یہ مقدمہ مولوی اللہ وسایا امیر مجلس ختم نبوت ڈیرہ غازی خان کی درخواست پر درج کیا گیا۔اس نے اپنی درخواست میں لکھا کہ قادیانیوں کو کافر قرار دیا جاچکا ہے مگر پھر بھی انہوں نے قرآن مجید کا سرائیکی زبان میں ترجمہ کرکے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا ہے۔''ٹنڈو آدم تھانہ میں ایک اور مقدمہ مولوی احمد میاں حمادی صاحب نے رسالہ ماہنامہ انصاراللہ کے ایڈیٹر مرزا محمد دین صاحب ناز، پبلشر چوہدری محمد ابراہیم صاحب، پرنٹر قاضی منیر احمد صاحب اور مینیجر رسالہ انصاراللہ کے خلاف زیر دفعہ 298C اور 295C تعزیرات پاکستان 11 ستمبر 1990ء کو دائر کیا۔مولوی حمادی صاحب نے اپنی تحریری درخواست میں لکھا کہ مورخہ 21-03-90 کو مجھے ڈاک کے ذریعہ ایک لفافہ ملا جس میں ہلکے سبز رنگ کا کارڈ تھا۔اوپر بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم لکھا ہوا تھا اور نیچے مینیجر ماہنامہ انصاراللہ کے دستخط تھے۔اس طرح رسول اللہ کی بے حرمتی کی ہے۔نیز بسم اللہ شریف لکھ کر خود کو مسلمان ظاہر کیا ہے اور میرے مذہبی جذبات مجروح کئے ہیں لہٰذا 298C اور 295C تعزیرات پاکستان کے تحت قانونی کارروائی کی جائے۔اور تو اور موٹرسائیکل پر آیات قرآنی کا سٹکر چسپاں کرنے پر توہین رسالت کا مقدمہ۔مکرم ظہور احمد ولد انور حسین اور مکرم نور حسین ولد مولوی محمد انور ساکنان انور آباد ضلع لاڑکانہ کے خلاف موٹرسائیکل پر ''الیس اللہ بکاف عبدہ'' کا سٹکر چسپاں کرنے پر مورخہ 12 نومبر 1995ء کو زیر دفعات 298C،295A اور 295C تعزیرات پاکستان ایک مقدمہ نمبر 80 تھانہ وارہ ضلع لاڑکانہ میں درج ہوا جو مولوی محمد صدیق امام مکی مسجد وارہ کی درخواست پر درج ہوا۔مولوی محمد صدیق نے پولیس کو درخواست دیتے ہوئے لکھا:''ظہور احمد ولد نور حسین ذات ابڑو اور نور حسین ولد محمد انور ذات ابڑو ساکنان انور آباد تعلقہ وارہ جو سکول کے باہر شہر وارہ کے مین چوک میں ایک موٹرسائیکل پر سوار ہوکر آئے ہیں ان کی موٹرسائیکل کے میٹر کے اوپر قرآن پاک کی ایک آیت شریف الیس اللہ بکاف عبدہ لکھی ہوئی ہے۔چونکہ دونوں اشخاص قادیانی ہیں اور اپنے آپ کو احمدی کہلاتے ہیں اور کافر ہیں ان کو قرآن پاک کی آیت لکھنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ یہ قرآن پاک کی بے حرمتی ہے۔وارہ تھانہ اطلاع کرنے آیا ہوں کہ آپ ان مجرموں کو گرفتار کریں اور موٹرسائیکل کے میٹر پر قرآن پاک کی آیت تحریر شدہ ہے اس کو اپنی تحویل میں لیں اور دونوں مجرموں کو قانون کے مطابق دفعہ 298,AC295 اور C295 تعزیرات پاکستان کے مطابق سزا دلوائیں''۔اس کی درخواست پر سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس لاڑکانہ نے بذریعہ چٹھی نمبر 95.11.143554، مقدمہ درج کرنے کا حکم صادر فرمایا۔چنانچہ مورخہ 12 نومبر 1995ء کو دونوں احمدیوں پر مقدمہ کا اندراج ہوگیا۔ایک اور مولانا عبدالخالق سبحانی صاحب نے تو ایک قدم اور بھی آگے بڑھادیا وہ فرماتے ہیں کہ ان سرکاری کافروں کے لئے ایک لباس بھی مخصوص کر دیا جائے۔چنانچہ آپ نے 6اپریل تا 13 اپریل 1988ء کے ہفت روزہ احسان میں ایک طویل مضمون لکھا اور اس میں حکومت سے استدعا کی کہ ''قادیانیوں کے تراجم قرآن پر پابندی لگائی جائے نہ ان کی روزمرہ رہن سہن میں شناخت کے لیے مخصوص لباس مقرر کیا جائے کلمہ طیبہ پڑھنے سے روک دیا جائے اوران کی مساجد پر سے کھرچ دیا جائے۔ان سے ذمیوں والا سلوک کیا جائے۔''اب الجھن میں پھنسا بیٹھا ہوں کہ پاکستان میں تو ''سرکاری کافر'' کی آذان پہ دل آزاری،نماز پہ دل آزاری،کلمہ پہ دل آزاری، پتہ نہیں کس کس بات پہ دل آزاری اور ہندوستان میں وہی مولوی صاحب ہیں اور وہی ان کا فرقہ ہے تو ہندو مشرک بھی بھائی بھائی۔بلکہ آیئے اور ہماری مسجد میں نماز پڑھئے بلکہ فرماتے ہیں مذہب بعد میں وطن پہلے۔(ترجمان 16 جنوری تا 30 جنوری 2016ء ص 22 انڈیا) کیا وہاں اقلیت ہونے اور ہندو بلوائیوں کے خوف کی وجہ سے مذہبی فلسفہ بدل گیا ہے یا پاکستان میں اکثریت کے گھمنڈ میں مذہب بدل لیا ہے؟؟۔کچھ تو ہے۔ہم بقول چوہدری محمد علی صاحب یہی کہیں گے

رات سر بریدہ لفظ ہم سے یہ کہنے لگا
اب نہ بولو گے تو کاغذ کربلا ہو جائے گا

ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ کے بارے میں مؤلف سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی کی فاش غلطی

(محترم جناب شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ)





ایک دوست نے ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہؓ کے متعلق استفسار کیا ہے کہ ان کا کیا مقام تھا اور کیا وہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں شامل تھیں ؟ سائل نے بتایا ہے کہ علامہ شبلی نے اپنی مشہور کتاب سیرۃ النبی میں ازواج کی جو فہرست لکھی ہے اس میں انہوں نے حضرت ماریہ قبطیہؓ کو شامل نہیں کیا۔ جواباً تحریر ہے کہ خاکسار کے نزدیک تاریخی حقائق اور آنحضرت ﷺ کے طریق کار سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ ازواج مطہرات میں شامل تھیں چنانچہ کچھ معروضات ان کے پیش خدمت ہیں۔

یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ ایک معزز خاندان کی خاتون تھیں۔ آزاد اور حرّہ تھیں اور ایک ملک کے سربراہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں انہیں بطور تحفہ کے بھجوایا تھا آپؐ نے انہیں ازواج میں شامل فرمایا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب حضرت رسول مقبول ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو ہجرت کے ساتویں سال آپؐ نے چند بادشاہوں کو دعوت اسلام کے سلسلہ میں تبلیغی خطوط لکھے ایک خط شاہ مصر مقوقس کے نام بھی آنحضرت ﷺ نے لکھا۔ یہ خط حضرت حاطبؓ ابن بلتعہ مصر لے کر گئے۔ مقوقس نے جیسا کہ کتب تاریخ میں لکھا ہے اگر چہ اس خط کو بہت احترام سے پڑھا لیکن اسلام قبول نہ کیا تاہم حضور ﷺ کے خط اور پیامبر حضرت حاطبؓ کی بڑی عزت افزائی کی اور ان کی واپسی پر مقوقس شاہ مصر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں قیمتی ساز و سامان اور دو لڑکیاں جن کے ساتھ ان کے بھائی مابور بھی تھے بطور تحفہ بھیجیں۔ ان لڑکیوں میں سے ایک کا نام سیرین اور دوسری کا نام ماریہ تھا۔ یہ دونوں سگی بہنیں تھیں اور چونکہ قبطی تھیں اسلئے حضرت ماریہؓ ماریہ قبطیہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ یہ دونوں بہنیں حضرت حاطبؓ کے ساتھ مصر سے آئیں دوران سفر ان سے مانوس ہوگئی تھیں۔ اس انس سے فائدہ اٹھا کر حضرت حاطبؓ نے انہیں اسلام کی تبلیغ کی۔ چنانچہ سیرین اور ماریہ دونوں بہنوں نے تو اسلام قبول کر لیا البتہ ان کے بھائی مابور کچھ عرصہ تک اپنے آبائی دین عیسائیت پر قائم رہے۔ لیکن کچھ عرصہ آنحضرت ﷺ کے اعلیٰ اخلاق آپؐ کی پاک تعلیم وتلقین اور اسلامی ماحول سے متاثر ہو کر انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ مابور سیرین اور ماریہؓ کے سگے بھائی نہ تھے بلکہ چچازاد یا ماموں زاد بھائی تھے۔ بہر حال اس مؤخین کا اتفاق ہے کہ دونوں بہنوں (سیرین اور ماریہ) نے شروع میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ ابن سعد جلد 9 صفحہ 155 میں لکھا ہے کہ حضرت سیرینؓ اور حضرت ماریہ قبطیہؓ حقیقی بہنیں تھیں۔ ان کو مقوقس شاہ مصر نے بارگاہ رسالت میں ہدیۃً بھیجا تھا۔ حضرت ماریہؓ تو حرم نبویؐ میں داخل ہوئیں اور حضرت سیرینؓ حضرت حسانؓ مشہور صحابی و شاعر کے عقد میں آئیں۔ ''فتح الباری جلد 8 صفحہ 503 میں لکھا ہے ''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ماریہ کو پہلے ہمارے پڑوس میں حارثہؓ بن نعمان کے مکان میں ٹھہرایا گیا اور ہم برابر ماریہ کے پاس آیا جایا کرتی تھیں۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ کی آمد ورفت ان کے پاس زیادہ ہونے لگی تو ہم لوگوں نے ان کے پاس آنا جانا کم کر دیا (کہ آنحضرت ﷺ کے سکون میں فرق نہ آئے) لیکن یہاں ماریہؓ تنہائی کی وجہ سے گھبرانے لگیں جس پر آنحضرت ﷺ نے انہیں مقام العالیہ میں جو اس وقت مشربۃ ام ابراہیم کے نام سے مشہور ہے منتقل کر دیا۔''

اصابہ و ابن سعد میں لکھا ہے کہ ازواج کی طرح ان کو بھی آپؐ نے پردہ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ ان کی فضیلت کے لئے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد واضح ہے:۔

استو صو ابالقبط فانّ لھم ذمۃً ورحمًا انّ اُمّ اسمٰعیل بن ابراھیم واُمّ ابراھیم بن النبیّ منھم۔'' (اصابہ جلد 8 صفحہ 154)

قبطیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو کہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔ ان سے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ (حضرت ہاجرہؑ) اور میرے لڑکے ابراہیم کی والدہ۔ دونوں اس قوم سے ہیں۔ (اور عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے)۔ حافظ ابن کثیر نے البدایۃ جلد 8 صفحہ 74 میں لکھا ہے

وکانت ماریۃ ھذہ من الصّالحات الخیرات الحسان۔

اور نیک سیرت تھیں۔'' علامہ شبلی اپنی مشہور تصنیف سیرۃ النبی جلد اول میں لکھتے ہیں:۔

''عزیز مصر مقوقس کو آپؐ نے جو خط لکھا تھا اس کے جواب میں اس نے عربی زبان میں خط لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔'' محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے سلام علیک کے بعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا۔ مجھکو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنیوالے ہیں لیکن میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظہور کریں گے۔ میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں جن کی قبطیوں میں (مصر کی قوم میں) بہت عزت کی جاتی ہے اور میں آپ کے لئے کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھیجتا ہوں۔۔۔۔'' بایں ہمہ عزیز مصر اسلام نہیں لایا۔ دو لڑکیاں جو بھیجی تھیں ان میں ایک ماریہ قبطیہؓ تھیں جو حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ دوسری سیرین تھیں جو حضرت حسّانؓ کے ملک میں آئیں۔ طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سیرین حقیقی بہنیں تھیں اور حاطبؓ بن بلتعہ جن کو آنحضرت ﷺ نے مقوقس کے پاس خط دیکر بھیجا تھا ان کی تعلیم سے دونوں خاتونیں خدمت نبوی میں پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اس واقعہ کو اس حیثیت سے دیکھنا چاہیئے کہ یہ خاتونیں لونڈیاں نہ تھیں اور اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اسلئے آنحضرت ﷺ نے ماریہؓ سے نکاح کیا ہوگا نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپ کے حرم میں آئیں۔'' (صفحہ 345، صفحہ 346)

مندرجہ بالا حوالہ جات اور اقتباسات سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت ماریہؓ ایک آزاد خاتون تھیں، ایک معزز اور شاہی قوم کی خاتون تھیں۔ جن کا ان کی قوم میں خاص عزت و وقار تھا۔ سربراہ مملکت مصر نے بطور تحفہ انہیں پیش کیا تھا۔ وہ کسی جنگ میں نہ پکڑی گئی تھیں۔ وہ اپنی بہن کے ساتھ اور اپنے ایک عزیز بھائی کے ساتھ بھجوائی گئیں۔ انہوں نے شروع میں ہی اسلام قبول کر لیا۔ ان سب کوائف کی موجودگی میں ان کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ لونڈی کے طور پر آئیں اور حرم نبوی میں داخل ہوئیں قطعاً درست معلوم نہیں ہوتا۔ مزید برآں تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کوئی غلام نہیں رکھا اور پھر یہ کہ حضرت ماریہؓ جب حرم نبوی میں داخل ہوئیں اور انہیں پردہ کرایا گیا۔ حضورؐ کا اپنایہ طریق مبارک بھی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ حضرت ماریہؓ ازواج مطہرات میں سے تھیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؒ نے اپنی قیمتی تصنیف سیرۃ خاتم النبین میں اس سوال پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

''جو دو لڑکیاں مقوقس نے بھجوائی تھیں ان میں سے ایک کا نام ماریہ اور دوسری کا نام سیرین تھا اور یہ دونوں آپس میں بہنیں تھیں اور جیسا کہ مقوقس نے اپنے خط میں لکھا تھا وہ قبطی قوم میں سے تھیں اور یہ وہی قوم ہے جس سے خود مقوقس کا تعلق تھا اور یہ لڑکیاں عام لوگوں میں سے نہ تھیں بلکہ مقوقس کی اپنی تحریر کے مطابق ''انہیں قبطی قوم میں بڑا درجہ حاصل تھا۔'' دراصل معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں میں یہ پرانا دستور تھا کہ اپنے ایسے معزز مہمانوں کو جن کے ساتھ وہ تعلقات بڑھانا چاہتے تھے رشتہ کے لئے اپنے خاندان یا اپنی قوم کی شریف لڑکیاں پیش کر دیتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم مصر میں تشریف لے گئے تو مصر کے رئیس نے انہیں بھی ایک شریف لڑکی (حضرت ھاجرہؓ) رشتہ کے لئے پیش کی تھی جو بعد میں حضرت اسماعیل اور ان کے ذریعہ بہت سے عرب قبیلوں کی ماں بنی۔ بہرحال مقوقس کی بھجوئی ہوئی لڑکیوں کی مدینہ پہنچنے پر آنحضرت ﷺ نے ماریہ قبطیہ کو خود اپنے عقد۔ میں لے لیا اور ان کی بہن سیرین کو عرب کے مشہور شاعر حسان بنؓ ثابت کے عقد میں دیدیا (زرقانی جلد 3 حالات ماریہ قبطیہ و اسد الغابہ)

یہ ماریہ وہی مبارک خاتون ہیں جن کے بطن سے آنحضرت ﷺ کے صاحبزادہ ابراہیم پیدا ہوئے جو زمانہ نبوت کی گویا واحد اولاد تھی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ دونوں لڑکیاں مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی حاطبؓ بن ابی ملتبہ کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئی تھیں۔۔۔۔۔ یہ سوال کہ آیا آنحضرت ﷺ نے حضرت ماریہؓ کو زوجہ کے طور پر اپنے عقد میں لیا یا کہ صرف ملک یمن کے رنگ میں اپنے عقد میں رکھا۔ ایک اختلافی سوال ہے۔ بہرحال دو باتیں قطعی طور پر یقینی ہیں ایک یہ کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ماریہؓ کو شروع سے ہی پردہ کرایا۔

(ابن سعد بحوالہ زرقانی جلد 2 صفحہ 272)

اور پردہ کے متعلق ثابت ہے کہ وہ صرف آزاد عورتیں اور ازواج ہی کرتی تھیں۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے غزوہ خیبر کے بعد ایک یہودی رئیس کی بیٹی صفیہؓ کے ساتھ عقد کیا تو صحابہؓ میں اختلاف ہوا کہ کیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی زوجہ ہیں یا کہ محض ملک یمن۔ پھر جب آنحضرت ﷺ نے انہیں پردہ کرایا تو صحابہ نے سمجھ لیا کہ وہ زوجہ ہیں نہ کہ ملک یمن۔

(بخاری بحوالہ زرقانی جلد 2 صفحہ 256)

دوسرے یہ بات بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کوئی ذاتی غلام نہیں رکھا بلکہ جو لونڈی غلام بھی آپ ﷺ کے قبضہ میں آیا آپ ﷺ نے اسے آزاد کر دیا۔ اس لحاظ سے بھی آنحضرت ﷺ ماریہ قبطیہ کو لونڈی کے طور پر اپنے پاس رکھنا بعید از قیاس اور نا قابل قبول ہے۔ واللہ اعلم۔''

(سیرۃ خاتم النبین صفحہ 201۔202)



امیرالمومنین کا لقب اور اس کا تاریخی و دینی پس منظر

رانا عبدالرزاق خان لندن

امیرالمومنین کے لفظی معنی ہیں مومنوں کا امیر یا حاکم۔ بعض مغربی مصنفین نے اس کا ترجمہ "پرنس آف بیلیورز" prince of believers بھی کیا ہے۔ جو نہ لغت کے اعتبار سے درست ہے نہ تاریخ ہی کی رُو سے۔ مقدمہ ابن خلدون اور شبلی نعمانی کی "الفاروق" کے مطابق یہ لقب سب سے پہلے اسلام کے خلیفہ دوم حضرت "عمر بن الخطاب" نے اختیار فرمایا۔ آپ سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ "خلیفۃ الرسول" کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ عمر بن الخطاب خلیفہ بنے تو مسلمان انہیں "خلیفۃ الرسول" کہنے لگے اس پر مسلمانوں میں تبصرے ہونے لگے کہ چوتھی پانچویں خلافت کے وقت اس اصطلاح کی کیا شکل بن جائے گی اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے "امیرالمومنین کہہ لیا کرو"۔ گویا یہ اصطلاح اسلام کے جلیل القدر خلیفہ دوم ہی کے عہد میں تخلیق ہوئی اور آپ ہی کے عہد خلافت سے اس کا استعمال شروع ہوا۔ آپ کے بعد اسلام کے تیسرے اور چوتھے خلیفہ راشد کو بھی امیرالمومنین ہی کہا اور لکھا جاتا رہا۔ امیر (رکبان) سے مراد وہ شخص ہے جسے امر، حکم، قیادت، تفویض کی جائے اس میں فوجی قیادت بھی شامل ہے اور اس عام مفہوم کے مطابق اسے کلمہ "المومنین" کی طرف مضاف کر کے اس سے وہ امیر مراد لئے جاتے ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور آپ کے بعد مختلف اسلامی مہموں کی قیادت سپرد کی گئی۔ جیسے حضرت سعدؓ بن وقاص (رکبان) کو "امیر" کہا گیا۔

آئمہ دین کی رائے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد امارت میں بھی (جب خلافت مقبول بحکمرانی ہو رہی تھی) انہیں "امیرالمومنین ہی لکھا اور پکارا جاتا رہا۔ بغداد کے خلفاء کے انداز اور اطوار تو یکسر سیاسی حکمرانوں کے سے تھے۔ پھر ان میں بعض ایسے حکمران بھی ہوئے جن کے افعال و کردار مومنانہ بھی نہ تھے لیکن ان کے تمدن اور معاشرت پر "عربیت" غالب رہی۔ اور وہ "امیرالمومنین" کہلانے پر فخر اور لذت محسوس کرتے رہے حتیٰ کہ شاہی درباروں اور محلوں پر "عجمیت" پوری طرح چھا گئی تو مسلم حکمرانوں کے لئے ظل اللہ اور ظل سبحانی ایسی متعدد اور جدید اصطلاحیں تراش لی گئیں لیکن چونکہ یہ اصطلاح مسلم حکمرانوں کے لئے مختص نہ تھیں اس لئے آئمہ دین اور اکابر علماء کے لئے بھی اس کا استعمال حسب سابق جاری رہا۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب) کے مطابق نمبر1۔ شیعوں کا فرقہ امامیہ "امیرالمومنین" کا لقب صرف حضرت علیؓ بن ابوطالب کے لئے مخصوص سمجھتا ہے۔ نمبر2۔ اسمٰعیلیوں کا ہر فرقہ اسے اپنے اپنے مسلمہ خلفاء کے لئے استعمال کرتا ہے۔ نمبر3۔ زیدی شیعوں کے نزدیک ہر وہ علوی جو بزور شمشیر اپنے اقتدار کو منوالے خود کو "امیرالمومنین" کہلا سکتا ہے مثلاً یمن کے زیدی امام۔ البتہ خوارج کے ہاں لفظ "امیرالمومنین" کا استعمال قاہرت کے رستمیوں کے سوا بہت شاذ ہے۔ لیکن اس کا استعمال آئمہ اور علماء کے لئے ہمیشہ ہوتا رہا۔ مثلاً۔ مشہور محدث "قتیبہ بن الحجاج" کو "امیرالمومنین یا الروآتیہ" کہا گیا۔ ابونعیم "حلیت الاولیا" (7:144) اسی طرح مشہور نحوی ابو حیان غرناطی کو "امیرالمومنین" فی النحو کہا گیا" (المقری نفح الطیب ص 826) دائرہ معارف اسلامیہ نے صرف انہی دو مثالوں پر اکتفا کیا ہے۔

لیکن اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو متعدد تاریخی شواہد اس امر کے ملتے ہیں کہ یہ اصطلاح صرف "مسلم فرمانرواؤں" ہی کے لئے مخصوص نہیں تھی بلکہ صدیوں سے آئمہ دین اور اکابر علماء کے لئے بھی مروج ہے۔۔۔۔

چند اور مثالیں۔ (1) حضرت امام مالکؓ بن انس بن امام دارالہجرت (93۔179) جن کو تبع تابعین کے زمرے میں شامل ہونے کی سعادت خاصؒ ہوئی۔ امیرالمومنین الحدیث کے نام سے یاد کئے گئے۔ (تاریخ الحدیث (پروفیسر عبدالصمد صارم الزہری ناشر مکتبہ امین الادب اُردو بازار لاہور)۔

2۔ حضرت سفیان بن سعید ثوریؒ (97ھ۔161ھ 1) جن کو تبع تابعین کے زمرے میں شامل ہونے کی سعادت ملی۔ حضرت امام حافظ شیخ الاسلام علی بن حجر عسقلانیؒ (متوفی 852ھ) نے آپ کو "تہذیب التہذیب" جلد 4 ص

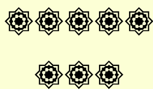
113 پر ''امیر المومنین فی الحدیث'' تسلیم کیا ہے علاوہ ازیں صوفی الاسلام حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ کی مشہور کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' کے سولھویں باب میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ 3۔حضرت ابو عبداللہ محمد حسین اسماعیل بخاریؒ (194ھ تا 256ھ) بھی ''امیر المومنین فی الحدیث' کے لقب سے ملقب ہیں (تاریخ الحدیث ص 217 از پروفیسر عبدالصمد صارم)۔ 4۔امام الکبیر حضرت علی بن عمر دارقطنیؒ (306ھ 358ھ) کو بھی اس نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ سے 1386ھ بمطابق 1929ء میں السید عبداللہ ہاشم یمانی المدنی نے ''سنن دارقطنی'' کا جو تصحیح شدہ ایڈیشن شائع کیا ہے اس کے دیباچہ میں ص 9 پر صاف لکھتا ہے'' الدارقطنی 'امیر المومنین فی الحدیث'' یہ دیباچہ ابوالطیب محمد شمس الحسن الصدیقی عظیم آبادی نے تحریر کیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے خلیفہ سید محمد اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی کی نسبت ''سوانح احمدی'' مصنفہ مولانا محمد جعفر تھانیسروی کے صفحہ 98، 115، 116، 120، 136، پر ''امیر المومنین'' لکھا گیا ہے اور صفحہ 120 پر اس لقب کے استعمال کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ لاکھوں لوگوں نے اُن کی بیعت کر کے انکو اپنا سردار بنا لیا۔ پس اس روز سے آپ بلفظ امام یا امیر المومنین یا خلیفہ کے مشہور ہیں۔ حالانکہ مسلم ہے کہ متذکرہ بالا دونوں بزرگ صاحبِ حکومت وسیاست نہ تھے۔ ثابت ہوا کہ یہ اصطلاح ''مسلم فرمانرواؤں'' کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اسلامی لٹریچر کے مطابق '' آئمہ دین'' اور جید علماء ربانی کے لئے بھی صدیوں تک یہ اصطلاح استعمال ہوتی رہی ہے۔ (ماخوذ)

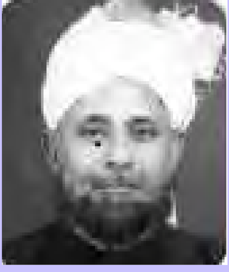
کیسے غدار ہیں؟؟

اصغر علی بھٹی مغربی افریقہ

عارف کہتا ہے پہلے ہم خوشبو لٹاتے، خواب سجاتے اور سپنے بیچا کرتے تھے لیکن آج کل ہم سب کچھ بیچنے لگ گئے ہیں حتیٰ کہ مذہب بھی۔ ہر سال ستمبر قریب آتے ہی علمائے کرام قوم کو یہ باور کرانے میں مصروف ہو جاتے ہیں کہ دیکھیں قادیانی وطن دشمن تھے غدار وطن تھے اسلام دشمن تھے اسرائیل کے ایجنٹ تھے اور وطن عزیز میں اکلوتے ختم نبوت کے منکر تھے الحمدللہ ہم نے 7 ستمبر 1974 کو تحفظ ختم نبوت کرتے ہوئے اس اکلوتی مینڈکی کا ٹینٹوا ہی دبا دیا ہے۔ الحمدللہ۔ محافظین ختم نبوت زندہ باد۔ یہ سب تو ٹھیک ہے مگر وہ جو سابقہ وزیر داخلہ چوہدری نثار صاحب ہمیں بتایا کرتے تھے کہ وطن عزیز میں کوئی 34 کے قریب سرکاری سیکرٹ ایجینسیز ہیں وہ اس موضوع پر کبھی کیوں نہیں بولتیں۔ کتنے ہی احمدی کمیونٹی کے لوگوں کو پاکستان میں سول اور فوجی اعزازات دیئے جا چکے ہیں مگر اک یہ نا ہنجار ہیں کہ سدا سے چپ ہیں جب کہ دوسری طرف معلومات کی فراوانی کا عالم یہ ہے کہ اگر آپ ڈھاباں سنگھ کے بھی کسی مولوی صاحب سے پوچھ لیں وہ آپ کو تفصیل سے بتائے گا کہ جب ڈاکٹر عبد السلام قومی سلامتی اور ایٹم بم کا نقشہ اپنے امریکن بستے میں ڈال کر لندن والی بس پر سوار ہو رہے تھے تو اس وقت وہ بذات خود بس سٹاپ پر موجود اُن کو دیکھ رہا تھا۔ مگر مجال ہے کہ ہمارے قومی سلامتی کے اداروں نے جو ہر سال لاکھوں کروڑوں کا بجٹ کھا جاتے ہیں اس بارے میں کوئی مخبری دی ہو اور ہمیں بتایا ہو کہ وہ کس قادیانی نے قائد اعظم کو کافر اعظم کہا تھا اور کس قادیانی نے یوم آزادی ہی منانے سے انکار کر دیا ہے بلکہ وہ کون سا قادیانی مدرسہ ہے جس میں امسال 15 اگست کے دن پاکستان کا جھنڈا جلایا گیا اور پاکستان مردہ باد کے نعرے لگائے گئے۔ اسی طرح وہ کون سا قادیانی خطیب تھا جس نے پاکستانی جھنڈے کے رنگ کی تذلیل کرتے ہوئے اُسے بھینس کے پتلے گوبر سے ملایا تھا۔ اور وہ کون سے قادیانی ہیں جنہوں نے حال ہی میں نریندر مودی کو تحریری درخواست کی ہے کہ مکہ اور مدینہ کو آزاد کروانے میں ان کی مدد کریں۔ وہ کون سی درگاہ کے قادیانی مجاور ہیں جو حال ہی میں اسرائیل کے دورے سے واپس آئے ہیں اور اسرائیلی عدل وانصاف کے لئے رطب اللسان ہیں۔۔

افسوس جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے ورنہ نیٹ پر تو یہ ساری معلومات موجود ہیں اور آج کی تاریخ میں یہی ہر محب وطن شہری کا دکھ ہے کہ اس سر زمین پر سرفروش، وطن فروش بنا دیئے گئے مگر سرکار ہے کہ اُس کی مصلحت کی چادر لمبی سے لمبی ہی ہوتی جا رہی ہے۔





امیر جماعت اسلامی اور وزیر اعظم پاکستان سے جماعت احمدیہ کے وفد کی تاریخی ملاقات

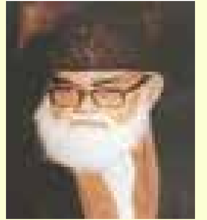
تحریر حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب

(مراسلہ نگار حامد صحرائی)

ارکان وفد

1952ء میں ''فسادات پنجاب'' کا آغاز ہو چکا تھا۔ جماعت احمدیہ کے خلاف ہنگامے شروع تھے۔ علماء کے وفد وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم سے مل کر جماعت کے بارے میں مختلف غلط فہمیاں پیدا کر رہے تھے۔ جماعت کو ختم نبوت کا منکر ٹھہرایا جا رہا تھا اور اسے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبے ہو رہے تھے۔ سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ایک وفد تجویز فرمایا جو کراچی جا کر وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین صاحب سے ملاقات کرے اور حقیقت حال سے انہیں مطلع کرے۔ اس وفد میں (1) جناب مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم اے ناظر امور عامہ ربوہ (2) جناب مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ (3) جناب شیخ بشیر احمد صاحب سینئر ایڈوکیٹ سپریم کورٹ لاہور (4) جناب ملک عبدالرحمن صاحب خادم ایڈوکیٹ گجرات اور (5) خاکسار ابوالعطاء جالندھری شامل تھے۔

جناب مودودی صاحب سے ملاقات



ہم سب محترم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی کوٹھی ٹمپل روڈ لاہور پر جمع ہوئے۔ پہلے دن کراچی کیلئے ریل میں سیٹیں ریزرو نہ ہو سکیں ہمیں ایک رات لاہور میں قیام کرنا پڑا۔ شام کے وقت صوفی عبدالرحیم صاحب نے محترم شیخ بشیر احمد صاحب کو فون کیا کہ آج جناب مودودی صاحب سے ملاقات ہو سکتی ہے اگر چاہیں تو آ جائیں۔ جناب شیخ صاحب موصوف جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس مرحوم اور خاکسار بذریعہ کار جناب مودودی صاحب کے مکان پر پہنچ گئے۔ وہ گویا ملاقات کیلئے تیار ہی بیٹھے تھے۔ کہنے لگے کہ اچھا ہوا کہ آپ لوگ آ گئے میں چاہتا ہی تھا کہ جماعت احمدیہ کے کوئی نمائندے مل جائیں تو میں آپ کے امام کو ایک پیغام بھجواؤں۔ ہم نے کہا کہ فرمایئے کیا پیغام ہے؟ جناب مودودی صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ جا کر اپنے امام سے کہیں کہ اس وقت جماعت احمدیہ کے خلاف سخت شورش برپا ہے اور شدید خونریزی کا خطرہ ہے اسلئے بہتر یہی ہے کہ آپ خاموشی سے اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت تسلیم کر لیں یا پھر وہ عقائد اختیار کریں جو ہمیں گوارا ہوں ورنہ سخت خطرہ ہے۔

میں مودودی صاحب سے پٹھانکوٹ کے دارالاسلام میں اچھی طرح گفتگو کر چکا تھا اور غالباً اس مجلس میں میں ان کے قریب اور سامنے تھا میں نے جواباً عرض کیا کہ جناب آپ نے ہمیں کیا پیغام دیا ہے؟ یہ پیغام ہم اپنے امام ایدہ اللہ بنصرہ کو کس طرح دے سکتے ہیں۔ اس پیغام کو تو سن کر ہم خود شرمندہ ہیں کہ آپ ہمیں کیا کہہ رہے ہیں۔ الٰہی جماعتوں کی مخالفتیں ہوتی آئی ہیں اور نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے اس ملک میں بھی جماعت احمدیہ کی مخالفت ہو رہی ہے۔ یہ وہی مخالفت ہے۔ مودودی صاحب نے ناصحانہ انداز میں کہا کہ آپ میری بات مان لیں اور یہ پیغام اپنے امام کو پہنچا دیں۔ اس مرتبہ کی مخالفت عام مخالفت نہیں یہ بہت گہری ہے اور اس کے نتائج بڑے سخت ہیں۔ خاکسار نے مودودی صاحب سے پھر زور سے کہا کہ پیغام دینے کا تو سوال ہی نہیں ہے ہم تو سمجھتے ہیں کہ یہ مخالفت بھی بعینہ ویسی ہی ہے۔ جیسی جملہ نبیوں کے وقت میں ہوتی رہی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ تجربہ ہو چکا ہے کہ مخالفتوں کے باوجود الٰہی جماعت ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوتی رہی ہے۔ آج بھی یہی نظارہ دہرایا جائے گا۔

پھر میں نے کہا کہ جناب معاملہ دو حال سے خالی نہیں یا تو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام اپنے دعویٰ ماموریت میں سچے ہیں یا معاذ اللہ جھوٹے اور مفتری ہیں۔ اگر وہ سچے ہیں اور ہمیں کامل یقین ہے کہ وہ سچے ہیں تو اس مخالفت سے کچھ احمدیوں کے گھر جلائے جا سکتے ہیں۔ ان کی فصلیں اجاڑی جا سکتی ہیں ان کی دوکانیں لوٹی جا سکتی ہیں' ان میں سے بعض کو شہید بھی کیا جا سکتا ہے مگر یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی جاری کردہ تحریک کو مٹایا جا سکے اور یا اس کی قائم کردہ جماعت کو نابود کر دیا جائے۔ اور اگر خدانخواستہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ مفتری اور جھوٹے تھے جیسا کہ آپ کہتے ہیں۔ تو پھر آپ کو ان کی جماعت سے کیا ہمدردی ہے اگر ایسی جماعت نے کل ہلاک ہونا ہے تو اسے آج ہلاک کر دینا اچھا ہے اس لئے آپ کے پیغام دینے کا عقلاً بھی کوئی سوال نہیں ہے۔

اس مرحلہ گفتگو دیگر مذہبی و سیاسی مسائل کے متعلق جاری ہو گئی اور خاکسار کے علاوہ محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب اور محترم جناب مولانا شمس صاحب مرحوم بھی گفتگو فرماتے رہے۔ اس گفتگو میں مسلمان کی تعریف اور جماعت کے خلاف ہنگامہ

آرائی کا جواز بھی زیر بحث آیا۔

جناب وزیراعظم کے کمرے میں

دوسرے روز ہم کراچی کے لئے روانہ ہوگئے ۔ یہ جولائی 1952ء کے آخری ایام تھے یا اگست 1952ء کے شروع کے دن تھے۔ ہمارا قیام ایک ہوٹل میں تھا۔ امیر وفد جناب مولانا عبدالرحیم صاحب درد نے ہر رکن کے ذمہ الگ الگ مضمون مقرر کر دیا اور ہم سب نے باقاعدہ حوالے نوٹ کر لئے ۔ اصل کتابیں ساتھ رکھ لیں۔مقررہ تاریخ پر ہم سب وزیراعظم خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم کے بالائی کمرہ میں حاضر ہوئے۔

بڑے میز کے ایک طرف خواجہ صاحب موصوف کے علاوہ سردار عبدالرب صاحب نشتر، میاں مشتاق احمد صاحب گورمانی، فضل الرحمٰن صاحب بنگالی اور خواجہ صاحب کے پرائیوٹ سیکرٹری تشریف فرما تھے ۔ اور میز کے دوسری طرف علی الترتیب خاکسار ابوالعطاء، محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس مرحوم، شیخ بشیر احمد صاحب اور محترم مولانا عبدالرحیم صاحب درد مرحوم بیٹھے تھے۔ ہمارے امیر وفد نے خواجہ صاحب اور دیگر وزیروں سے ہم سب کا تعارف کرایا اور یہ بھی فرمایا کہ پہلے ہماری طرف سے ابوالعطاء بات کریں گے۔

مسئلہ ختم نبوت پر گفتگو

خاکسار نے آغاز گفتگو یوں کیا کہ ہم احمدی بھی پاکستان کے آزاد شہری ہیں ؛۔ اور ہمیں بھی اس ملک میں تمام باشندوں کی طرح مساوی حقوق حاصل ہیں۔ آپ اس ملک کے ذمہ وار وزراء ہیں ۔ آپ کے پاس ہمارے مخالف علماء نے آکر ہمارے خلاف بہت سی باتیں کہی ہیں ہم اس بارے میں وضاحت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں امید ہے کہ آپ جو میری باتوں کو بھی پوری توجہ سے سماعت فرمائیں گے

میں نے جناب وزیراعظم صاحب کو توجہ دلاتے ہوئے عرض کیا کہ علماء کے جو وفود آپ کو ملے ہیں انہوں نے آپ سے کہا ہوگا کہ احمدی رسول مقبول ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتے ۔محترم جناب خواجہ صاحب مرحوم نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں صرف اس حصہ کے متعلق وضاحت کرنا چاہتا ہوں ۔ میں نے عرض کیا کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مانتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں فرمایا ہے کہ

’’تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے ۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے ۔ کہ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ۔ ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا ۔ نوع انسانی کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن ۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفے ﷺ ۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ (کشتی نوح صفحہ 23) میں نے موثر انداز میں یہ عبارت پڑھتے ہوئے اصل کتاب جناب وزیراعظم صاحب کے سامنے رکھ دی اور پھر عرض کیا کہ جب ہمیں بانی سلسلہ احمدیہ نے قرآن مجید پر ایسے مضبوط ایمان کی تلقین فرمائی اور قرآن مجید کی صریح نص ہے ۔ **ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین** ۔ کہ رسول اکرم ﷺ خاتم النبیین ہیں تو اب یہ امکان کس طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ احمد آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کریں ؟ ایسا الزام سراسر غلط اور باطل ہے ۔ میں نے عرض کیا کہ محترم وزراء کرام ! اگر علماء یہ کہتے ہیں کہ خاتم النبیین کے معنوں اور تفسیر میں ہمارا احمدیوں سے اختلاف ہے تو بات قدرے معقول ہوتی مگر انہوں نے تو آپ کو بھی اور سارے ملک کے باشندوں کو بھیہ کہا ہے کہ احمدی رسول اکرم ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتے ۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ زعم ہر گز درست نہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دس حوالے

پھر میں نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کتب سے مندرجہ ذیل دس حوالہ جات مجلس میں بلند آواز سے سنائے اور ہر حوالہ پر اصل کتاب میز پر کھول کر سامنے رکھ دی جاتی تھی۔ وہ حوالہ جات یہ ہیں ۔

(1) ’’میں جناب خاتم الانبیاء ﷺ کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرا اسلام سے خارج سمجھتا ہوں‘‘
(اشتہار تقریر واجب الاعلان صفحہ 5)

(2) ’’مجھے اللہ جل شانہٗ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں ۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ پر میرا عقیدہ ہے اور ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین پر آنحضرت ﷺ کی نسبت میرا ایمان ہے۔‘‘ (کرامات الصادقین صفحہ 35 مطبوعہ 1894ء)

(3) ’’ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفی ﷺ اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔‘‘
(ایام الصلح صفحہ 86۔87 مجریہ 1899ء)

(4) عقیدے کی رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد ﷺ اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔‘‘
(کشتی نوح صفحہ 15 مطبوعہ 1902ء)

(5) آنحضرت ﷺ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے یہ معنے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد براہ راست فیوض نبوت منقطع ہوگئے اور اب کمال نبوت صرف اسی شخص کو ملے گا جو اپنے اعمال پر اتباع نبویؐ کی مہر رکھتا ہوگا ۔ اور اس طرح پر وہ

آنحضرت ﷺ کا بیٹا اور آپ کا وارث ہوگا۔''

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی وچکڑالوی صفحہ 6۔7 مطبوعہ صفحہ 1902ء)

(6)''مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتے ہیں یہ ہم پر افتراءِ عظیم ہے۔ہم جس قوت، یقین و معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین مانتے اور یقین کرتے ہیں اس کا لاکھواں حصہ بھی وہ لوگ نہیں مانتے۔''

(اخبار الحکیم 17 مارچ 1905ء)

(7) اب بغیر محمدیؐ نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے۔مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔''

(تجلیات الٰہیہ صفحہ 26 مطبوعہ 1906ء)

(8) وان نبینا خاتم الانبیاء ولا نبی بعدہ ، الا الذی ینور نبورہ ویکون ظہورہ ظل ظہورہ۔''

(الاستفتاء صفحہ 22 مطبوعہ 1907ء)

(9) اللہ جلشانہ نے آنحضرت ﷺ کو صاحب خاتم بنایا یعنی اپ کو افاضہ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یا یعنی آپؐ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپؐ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ 97 حاشیہ مطبوعہ 1907ء)

(10) خدا شخص سے پیار کرتا ہے جو اس کی کتاب قرآن شریف کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے۔اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو درحقیقت خاتم الانبیاء سمجھتا ہے۔''(چشمہ معرفت صفحہ 324 مطبوعہ 1908ء)

ان دس حوالہ جات کے پڑھنے سے اس مجلس میں عجیب موقعہ پیدا ہو گیا تھا الحمد اللہ میں نے کہا کہ جب ہم آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین مانتے ہیں، خود بانی سلسلہ احمدیہؑ کے کلمات آپ کے سامنے ہیں۔کتابیں موجود ہیں تو پھر کسی مولوی صاحب کا یہ کہنا کیا وزن رکھتا ہے کہ احمدی رسول مقبول ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔''

سلف صالحین کے اقتباسات کا تذکرہ۔

میں نے واضح کیا کہ آنحضرتؐ کو خاتم النبیین تو احمدی بھی مانتے ہیں اور غیر احمدی بھی اس تفسیر میں بھی دونوں فریق متفق ہیں کہ خاتم النبیین کے رو سے نئی شریعت والا نبی نہیں آسکتا ہے۔اس مرحلہ پر خاکسار نے سلف صالحین کے دس اقتباسات عربی و اردو میں پیش کئے اور اصل کتابیں میز پر رکھ دیں۔ان اقتباسات کا خلاصہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد انقطاع صرف تشریعی نبوت کا ہے۔

پھر میں نے واضح کیا کہ ہمارے معنوں کے رو سے فیض محمدیہؐ جاری ہیں اور آنحضرتؐ کی پیروی سے خیر امت کے افراد کو وہ تمام انعام مل سکتے ہیں جو پہلی امتوں کو ملے تھے۔ان معنوں کے رو سے رسول مقبول ﷺ کی افضلیت اور برتری نمایاں ہوتی ہے۔

ختم نبوت میں نہیں بلکہ آنے والے موعود شخص میں اختلاف ہے۔

پچیس تیس منٹ کے اس بیان کے آخر میں نے کہا کہ درحقیقت تو خاتمیت محمدیہؐ کے بارے میں ہمارے اور دوسرے علماء میں اختلاف کا کوئی سوال نہیں۔وہ بھی ایک مسیح موعود کے امت میں آنے کے قائل ہیں اور ہم بھی۔اور دونوں فریق حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد آنیوالے مسیح موعود کو آنحضرت ﷺ کا تابع نبی مانتے ہیں جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد امتی اور تابع نبی آسکتا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔اختلاف تو صرف شخصیت میں ہے کہ امت محمدیہؐ کا مسیح موعود کون ہے؟ آیا حضرت عیسیٰ بن مریم ہیں جنہیں قرآن مجید نے صرف رسولا الی بنی اسرائیل قرار دیا ہے یا امت محمدیہؐ کا ایک فرد اور آنحضرت ﷺ کا ایک امتی ہے۔پس جماعت احمدیہ پر یہ الزام سراسر خلاف واقع ہے کہ ہم معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ہم حضور علیہ السلام کو پورے یقین سے اور حقیقی رنگ میں خاتم النبیین مانتے ہیں۔

میری تقریر کے دوران دو ایک موقعہ پر مکرم سردار عبدالرب صاحب نشتر نے سوال کئے تھے جن کے خاکسار نے جواب دیدیئے۔مگر جناب خواجہ ناظم الدین صاحب کی خواہش تھی کہ تقریر کا تسلسل قائم رہے اور سوال بعد میں ہوں۔

دیگر مسائل پر گفتگو

جب میں آخری حصہ بیان پر پہنچا تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ پوائنٹ تو واضح ہو چکا ہے کہ اب دوسرے صاحب بیان شروع کریں اس پر حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ مرحوم نے مخالفین کی اشتعال انگیزی پر مدلل تقریر فرمائی اور اخبارات کے حوالے پیش فرمائے۔یاد رہے کہ شروع سے ہی مخالف علماء برآمدہ میں ہمارے بیانات سن رہے تھے۔وہ بعض کتابیں وزراء کرام کو بھجوانے لگے جس پر مجلس کا رنگ کچھ بدل گیا۔تیسرے نمبر پر جناب ملک عبدالرحمن صاحب خادم مرحوم نے جب مختلف فرقوں کے علماء کے باہمی فتوؤں کے انبار پیش فرمائے تو خواجہ صاحب موصوف حیران رہ گئے کہ علماء نے بات کہاں تک پہنچادی ہے۔اسی دوران مکرم فضل الرحمن صاحب بنگالی بول پڑے کہ ہم آپ لوگوں کو اب تک برداشت کرتے رہے ہیں آئندہ یہ صورت نہ ہوگی، اس کے جواب میں محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈوکیٹ نے نہایت غیورانہ جواب۔دیا کہ آپ لوگوں نے

ہمارے ساتھ کیا خاص سلوک یا رعایت کی ہے اور آپ آئندہ کیا کریں گے۔ گفتگو میں قدرے تلخی پیدا ہوگئی۔ گفتگو کا یہ حصہ زیادہ تر انگریزی میں ہوا۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد نے بھی اس گفتگو میں مؤثر حصہ لیا اور جماعت کی خدمات پاکستان کا بھی تذکرہ فرمایا نیز بتلایا کہ ہم تو اپنے اصول کے مطابق حکومت سے تعاون کرتے ہیں۔ یہ ہماری مذہبی تعلیم ہے۔ ہمیں کوئی لالچ یا طمع نہیں ہے۔ اس مرحلہ پر وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم کی حلیمی اور بردباری نے پھر ماحول کو تحقیقی اور علمی بنا دیا۔ اور قریباً تین گھنٹے کی یہ مجلس آخر نہایت اچھی فضا میں ختم ہوئی۔

وزیر اعظم کے مجموعی تاثرات اور اعلان

خواجہ صاحب کے آخری بیان سے مترشح ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک جماعت احمدیہ کو منکر ختم نبوت ٹھہرانا یا انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینا بے معنی بات ہے۔ البتہ انہوں نے فرمایا کہ میں یہ اعلان کردوں گا کہ سرکاری ملازم تبلیغ نہ کیا کریں اور یہ اعلان سب فرقوں پر یکساں حاوی ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے چند روز بعد یوم پاکستان موقعہ پر اپنی تقریر میں یہ اعلان کر دیا تھا۔ (شکریہ وانتخاب از الفرقان)



حاصل مطالعہ

ہجری شمسی تقویم کا تیسرا مہینہ امان

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے عہد خلافت میں اہل حق کی قومی وملی زندگی کے لئے دینی روایات کو قائم کرنے کی کوشش فرمائی۔ اس سلسلے میں حضور کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ حضور نے اپنی جماعت میں سن عیسوی کی جگہ سن ہجری شمسی کو رائج فرمایا۔ حضور نے 28 دسمبر 1938ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر قادیان میں سیر روحانی کے موضوع پر بصیرت افروز تقریر میں فرمایا:۔

" قرآن فرماتا ہے کہ سورج اور چاند یہ دونوں حساب اور تاریخ بتانے کے لئے ہیں...... میں نے جب قرآن کریم میں ان آیات کو دیکھا اور ان پر غور وتدبر کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ واقعہ میں تاریخ اور حساب کے ساتھ سورج اور چاند دونوں کا بہت بڑا تعلق ہے اور یہ علوم کبھی ظاہر نہیں ہو سکتے تھے اگر سورج اور چاند کا وجود نہ ہوتا......

مجھے خیال آیا کہ چاند سے تو ہم پھر بھی کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہجری قمری ہم میں جاری ہے جس سے لوگ بہت کچھ فائدہ اٹھاتے ہیں مگر سورج سے تو ہم بالکل فائدہ نہیں اٹھا رہے...... میرے نزدیک ضروری تھا کہ جس طرح ہجری قمری بنائی گئی تھی اسی طرح ہجری شمسی بھی بنائی جاتی اور ان دونوں سے فائدہ اٹھایا جاتا۔

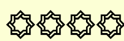
سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جنوری 1939ء کے آغاز میں ہی تقویم ہجری شمسی کی ترویج کے لئے ایک سب کمیٹی قائم فرمائی۔ جس کی تجاویز کے مطابق جنوری 1940ء سے ہجری شمسی کیلنڈر کا آغاز ہوا۔ اور فیصلہ ہوا کہ مروجہ عیسوی کیلنڈر کے کسی سال اور کسی مہینہ کے آغاز کے دن اور اس کے مقابل کے ہجری شمسی سال اور مہینہ کے آغاز کے دن میں اب کوئی فرق نہیں ہوگا اور 1319 ہش کے آغاز کا دن وہی ہوگا جو 1940ء کے آغاز کا دن تھا۔

رسول اللہ ﷺ 25 ذیقعد 10ھ کو اس حج پر روانہ ہوئے جو آپ کی زندگی کا آخری حج تھا۔ آپ کے ہمراہ ایک لاکھ 24 ہزار صحابہ کرامؓ بھی تھے۔ ذی الحجہ کی 4 تاریخ کو صبح کے وقت مکہ مکرمہ آپ کے قدم مبارک سے مشرف ہوا اور 9 ذی الحجہ مطابق 6 مارچ 632ء کو جمعہ کے روز عرفات کا میدان اسلام کی شان وعظمت کا بہترین نمونہ بن گیا۔ کے اواخر تک پورا جزیرہ نمائے عرب اسلام قبول کر چکا تھا۔ کہیں کہیں یہودیوں، عیسائیوں اور زرتشتیوں کی چھوٹی موٹی آبادیاں اپنے اپنے مذہب پر قائم تھیں لیکن وہ اسلامی مملکت کی بالادستی تسلیم کرتے تھے جو رواداری اور ان کے داخلی معاملات میں عدم مداخلت کی پالیسی پر گامزن تھی۔ یمن سے عراق کے انتہائی جنوبی صوبوں تک اور فلسطین پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔

10ھ اس مقام پر آپ نے دوپہر کے وقت وہ تاریخی خطبہ دیا۔ جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے۔ اس خطبہ میں آپ نے لوگوں کو جامع طور پر دینی اور دنیوی امور کے متعلق شرعی احکام سنائے۔ یہی وہ خطبہ ہے جس میں آپ نے بطور خاص عورتوں سے حسن سلوک کی نصیحت فرمائی اور لوگوں کو ان پر ظلم کرنے سے منع فرمایا آپ نے فرمایا کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے بھی ان پر کچھ حقوق ہیں۔ اس حج کے موقع پر ہی رسول اکرمؐ پر وہ مشہور آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ ہے"میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کاملہ کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے مذہب اسلام کو پسند کر لیا"۔

آنحضرت ﷺ نے 10ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

اے لوگو میری بات سنو۔ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد میں کبھی تم سے اس جگہ پھر ملوں گا یا نہیں۔ اے لوگو تمہاری جان اور تمہارے مال کی حرمت تم پر واجب کر دی گئی ہے جس طرح آج کا دن اور آج کا مہینہ حرمت والا ہے۔ تم ضرور اپنے رب سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی جواب طلبی کرے گا اور میں نے یہ پیغام اچھی طرح پہنچا دیا ہے۔ (سیرت ابن ہشام جلد 2 ص 603)







آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بے وقت موت اور سانحہ پلوامہ

اصغر علی بھٹی مغربی افریقہ



''اسلام دنیا کے ایک دور دراز گوشے یعنی عرب کے بیابانوں سے طوفان کی طرح اٹھا اور چشم زدن میں دنیا پر چھا گیا۔اس نے دیوتاؤں کو جو ابتدائے آفرینش سے انسان پر حکومت کر رہے تھے ان کی مسندوں سے اُتار پھینکا۔صدیوں کے قدیم رسم و اوہام کو جڑ سے اُکھیڑ ڈالا۔اور ان تمام تہذیبوں کا قلع قمع کر دیا جن کی بنیادیں انسان کی غلامی پر اٹھائی گئی تھیں۔ایک سو پچیس سال کی مدت انسانی تاریخ میں، بلکہ کسی قوم کی تاریخ میں بھی کیا حیثیت رکھتی ہے؟لیکن اسلام اتنی مدت کے اندر اطلانطک سے سپین تک اور چین کی سرحد سے مصر تک پھیل گیا۔اور صحرا کے فرزندوں نے تہذیب وتمدن کے تمام پرانے مرکزوں پر قبضہ کر لیا مثلاً۔دمشق،اسکندریہ،ہندوستان اور ان تمام مقامات پر جو سمیری اور آشوری تہذیبوں سے منسوب ومتعلق تھے۔مورخین نے اکثر یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر معاویہؓ کا محاصرہ قسطنطنیہ کامیاب ہو گیا ہوتا۔یا اگر جنوبی فرانس اور طورس کے میدانوں میں چارلس مارٹل کے خلاف جنگ کرتے ہوئے عبدالرحمن کے مجاہدین میں دفعتہً عربوں کی لوٹ مار کی پرانی جبلت بیدار نہ ہوئی ہوتی تو آج دنیا کی حالت کیا ہوتی۔شاید مسلمان کولمبس سے بہت پہلے امریکہ دریافت کر چکے ہوتے۔اور ساری دنیا مسلمان ہو گئی ہوتی''

اگر 656 میں ابن علقمی وزیر اعظم کی حیثیت سے اپنے ہی خلیفہ معتصم باللہ کی عباسی خلافت کے خلاف اپنے ہی ملک اور اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خلاف خفیہ ساز باز کرتے ہوئے ہلاکو خان جیسے مشرک جلاد کو حملہ کی دعوت نہ دیتا جس نے چار لاکھ مسلمانوں کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ تمام لائبریریوں کو بھی آگ لگا دی تو شائد آج ماڈرن دنیا کا ہوسٹن بغداد ہوتا۔قصریانہ کا حاکم ابن حمود اگر غداری نہ کرتا تو شاید سسلی پر آج بھی اسلامی پھریرا لہرا رہا ہوتا۔مشرقی ہندوستان میں میر جعفر کی پلاسی کی جنگ میں غداری کی رگ نہ پھڑکتی تو شائد ہندوستان کبھی انگریزی استعمار کے پنجے میں نہ آتا۔جنوبی ہند میں سرنگا پٹم کے محاصرے میں میر صادق اندر سے اور حیدر آباد دکن کے والی نظام باہر سے سلطان ٹیپو شہید کے خلاف انگریز کے دست وبازو نہ بن جاتے تو شائد ہندوستان دنیا کے نقشے پر نئی ایجادات کا امین ہوتا۔اور اگر 1933 میں احراری قیادت لاحاصل ایڈونچر کرتے ہوئے کشمیر میں احراری دستے داخل نہ کرتی اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے خلاف ان کا کینہ اور حسد کشمیر کمیٹی کو بے وقت موت سے دوچار نہ کرتا تو شائد کشمیر پاک وہند سے بھی بہت پہلے آزادی کی نعمت سے سرفراز ہو کر ماڈرن دنیا کا سوئٹزرلینڈ بن چکا ہوتا۔اور آج کسی پلوامہ کا قصہ درد نہ ہوتا اور ہندو پاک کی کسی جنگ کی باتیں نہ ہوتیں۔مگر کیا جائے کہ یہ دنیا خوابوں کی جا نہیں ہے۔

وادی کشمیر کے ستم رسیدہ اور مظلوم مسلمانوں پر ظلم وبربریت کا ہولناک دور 16 مارچ 1846 کے منحوس دن سے شروع ہوا۔جب انگریزی حکومت نے 75 لاکھ روپیہ ایک گھوڑا 12 بکریاں اور 6 جوڑا شال سالانہ خراج کے بدلے کشمیر اور دریائے سندھ کے مشرق اور دریائے راوی کے مغرب کا تمام علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے''جانشین ہائے نرینہ''کو دے دیا۔اور یوں کشمیر کے لکھوکھا مسلمان عملاً فروخت کر دیئے گئے اور غلام بنا دیئے گئے۔مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنے ناروا عزائم کی تکمیل کے لئے مسلمان نوابوں میں سے کسی کو درگ میں ڈالا جو کنوئیں کی شکل کا ایک گڑھا ہوتا تھا،کسی کی آنکھیں نکلوائیں،اور کسی کو سامنے کھڑا کر کے کھال اُتروا دی۔مہاراجہ گلاب سنگھ کے بعد اگست 1857 میں رندھیر سنگھ وارث ہوا جو قدرے نرم مزاج تھا مگر 12 ستمبر 1885 کو اس کی وفات کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ جانشین ہوا جو کٹر ہندو اور پنڈتوں کا غالی مرید تھا۔رسالہ پنجاب ریویو مارچ 1887 کے مطابق اس کے زمانے میں کشمیری مسلمانوں کی حالت افریقہ کے وحشیوں کی حالت سے ذرا کم نہ تھی۔کرنل اے ڈیورنڈ نے اپنی کتاب میکنگ آف اے فرنٹیر میں اس دور کے ڈوگرہ راج کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ سپاہی مزدوروں سے کتوں کا سا سلوک کرتے اور انہیں اس طرح سے پیٹتے تھے جیسے کوئی بوجھ اُٹھانے والا جانوروں کو پیٹتا ہے۔ایک اور غیر ملکی سیاح مسٹر ای، ایف نائٹ رکن مہم کرنل ڈیورنڈ نے 1891 میں کشمیر کے دیہاتی مسلمانوں کی دردناک حالت کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ''جب کشمیر کے بےگاری سرینگر سے گلگت تک سامان رسد لے جانے کے لئے لگائے جاتے ہیں تو ان کی حالت قابل رحم ہوتی ہے۔۔۔یہ بیگاری گلگت کی سنگلاخ اور دشوار گزار راہوں پر منوں بوجھ اُٹھا کر بڑے صبر سے چلتے رہتے ہیں۔ان میں سے کئی بھوک،پیاس،اور تھکاوٹ کی وجہ سے چور ہو کر پگڈنڈیوں پر ہی جاں بحق ہو جاتے ہیں۔اور سینکڑوں نیم عریانی کے باعث برفانی سردیوں کی تاب نہ لا کر مرجاتے ہیں۔جب کسی شخص کو اس کے گاؤں سے بیگار کے لئے پکڑا جاتا ہے تو گھروں میں کہرام مچ جاتا ہے اس کے بیوی بچے چیختے اور چلاتے ہیں اور اس بدنصیب انسان سے چمٹ جاتے ہیں

کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اب وہ اس کی صورت دوبارہ نہیں دیکھیں گے“۔مہاراجہ پرتاب سنگھ ہندو پنڈتوں کے ساتھ مل کر کشمیر سے افغانستان تک ہندو راج قائم کرنے کی سازش میں مصروف رہا چنانچہ اس دور میں ہندو اخبار ملاپ نے 15 مئی 1925 کو راجہ کی پالیسی کے متعلق لکھا ”ہم ایک نیا گل کھلائیں گے اور اس گل کی مہک کابل سے کلکتہ اور کشمیر سے راس کماری تک پھیل جائے گی ۔۔پورن شدھی ہو گی اور افغانستان اور سرحد کی فتح ہو گی“۔مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے لاولد مرنے پر ستمبر 1925 میں اس کا بھتیجا سر ہری سنگھ مسند آراء ہوا اور یہیں سے مسلمانوں پر ایک نئے ظلم کا دور شروع ہوا۔ظلم کی اس کالی رات کے خلاف انقلاب انگیز دور کا آغاز 29 اپریل 1931 کو ہوا جب ایک آریہ ڈپٹی انسپکٹر کی طرف سے عید الاضحیہ کے دن عید کے بعد خطبہ مسنونہ سے روک دیا گیا۔اور اڑا رہا کہ صرف نماز ہوسکتی ہے لیکچر نہیں۔اسی کے پانچ دن بعد ایک ہندو سارجنٹ کی طرف سے ایک مسلمان کے ہاتھوں سے قرآن کریم کو چھین کر زمین پر پٹخ دینے کی جسارت نے پوری وادی میں ایک سرے سے دوسرے تک آگ لگا دی۔اسی زمانہ میں ریاسی کی مسجد گرا دی گئی اور ڈھگوار اور کوٹلی میں نماز پڑھنے پر پابندی لگا دی گئی۔13 اور 14 جولائی کو جامع مسجد سرینگر میں ایسی خون کی ہولی کھیلی گئی کہ ہزاروں مسلمان خون میں نہلا دیئے گئے جس کے خلاف 17 روزہ ہڑتال کی گئی۔جس کے خلاف پہلی دفعہ وادی کی مسلمان عورتیں ہزاروں کی تعداد میں احتجاج کے لئے سڑکوں پر آگئیں۔چنانچہ اس دردناک پس منظر میں 25 جولائی 1931 کو برصغیر کے دردمند راہنما شملہ میں سر نواب ذوالفقار علی خاں صاحب آف مالیر کوٹلہ کی رہائش گاہ Fair view پر اکٹھے ہوئے۔امام جماعت احمدیہ،علامہ سر ڈاکٹر اقبال،شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دہلوی،سر فضل حسین،سر ذوالفقار علی خان،جناب نواب صاحب آف کنج،خان بہادر شیخ رحیم بخش صاحب ریٹائرڈ سیشن جج،سید محسن شاہ صاحب ایڈووکیٹ لاہور سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کانفرنس،مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی امرتسری،مولوی نور الحق صاحب مالک ”مسلم آوٹ لک“ لاہور،سید حبیب صاحب ایڈیٹر ”سیاست“ لاہور ان کے علاوہ مولوی میرک شاہ صاحب سابق پروفیسر دیوبند و اورینٹیل کالج لاہور نمائندہ کشمیر اور جناب اللہ رکھا ساگر صاحب نمائندہ جموں اور صاحبزادہ سر عبد القیوم کے بھائی صاحبزادہ عبد الطیف صاحب نمائندہ سرحد سمیت ہندوستان کی 65 قد آور شخصیات نے اس اجلاس میں شرکت کی۔غور وفکر کے بعد اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کی مدد کے لئے پہلے ہی اجلاس میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی بنانے کا اعلان کر دیا گیا اور سر ڈاکٹر علامہ اقبال کے پرزور اصرار پر امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمودؓ کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا پہلا صدر منتخب کر لیا گیا۔اور اس کے ساتھ ہی حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد سابق امام مسجد لندن کو سیکرٹری کمیٹی تجویز کر دیا گیا۔آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی ان تھک محنت رنگ لانے لگی اور آل انڈیا مسلم لیگ اور کشمیری کانفرنس دونوں کشمیر کمیٹی کی حمائت کرنے لگ گئیں۔کشمیر مظلومین کے لئے کشمیر ریلیف فنڈ قائم کر دیا گیا جس میں ہر احمدی کو ایک پائی فی روپیہ کے حساب سے چندہ دینا لازمی قرار دے دیا گیا۔پبلسٹی سیل قائم کر دیا گیا،جس نے ”مسلمان کشمیر“ اور ”ڈوگرہ راج“ ”کشمیر کے حالات اور مسئلہ کشمیر“ اور ”ہندو مہا سبھائی“ جیسی کتابیں لکھوائیں اور اردو انگریزی میں وسیع پیمانے پر ہینڈ بل،اور ٹریکٹ چھاپ کر تقسیم کرنا شروع کر دیئے۔”سن رائز“ ”الفضل“ اور ”پیغام صلح“ جیسی اخبارات نے مسلسل اداریے اور کالم لکھنا شروع کر دیئے۔اسی طرح سے ”انقلاب“ لاہور ”سیاست“ لاہور ”منادی“ دہلی ”ہمت“ لکھنو نے کشمیر کمیٹی سے خاص تعاون کرنا شروع کر دیا۔اسی دوران آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے گریجویٹ اور مولوی فاضل لوگوں کو آنریری خدمات کے لئے آگے آنے کی تحریک کی جس پر سینکڑوں پڑھے لکھے نوجوان آگے آئے ان کو کشمیری عوام کی راہنمائی کے لئے کشمیر کے گاؤں گاؤں بھیج دیا گیا۔ڈوگرہ راج کے مظالم کے خلاف ایک ”انجمن اطفال الاسلام“ بنا دی گئی جو مختلف کتبے اُٹھا کر جلوس کی شکل میں نعرے لگاتے ہوئے گلی کوچوں میں سے گزرتے جب پولیس آتی تو بتر بتر ہو جاتے۔اور کسی دوسری گلی میں اکٹھے ہو جاتے۔عورتوں کی جماعت بھی اسی پیٹرن پر بنائی گئی۔لیکن اس کا طریق زیادہ سنجیدہ اور مستور تھا۔ایک سائیکلوسٹائل کے ذریعہ ہر روز پمفلٹ چھاپ کر تقسیم کئے جاتے اور نمایاں جگہوں پر چسپاں کئے جاتے۔دیکھتے دیکھتے چند دنوں کے اندر سرینگر اور جموں جیسے شہروں کی طرح ریاست کے چھوٹے چھوٹے قصبات میں بھی مسلمانوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور انقلاب آزادی کے پرچم لہرانے لگے۔آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے 14 اگست 1931 کو ”یوم کشمیر“ منانے کا اعلان کر دیا۔چنانچہ ہندوستان کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں 14 اگست کو یوم کشمیر بڑے اہتمام سے منایا گیا۔چنانچہ تمام تر ڈوگرہ پابندیوں کے باوجود سری نگر کی جامع مسجد میں کامیاب جلسہ ہوا جس میں ایک لاکھ فرزندان توحید جمع ہوئے۔سٹیج پر چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں اور بچیوں کو لایا گیا جن کے باپ ظالم ڈوگرہ راج کا شکار ہوئے تھے یہ نظارہ بڑا ہی دردناک تھا سارا جلسہ گاہ ماتم کدہ بن گیا۔یوم کشمیر کے ان پر امن مظاہروں پر گولیاں چلا دی گئیں۔مساجد کو بند کر کے محاصرے میں لے لیا گیا۔چنانچہ کشمیر کمیٹی نے ان مظالم کے خلاف آواز کو انٹرنیشنل فورم پر اٹھانے کا پروگرام بناتے ہوئے امریکہ،سماٹرا،جاوا،عرب مصر وشام میں ایک مہم شروع کی مگر سب سے زیادہ توجہ انگلستان کی برطانوی حکومت،برطانوی پریس اور برطانوی عوام پر دی۔جناب عبد المجید سالک صاحب نے لکھا ”انگلستان میں آل انڈیا کشمیر

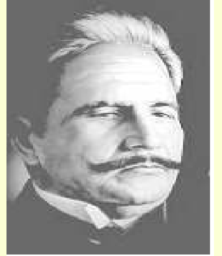
کمیٹی نے جو کام کیا وہ ہندوستان کے کام سے کہیں زیادہ بیش بہا تھا''۔ جناب چوہدری غلام عباس صاحب نے اپنی سوانح عمری میں لکھا کہ'' آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی معرفت ہماری شکایات سمندر پار کے مسلمانوں میں بھی زبان زدعام ہوگئیں''۔ ان حالات میں راجہ کشمیر نے کانگریس سے مدد مانگ لی۔اور کانگریس کے ذیلی ادارے احرار کو آگے بڑھایا گیا۔ چنانچہ 13 ستمبر 1931 کو سیالکوٹ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے جلسہ پر سنگ باری کروادی گئی انہوں ایک طرف قادیانی فیکٹر کا نعرہ بلند کردیا اور دوسری طرف آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی جگہ اپنی خدمات پیش کردیں اور خود ہی آگے بڑھ کر تحریک آزادی کو اپنے ہاتھوں میں لینا شروع کردیا۔ اسی دوران حکام کشمیر نے مولانا ابوالکلام آزاد اور سر تیج بہادر سپرو کو کشمیر بلایا تا ان کے اثر سے تحریک ختم کی جاسکے اور انہوں نے جاتے ہی اعلانات کرنا شروع کردیئے ''کہ ایجی ٹیشن چھوڑ کر مہاراجہ کی ذات پر اعتماد کریں''۔ تمام ہندو اور احراری پریس یک زبان قادیانی تبلیغ پروپیگنڈہ کا سہارا لے کر کشمیری کاز پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔کٹر متعصب ہندو اخبار ملاپ کشمیری حکومت کو متوجہ کرکے لکھتا ہے کہ ''شرارت کا منبع اس قدر ریاست کے اندر نہیں جتنا کہ برٹش پنجاب میں ہے۔ یہاں کے قادیانی ہندو دھرم ،قوم پرستی ،کانگریس یا گاندھی کے سخت دشمن ہیں۔احرار کی سرگرمیوں کا کوئی نوٹس نہیں لینا چاہئے ان کی ایجی ٹیشن خالی خولی ہے۔''احرار نے بھی کام جاری رکھا اور بقول اخبار سیاست''اس جماعت احرار نے اہل الرائے مسلمانوں کے مشورے کے خلاف کشمیر کو جتھے روانہ کرنے شروع کردیئے۔ جو آخر کار نا کام ہو کر رسوائی کا موجب بنے اس کا فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہوا۔ ان جارحانہ اقدام سے حکومت پنجاب و ہند بھی برگشتہ ہوگئیں''۔ احرار کے اس بدلے تیور پر جناب سید حبیب مدیر سیاست اور ابتدائی کارکن آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے لکھا ''مظلومین کشمیر کی امداد کے لئے صرف دو جماعتیں پیدا ہوئیں۔ایک کشمیر کمیٹی اور دوسری احرار۔ تیسری جماعت نہ کسی نے بنائی نہ بن سکی۔ احرار پر مجھے اعتبار نہ تھا۔اور اب دنیا تسلیم کرتی ہے کہ کشمیر کے یتامیٰ ،مظلومین اور بیواؤں کے نام سے روپیہ وصول کرکے احرار شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے۔ ان میں سے ایک لیڈر بھی ایسا نہیں ہے جو بالواسطہ یا بلا واسطہ اس جرم کا مرتکب نہ ہوا ہو۔کشمیر کمیٹی نے انہیں دعوت اتحاد عمل دی۔مگر اس شرط پر کہ کثرت رائے سے کام ہو اور حساب باقاعدہ رکھا جائے انہوں نے دونوں اصولوں کو ماننے سے انکار کردیا۔لہذا میرے لئے سوائے ازیں چارہ نہ تھا کہ میں کشمیر کمیٹی کا ساتھ دیتا اور میں یہ بہ بانگ دہل کہتا ہوں کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے صدر کشمیر کمیٹی نے تندہی، محنت ، ہمت جانفشانی اور بڑے جوش سے کام کیا اور اپنا روپیہ بھی خرچ کیا اور اس کی وجہ سے میں ان کی عزت کرتا ہوں''۔اس احرار اور کانگریس کی اُڑتی دھول میں بھی کشمیر کمیٹی نے کام جاری رکھا۔ مجبوراً 12 نومبر 1931 کو مہاراجہ کشمیر کو ابتدائی انسانی حقوق دینے کا اعلان کرنا پڑتا ہے۔ جو تحریک آزادی کشمیر کی پہلی فتح تھی۔جس کے نتیجے میں 29 نومبر کو''پتھر مسجد''جس پر مدت مدید سے سرکاری قبضہ تھا اور جسے سرکار نے گودام بنایا ہوا تھا کا قبضہ عوام کو دے دیا گیا۔کشمیر میں یہ دن کسی عید سے کم نہ تھا۔ اس اعلان سے جدوجہد آزادی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ مڈلٹن کمیشن اور گلانسی کمیشن کا اعلان کردیا گیا۔کشمیر کمیٹی نے ان دونوں کمیشنوں کے سامنے کشمیری کیس بہت مہارت کے ساتھ پیش کروایا۔گلانسی کمیشن نے مسلمانوں کے اکثر حقوق و مطالبات کی سفارش کردی جس پر ہندو پریس نے احتجاجاً لکھا کہ کشمیر کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے۔ 23 مارچ 1932 کو کمیشن کی رپورٹ مکمل ہوئی اور 10 اپریل 1932 کو راجہ نے اس کی منظوری دے دی۔ یوں چند ماہ کی آئینی جدوجہد سے اہل کشمیر کو اکثر و بیشتر حقوق قانوناً حاصل ہوگئے۔ نہ صرف ڈوگرہ ریاست نے بلکہ ایک طرح سے انگریزی حکومت نے بھی ہتھیار ڈال دیئے تھے اور کشمیر کا صدیوں کا غلام آزاد ہوا میں سانس لینے لگ گیا تھا۔ جب کشمیری قوم اپنی آزادی کے سفر کی طرف گامزن تھی انہی لمحوں نیم سرکاری اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ میں 4 مئی 1933 کو یہ اعلان شائع ہوا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے بعض ممبران نے یہ درخواست بھیجی ہے کہ آئندہ سے کشمیر کمیٹی کا صدر غیر قادیانی ہوا کرے۔ چنانچہ 7 مئی 1933 کو سیسل ہوٹل لاہور میں اجلاس منعقد ہوا جس میں امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ نے اپنا استعفیٰ پیش کردیا۔ ڈاکٹر علامہ اقبال کو اگلا صدر اور ملک برکت علی صاحب کو سیکرٹری مقرر کردیا گیا۔ مگر اگلے ہی مہینے 20 جون 1933 کو علامہ اقبال نے استعفیٰ دے دیا۔اور ساتھ ہی آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو ختم کرکے ایک جلسہ کرکے نئی کمیٹی بنانے کا مشورہ بھی دے دیا۔ برا ہو تعصب و حسد کا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی بے وقت گور میں اتار دی گئی۔ کشمیری آج بھی ہندو گولی اور گالی کھا رہے ہیں لیکن کیا ہے کہ ہمارا سینہ تو ٹھنڈا ہوگیا کہ کہیں یہ سہرا قادیانی نہ لے جائیں ۔کشمیری گو د آج بھی جب اُجڑتی ہے تو وہ یاد کرتی ہے ان جبہ پوشوں کو جو احراری جتھوں کے ساتھ اچانک وارد کشمیر ہوئے چند دن ہلہ گلہ کیا۔ کھایا پیا اور پھر شیخ عبداللہ قادیانی، یہ قادیانی وہ قادیانی کے نعرے لگائے اور جس طرح رات کے اندھیرے میں وارد ہوئے اسی اندھیری اور تپلی گلی سے قوم کی لٹیا ڈبو کر غائب ہوگئے۔ اگر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی قومی خدمت کی اتنی بے وقت اور دردناک موت نہ ہوتی تو شائد آج کوئی پلوامہ نہ ہوتا کسی کو عادل ڈار بن کر موت کو گلے نہ لگانا پڑتا۔





شاعرمشرق احراری ''لیپا پوتی'' سے پہلے اور بعد

(مراسلہ شاہین سانگلوی)



سلسلہ احمدیہ میں سیالکوٹ شہر کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام دعویٰ سے پیشتر ایک لمبا زمانہ اس شہر میں قیام پذیر رہے۔اس شہر کے معزز اہلِ علم آپ ؑ کی عظمتِ روحانی اور آپ ؑ کی علمی قابلیت سے خوب آشنا تھے۔علاّمہ میر حسن جو ڈاکٹر سر اقبال کے استاد تھے ان ہی اہلِ علم لوگوں میں سے ایک تھے جو حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی پاکیزہ زندگی کے چشم دید گواہ تھے اور اس سے متاثر تھے۔انہی پرمحبت ایام کی یاد میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام سیالکوٹ کو اپنا دوسرا وطن کہا کرتے تھے۔علاّمہ اقبال سیالکوٹ کی مردم خیز زمین کے ایک ہونہار پھل تھے۔قدرت نے انہیں اعلیٰ دماغی قابلیتوں سے نوازا تھا۔علاّمہ اقبال کا جوانی کا عالم تھا،ان کی عمر اندازاً 20۔21 سال ہوگی۔اُن دنوں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام اشاعتِ اسلام کے لئے پادریوں سے جنگ مقدس کا آغاز کر چکے تھے۔پادری آپ ؑ کے دلائل کے سامنے عاجز ہو رہے تھے۔مگر علماء کی طرف سے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی شدید مخالفت شروع ہوگئی تھی۔آپ ؑ کے خلاف فتوے جاری تھے اور آپ ؑ پر ایمان لانے والوں کو سخت اذیتیں پہنچائی جا رہی تھیں۔لدھیانہ کے ایک مولوی سعد اللہ سعدی کی گالیوں کے جواب ایک نظم لکھی جسے خوب شائع کیا گیا معلوم ہوتا ہے کہ یہ علامہ موصوف کی نصرتِ حق کے لئے پہلی کوشش تھی۔حضرت شیخ یعقوب علی صاحب ؓ مرحوم نے اپنی کتاب آئینہ حق نما میں اسے شائع کرکے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

علامہ کی زندگی کا دورِاوّل

علاّمہ موصوف کی مندرجہ بالا نظم حسب ذیل ہے۔

واہ رے سعدیؔ دیکھ لی گندہ دہانی آپ کی
خوب ہو گئی مہتروں میں قدر دانی آپ کی

بیت ساری آپ کی بیت الخلا سے کم نہیں
ہے پسندِ خاکر وہاں شعر خوانی آپ کی

تیلیاں جاروب کی لیتے وہ خامہ کے عوض
کھینچتے تصویر گر بہزاد دماغی آپ کی

ان دنوں کو فصلِ گل کہیئے یا دل کے پھول
ہر طرف ہوتی ہے سعدی گلفشانی آپ کی

آپ کے اشعار ہوتی ہیں مگر ی کے بغیر
گوشِ عالم تک یہ پہنچے ہیں زبانی آپ کے

گوہر بے راہ کھڑے ہیں آپ کے مُنہ سے سبھی
جان سے تنگ آ گئی ہے مہترانی آپ کی

ہر طرف سے آ رہی ہے یوں دُر دُر کی صدا
بھا گئی اہلِ سخن کو دُر نشانی آپ کی

آپ سے بڑھ کر عروضی کوئی دنیا میں نہیں
واہ صاحب شعر خوانی شعر دانی آپ کی

خاک کو ہم چاٹ کر یہ بات کہہ دیتے ہیں آج
تلخ کلامی ہو گئی ہے یہ شیریں دہانی آپ کی

جب ادھر سے بھی پڑیں گے آپ کو صابن کے مول
آپ پر کُھل جائے گی رنگیں بیانی آپ کی

کھاؤ گے فرمائشی سر پلپلا ہو جائے گا
پھر نکل جائے گی سر سے شعر خوانی آپ کی

دین اور ایمان کی دُم میں واہ نمدہ دے دیا
سارے عالم کی زباں پر ہے کہانی آپ کی

آفتابِ صدق کی گرمی سے گھبراؤ نہیں
حضرتِ شیطاں کریں گے سائبانی آپ کی

اشتہار آخری اک آنت ہے شیطان کی
سر بسر جس سے عیاں ہے خوش بیانی آپ کی

وہ مثل ہے طویلے کی بلا بندر کے سر
ہو گیا ہم کو یقین شامت ہے آنی آپ کی

رانڈ کی چرخے کی صورت کیوں چلے جاتے ہیں آپ
اہل عالم نے سبھی کو بکواس جانی آپ کی

بات رہ جاتی ہے دنیا میں نہیں رہتا وقت
آپ کو نادم کرے گی بد زبانی آپ کی

قوم عیسائی کے بھائی بن گئے پگڑی بدل
واہ کیا اسلام پر ہے مہربانی آپ کی

الراقم

شیخ محمد اقبال۔ایف اے کلاس مسکاچ مشن سکول سیالکوٹ

(آئینۂ حق نما صفحہ 107 شائع شدہ ستمبر 1912ء)

تاریخی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے سیالکوٹ سے انٹرمیڈیٹ پاس کر کے لاہور کالج میں داخلہ لیا۔یہ 1895ء کا زمانہ تھا۔بقول مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری ایڈووکیٹ 1899۔1997ء میں جب ڈاکٹر اقبال بی۔اے کی کلاس میں پڑھتے تھے تو آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں شامل ہو گئے۔اس کے بعد اپنے ماحول اور اپنے حالات کے ماتحت علّامہ موصوف علمی تحقیقات اور فلسفیانہ ترقی میں منہمک رہے اور شعر گوئی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔دنیوی ترقی ان کے شاملِ حال رہی۔

علّامہ اقبال نے زندگی بھر مختلف مواقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کے متعلق نہایت اچھے خیالات کا اظہار فرمایا۔اپنے ماحول کی وجہ سے اور شاعرانہ ترقی کے باعث وہ اس طرح احمدیت سے وابستہ تو نہ رہ سکے جس طرح چاہیے تھا تاہم ان کا دل اِس بات کی شہادت دیتا رہا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ ایک برگزیدہ شخصیت کی ایک جماعت ہے۔اِس سلسلہ میں ہم علّامہ موصوف کے اقوال بیانات اور تاثرات کا ایک مسلّمہ مجموعہ پیش کرتے ہیں۔

بانی سلسلہ ”سب سے بڑے دینی مفکر“

علّامہ اقبال نے 1900ء میں ایک مضمون لکھا جس کا ذکر انہوں نے ڈاکٹر نکلسن کے نام اپنے خط میں بایں الفاظ کیا ہے:۔

”میں نے آج سے تقریباً 20 سال قبل انسانِ کامل کے متصوفانہ عقیدہ پر قلم اٹھایا تھا۔اور وہ زمانہ ہے جب نہ تو نیٹشے کے عقائد کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا نہ اس کی کتابیں میری نظروں سے گزری تھیں۔“

علّامہ موصوف نے انسان کامل والے اس اہم مضمون میں یہ فقرہ بھی تحریر فرمایا ہے:

”موجودہ ہندی مسلمانوں میں مرزا غلام احمد قادیانی سب سے بڑے دینی مفکر ہیں“(رسالہ انڈین اینٹی کیوری 1900)

آنحضرتؐ کی بعثتِ ثانیہ اور اقبال

احمدیہ عقائد اس مرکزی نقطہ پر مبنی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہی زندہ ہیں اور اب تا قیامت آپؐ ہی کا دین قائم ودائم ہے اور حضور سرورِ کونین ﷺ کی روحانی تجلیات ہی دنیا میں کامل کارفرما رہیں گی۔جماعت احمدیہ قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں کے ضعف اور انحطاط کے زمانہ میں حضور علیہ السلام کی قوتِ قدسیہ غیر معمولی طور پر جلوہ گر ہونے والی ہے اور اسی کے ظہور کے ساتھ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز مقدر تھا۔احمدیہ عقیدہ کی رُو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت آپ کی ذاتی بعثت نہیں بلکہ درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بعثت ثانیہ ہے۔علّامہ اقبال زندگی بھر احمدی عقائد سے متاثر رہے اور مخالفت کے ماحول کے باوجود اور سیاسی رجحانات کے باعث اگرچہ زندگی کے آخری حصہ میں انہوں نے احمدیوں کے مخالفت کی ہے۔لیکن یہ کہنا قطعی طور پر غلط ہوگا کہ علامہ موصوف کے دل اور دماغ سے احمدیہ عقائد کا اثر زائل ہو گیا تھا۔ہمارے نزدیک ان کی مخالفت کا باعث محض سیاسی وجوہ ہیں اور اس مخالفت میں بھی احرار کا بڑا ہاتھ تھا جس کا قطعی ثبوت ہم آئندہ صفحات میں پیش کر رہے ہیں۔بہر حال یہ ایک واضح سچائی ہے کہ علامہ اقبال آخر تک احمدی عقائد سے متاثر رہے ہیں جس میں ایک نظریہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ کا ہے۔علامہ موصوف اپنے مکتوب مؤرخہ 19/جولائی 1916ء میں لکھتے ہیں:۔

”کاش کہ مولانا نظامی کی دعا اس زمانے میں مقبول ہو اور رسول اللہ ﷺ پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بےنقاب کریں۔“

(مکاتیب اقبال حصّہ اول صفحہ 41)

اس سلسلہ میں علّامہ اقبال کے دوسرے مکتوب مؤرخہ 20/اپریل 1922ء کے مندرجہ ذیل الفاظ بھی قارئین کے لئے جاذبِ توجہ ہیں، لکھا ہے:۔

”حال کے ہیئت دان کہتے ہیں کہ بعض سیّاروں میں انسان یا انسانوں سے اعلیٰ مخلوق کی آبادی ممکن ہے اگر ایسا ہو تو رحمۃ العالمین کا ظہور وہاں بھی ہے۔اس صورت میں کم از کم محمدیّت کے لئے تناسخ یا بروز لازم آتا ہے۔“

(مکاتیبِ اقبال حصہ اوّل صفحہ 117)

علامّہ موصوف نے اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر احمدیت کی مخالفت کرتے ہوئے پروفیسر الیاس برنی کے نام جو خط 27/مئی 1937ء کو لکھا اس کے یہ فقرے بھی محققین کے لئے قابلِ توجہ ہیں، لکھتے ہیں:۔

”قادیانی تحریک یا یوں کہیئے کہ بانی تحریک کا دعویٰ سلسلۂ بروز پر مبنی ہے۔مسئلہ مذکور کی تحقیق تاریخی لحاظ سے ازبس ضروری ہے۔“

(مکاتیبِ اقبال حصّہ اول صفحہ 419)

ظاہر ہے کہ علّامہ اقبال کا ذہن بروز کے مسئلہ میں آ کر صاف نہ تھا اور انہیں اس بات کا اعتراف تھا کہ بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام کا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز ہونے کا دعویٰ ہے۔آپؐ سے علیحدہ ہو کر یا آپؐ کے مدّمقابل ہو کر آپؐ کا کوئی دعویٰ نہیں ہے اور یہ مسئلہ بروز بعض صورتوں میں علامہ کے نزدیک بھی محمدیت کے لئے ضروری ہے۔نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ خود علامہ کے نزدیک یہ مسئلہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، خود احمدیوں کا ایجاد کردہ نہیں ہے۔

وفاتِ مسیح اور علّامہ اقبال

یہ بات تو سب کو معلوم ہے اور کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ علامہ اقبال آخری سانس تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی وفات کے قائل تھے اور انہوں نے کبھی بھی حضرت عیسیٰؑ کو اس طرح آسمانوں پر زندہ نہیں مانا جس طرح آسمانوں پر زندہ ماننے کو غیر احمدی علماء مسلمان ہونے کے لئے لازمی قرار دیتے ہیں۔ احمدیت کی مخالفت کے دَور بھی علّامہ نے احمدیوں کے وفاتِ مسیحؑ کے موقف کو ہمیشہ معقول قرار دیا اور اس کا برملا اعتراف کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

''جہاں تک مَیں اس تحریک کے منشاء کو سمجھا ہے احمدیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیحؑ کی موت ایک عام فانی انسان کی موت تھی اور رجعتِ مسیحؑ گویا ایسے شخص کی آمد ہے جو رُوحانی حیثیت سے اس کا مشابہ ہے اس خیال سے اِس تحریک پر ایک طرح کا عقلی رنگ چڑھ جاتا ہے۔'' (علّامہ اقبال کا پیغام اسلامیہ کے نام 22۔23)

احراری اخبار مجاہدؔ علّامہ اقبال کا بیان بایں الفاظ شائع کرتا ہے:۔

''مرزائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک فانی انسان کی مانند جامِ مرگ نوش فرما چکے ہیں نیز یہ کہ ان کے دوبارہ ظہور کا مقصد یہ ہے کہ رُوحانی اعتبار سے اُن کا ایک مثیل پیدا ہو گا کسی حد تک معقولیت کا پہلو لئے ہوئے ہے۔''

(اخبار مجاہدؔ لاہور 13 رفروری 1935ء)

اس کے معنے یہ ہیں کہ علامہ اقبال کے نزدیک مسیح علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ ماننا کوئی معقول عقیدہ نہیں ہے اس کے برعکس وہ احمدیوں کے عقیدہ کو اخیر تک معقولیت پر مبنی قرار دیتے ہیں۔

مسئلہ جہاد کے متعلق علّامہ اقبال کا موقف

احمدیت کے دشمن ہمیشہ سے اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ احمدیت بے جا اسلام کے نام پر جنگ کرنے کو جائز قرار نہیں دیتی اور جب تک مذہبی آزادی حاصل ہوتب تک مسلمان کو خواہ مخواہ جنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ غیر احمدی علماء احمدیوں کے اس اسلامی عقیدہ کو ہمیشہ قابلِ اعتراض گردانتے رہے ہیں۔ غیر احمدی علماء کے نزدیک جماعت احمدیہ کا موقف قرآن مجید کے مطابق نہیں ہے۔ آیئے آپ علّامہ اقبال کا موقف مسئلۂ جہاد کے بارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ وہ مولوی ظفر احمد کے نام اپنے خط مؤرخہ 12 ردسمبر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''معترض کا یہ کہنا کہ اقبال اِس دَورِ ترقی میں جنگ کا حامی ہے غلط ہے۔ مَیں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی مسلمان شریعت کے حدودِ معیّنہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہوسکتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی رُو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں۔ محافظانہؔ اور مصلحانہؔ۔ پہلی صورت میں یعنی اِس صورت میں جب کہ مسلمانوں پر ظلم کی جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے مسلمان کو تلوار اُٹھانے کی اجازت ہے (نہ حکم)۔ دوسری صورت میں جس میں جہاد کا حکم ہے 49:9 میں بیان ہوئی ہے۔ اِن آیات کو غور سے پڑھیئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ چیز جس کو سموئیل اور جمیعت اقوام کے اجلاس میں Collective Sevurity کہتا ہے قرآن نے اس کا اصول کس سادگی اور فصاحت سے بیان کیا ہے۔ اگر گزشتہ زمانہ کے مسلمان مدبّرین اور سیاسیین قرآن پر تدبر کرتے تو اسلامی دنیا میں جمیعتِ اقوام کے بنے ہوئے آج صدیاں گزر گئی ہوتیں جمیعتِ اقوام جو زمانہ میں حال بنائی گئی ہے اس کی تاریخ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جب تک اقوام کی خودی قانون الٰہی کی پابند نہ ہو امنِ عالم کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی۔ جنگ کی مذکورہ بالا دو صورتوں کے سوائے میں اَور کسی جنگ کو نہیں جانتا۔ جوع الارض کی تسکین کے لئے جنگ کرنا دینِ اسلام میں حرام ہے علیٰ ہٰذاالقیاس دین کی اشاعت کے لئے تلوار اٹھانا بھی حرام ہے۔''

(مکاتیبؔ اقبال حصّہ اول صفحہ 303۔304)

اِس اقتباس سے ظاہر ہے کہ علامہ کا موقف جہاد کے بارہ میں آخر زندگی تک بالکل وہی رہا جو جماعتِ احمدیہ کا موقف ہے۔ مذہب کی اشاعت کے لئے یا جبر و اکراہ کے لئے جنگ کرنے کا اسلام کی رُو سے کوئی جواز نہیں۔ البتہ دفاعی جنگیں جائز ہیں جس کے لئے قرآن مجید نے خود شرائط مقرر کر دی ہیں۔ یہی جماعتِ احمدیہ کا موقف ہے اور اس موقف کو علامہ اقبال نے آخر تک اختیار کئے رکھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح سے علّامہ اقبال کا مذہبی مشورہ



یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ علّامہ اقبال اپنے نیک استاد سیّد میر حسن صاحب سیالکوٹی کے زیرِ اثر ہمیشہ احمدیت سے گونا وابستہ رہے۔ ان کے ایک بھائی اور ہونہار قابل بھتیجے مخلص احمدی ہیں۔ اِس ماحول میں یہ کوئی عجیب بات نہ تھی کہ جب انہیں اپنے ایک نجی معاملہ میں دینی فتویٰ حاصل کرنے کی ضرورت پڑی تو 1913ء میں علّامہ موصوف نے حضرت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے فتویٰ پر ہی انحصار فرمایا۔ اس واقعہ کو جناب عبدالمجید صاحب سالکؔ مرحوم نے بایں الفاظ کا ذکر فرمایا:۔

''علّامہ اس بیگم کو لانے کے لئے تیار ہو گئے۔ انہیں شبہ تھا کہ وہ چوں کہ طلاق دینے کا ارادہ کر چکے تھے اس لئے مبادا شرعاً طلاق ہی ہو چکی ہو۔ انہوں نے مرزا جلال الدین کو مولوی حکیم نور الدین کے پاس قادیان بھیجا کہ مسئلہ پوچھ آوَ۔ مولوی صاحب نے کہا کہ شرعاً طلاق نہیں ہوئی لیکن اگر آپ کے دل میں کوئی شبہ اور وسوسہ ہو تو دوبارہ نکاح کر لیجئے۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب کو طلب کر کے علّامہ کا نکاح اس خاتون سے دوبارہ پڑھوایا گیا............ یہ 1913ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد اقبال کی زندگی کا اسلوب کا ملاً بدل گیا۔'' (ذکرِ اقبال از عبدالمجید سالکؔ صفحہ 70)

خروج یاجوج وماجوج اور علّامہ اقبال

احادیثِ نبویہ کے مطابق جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں جس دجّال کا ظہور مقدر تھا وہ یہی یاجوج وماجوج کی دو بڑی طاقتوں کے پادری اور مادی فلاسفر ہیں۔ یاجوج وماجوج سے مراد (1) روس اور (2) انگریز اور امریکن اقوام ہیں۔ ان دونوں قوموں پر وہ تمام علامات صادق آتی ہیں جو یاجوج وماجوج کے بارہ میں قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہیں۔ اس لحاظ سے یہی زمانہ مسیح موعود کی بعثت کا زمانہ متعین ہو جاتا ہے علّامہ اقبال زندگی بھر اس نظریہ کے قائل رہے اور یاجوج وماجوج کا خروج ہو چکا ہے اور ان کے لشکر کھل چکے ہیں بلکہ انہوں نے اپنے اشعار میں مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ یاجوج وماجوج کے بارہ میں قرآنی پیشگوئی مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ پوری ہو چکی ہے۔ ان کا مشہور شعر ہے

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف یَنْسِلُوْن

احادیث مہدی و مسیح کے متعلق علّامہ اقبال کے غلط موقف

جیسا کہ ہم اُوپر ذکر کر آئے ہیں کہ اگرچہ احمدیت کے بعض بنیادی عقائد اور اساسی نظریات سے علّامہ اقبال آخر تک الگ نہ ہو سکے تاہم وہ اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے اپنے سابق موقف سے کچھ پیچھے ہٹتے گئے اور انہیں بعض غلط نظریات قائم کرنے پڑے۔ بطور مثال انہوں نے احمدیت سے دُور ہو کر یہ خیال قائم کر لیا کہ احادیث نبویہ جو مسیح اور مہدی کی آمد کے بارہ میں ہیں سب کی سب غلط اور عجمی سازش کا نتیجہ ہیں۔ انہوں نے یہ موقف اس لئے اختیار کیا تا انہیں مسیح موعود علیہ السلام کو مان کر بعض قربانیاں اور پابندیاں اختیار نہ کرنی پڑیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو موقف انہوں نے اختیار کیا ہے وہ ایسا بدیہی البطلان ہے کہ آج تک علمائے اہلسنت والجماعت اور علمائے اہل تشیّع میں سے کسی نے اس موقف کو نہیں اپنایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ علّامہ اقبال نے یہ موقف محض ایجادِ بندہ کے طور پر اختیار کیا ہے۔ اسلامی علوم میں اس موقف کے لئے کوئی سند موجود نہیں ہے۔

جماعت احمدیہ ”اسلامی سیرت کا نمونہ“ جماعت ہے

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ علّامہ اقبال (پیدائش 1873ء) اپنے سنِ شعور کے ابتداء سے بانی سلسلہ احمدیہ کے مدّاح اور مرید رہے ہیں۔ انہوں نے انہی عقائد اور نظریات کو اپنایا ہے جنہیں سلسلہ احمدیہ پیش کرتا ہے۔ ان کی ذاتی زندگی اور ان کے خاص ماحول کی کشش کے باوجود وہ اپنے نئے اور خالص سیاسی دور میں داخل ہونے سے پہلے تک جماعت احمدیہ کی ہر طرح تعریف کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ بیسویں صدی مسیحی کے دوسرے عشرہ میں انہوں نے مدراس میں جو لیکچر دیئے اور جو ”ملّتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر“ نامی رسالہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس میں انہوں نے جماعتِ احمدیہ کے متعلق واضح طور پر اعلان فرمایا ہے کہ یہ جماعت ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے ان کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

”میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر ذات نے ڈالا ہے ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے اور ہماری تعلیم کا مقصد ہونا چاہیے کہ اس نمونہ کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اسے پیش نظر رکھیں۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں۔“

(ملّتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر مطبوعہ 1919ء)

علّامہ اقبال کے اسی نظریہ کا اثر تھا کہ آپ نے اپنے صاحبزادہ آفتاب احمد صاحب کو بنیادی تعلیم کے لئے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں داخل فرمایا تھا۔ علّامہ اقبال کے جماعت کے بارے میں یہ خیالات 30۔1931ء تک ظاہر ہوتے رہے ہیں۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور علّامہ اقبال

کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی حمایت کے لئے 1931ء میں ایک آل انڈیا کشمیر کمیٹی معرض وجود میں آئی۔ اسی سلسلہ میں احراری لیڈر مولوی حبیب الرحمن لدھیانوی لکھتے ہیں۔

”14رجولائی 1931ء کو شملہ میں سر فضل حسین کے اشارے سے سرکاری مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ جس میں کشمیر کے دس نئے لیڈر بھی شریک ہوئے اس جلسے میں مرزا بشیر الدین محمود خلیفۂ قادیان کو کشمیر کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ مسٹر عبدالرحیم دردؔ کو جو خلیفہ کے پرائیوٹ سیکرٹری تھے کشمیر کمیٹی کا جنرل سیکرٹری بنایا گیا۔ شملہ ہی سے مرزا محمود نے اعلان کیا کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے مجھے اپنا رہنما تسلیم کر لیا ہے اس لئے مَیں یہ تجویز کرتا ہوں کہ 14 اگست 1931ء کو تمام ہندوستان میں یومِ کشمیر منایا جائے۔ مسٹر عبدالرحیم دردؔ نے ہندوستان کے تمام مشہور علماء، فضلاء وکلاء اور ڈاکٹروں کو خطوط لکھے کہ آپ کو کشمیر کمیٹی کا ممبر بنایا گیا ہے.................. سوائے مجلس احرار کے رہنماؤں کے کسی نے بھی عبدالرحیم دردؔ پرائیوٹ سیکرٹری مرزا محمود کو انکار کا خط نہ لکھا۔“ (کتاب رئیسؔ الاحرار صحہ 187۔158)

شورشؔ کاشمیری نے اسی سلسلہ میں لکھا ہے کہ:۔

”گورنمنٹ آف انڈیا نے کوشش کی کہ وہ اپنے فرستادہ لوگوں کی معرفت کام لیں چنانچہ ان عناصر نے علامہ اقبال کو لیپا پوتی کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی۔“ (کتاب سید عطاءاللہ شاہ بخاری صفحہ 88)

علّامہ اقبال کوئی بچے نہ تھے کہ بقول شورشؔ انہیں ”لیپا پوتی“ کر کے آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں شامل کر لیا گیا۔ وہ اپنے بھائیوں مسلمانانِ کشمیر کا درد رکھتے تھے اس لئے از خود برضا و رغبت آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے باوقار رکن اور نائب صدر بنے تھے۔

کشمیر کمیٹی میں علّامہ اقبال کی شمولیت اور احرار

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مساعی سے مسلمانانِ کشمیر کی مصیبتوں کے بادل چھٹ رہے تھے، یہ بات نہ ہندو کانگرس کو گوارا تھی اور نہ مہاراجہ کشمیر کو۔ انہوں نے احراریوں کو آلہ کار بنا کر آگے کر دیا۔ احراری لیڈر حبیب الرحمن لدھیانوی لکھتے ہیں:۔

''ہم نے موجودہ کشمیر کمیٹی کی سیاسی سازش، ڈاکٹر اقبال کی کشمیر کمیٹی میں شمولیت، سر فضل حسین کی سر پرستی، اور انگریزی حکومت کی بد نیتی، فرقہ وارانہ فسادات اور ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں مولانا آزاد سے تفصیلی گفتگو کی تو مولانا آزاد نے یہ سب باتیں سُن کر کہا کہ احرار کو فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے مسئلہ کشمیر کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے۔'' (کتابچہ رئیس الاحرار صفحہ 158)

اِس اقتباس سے عیاں ہے کہ احرار نے کشمیریوں کی لٹیا ڈبونے کے لئے ہندو کانگرس کے اشاروں پر عمل کیا تھا اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔''احرار رہنماؤں نے محسوس کیا کہ کشمیر کمیٹی کی وجہ سے تمام مسلمان مرزائی اور قادیانی ہو جائیں گے۔ ہندو مسلم اتحاد کو سخت دھکا لگے گا۔ مولانا مظہر علی نے مسئلہ کشمیر میں احرار کے شامل ہونے کا اعلان کر دیا................ احرار رہنما صورتِ حال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کشمیر کی طرف بڑھے اور کشمیر کمیٹی کو پہلے مرحلے پر ختم کر دیا۔ ڈاکٹر اقبال کشمیر کمیٹی کی نائب صدارت سے مستعفی ہو گئے اس پر میاں فضل حسین نے چودھری افضل حق کو کہا کہ مَیں ایک نہ ایک دن احرار کو مٹا دوں گا۔ آخر مسجد شہید گنج کا قصّہ کھڑا کر کے 1935ء میں احرار کو دل کھول کر مٹایا۔''

(رئیس الاحرار صفحہ 159)

علامہ کے دَورِ مخالفت کا آغاز

سیاسی شورشوں سے ہمارے مقالہ میں کوئی تعلق نہیں اور نہ ہم اس جگہ ان پر کوئی تبصرہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اقتباسات صرف اس پس منظر کو اجاگر کرنے کے لئے درج کئے گئے ہیں جس میں علامہ اقبال کی مخالفتِ احمدیت کے دَور کا آغاز ہوا ہے ورنہ کشمیر کمیٹی کے قیام (31ء) اور اس کے کچھ عرصہ بعد تک علامہ اقبال ذہنی اور عملی طور پر جماعت احمدیہ کے مدّاحوں میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے کشمیر کمیٹی میں سیّدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کو خود صدارت کے لئے نامزد کیا تھا اور بطور نائب صدر اس کمیٹی میں کام کرتے رہے۔ ہمیں احرار لیڈروں کو کریڈٹ دینا پڑے گا کہ انہوں نے کانگرس کے پروگرام، تفریق بین المسلمین، کو مؤثر انداز میں سرانجام دیا۔ علامہ اقبال ایسے فلسفی کو ایک طرف تو یہ ڈرا وا دیا کہ ''تمام مسلمان مرزائی اور قادیانی ہو جائیں گے'' اور دوسری طرف یہ طمع پیش کیا کہ ان کی قیادت میں ہم بہت عروج حاصل کر سکیں گے۔ احراری علامہ اقبال کو پہلے سے ''لیپاپوتی'' کی زد میں آ جانے والا سمجھتے تھے وہ ایک پلان کے ماتحت علامہ اقبال کے پاس پہنچے اور پھر بقول مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی یوں ہوا کہ:۔

''حضرت شاہ صاحب (مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری۔ ناقل) نے تحریکِ خلافت کے زمانے سے لے کر تحریکِ احرار کے زمانے تک میری اور سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی سرپرستی فرمائی۔ قادیانیوں کے بارے میں جماعت احرار کا نقطۂ نظر، اسلام میں ختمِ نبوت کی بنیادی اہمیت، سمجھانے کے لئے سر ڈاکٹر اقبال سے ملاقات کی۔ ڈاکٹر اقبال کو اپنا ختمِ نبوت کا رسالہ پڑھ کر سُنایا۔ اس کے بعد فوراً ہی ڈاکٹر اقبال نے کشمیر کمیٹی کی ممبری سے استعفاء دے دیا۔ جس کے صدر مرزا بشیر الدین محمود قادیانی تھے۔ اس طرح ڈاکٹر اقبال نے مرزائیت کے چنگل سے نجات پائی۔ اور اسلام کے صحیح اعتقادات پر عقیدہ رکھنے کی ڈاکٹر صاحب کو توفیق حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے قادیانیوں کے خلاف مضامین لکھے۔''

(کتاب رئیسؔ الاحرار صفحہ 100)

اِس بیان سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ احراری لیڈروں نے علامہ اقبال کو ''ختم نبوت کی بنیادی اہمیت'' کِس مرحلہ اور کن طریقوں سے سمجھائی تھی اور کس طرح انہوں نے علامہ اقبال کو بقول خود ''مرزائیت کے چنگل سے نجات'' دلائی۔ یہ وہ موڑ ہے جہاں سے علامہ اقبال کی جماعت احمدیہ سے مخالفت شروع ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سیاسی موڑ ہے، مذہب یا ختمِ نبوت کے مسئلہ کو تو اس میں اتنا ہی دخل ہے جتنا 1953ء کے فسادات میں تھا۔ وہ بھی سیاسی لوگوں کی انگیخت تھی اور یہ بھی ایک سیاسی چال تھی۔ علّامہ اقبال بہت بڑے فلسفی تھے، بہت بڑے شاعر تھے، مسلمانوں کی ہمدردی سے ان کا دل ہمیشہ پگھلتا رہا ہے جس کا بدلہ وہ خدا کے ہاں ضرور پائیں گے مگر احرار کی ''لیپاپوتی'' میں آ کر انہیں زندگی کے آخری حصہ میں احمدیت کی مخالفت میں اتنی بڑی غلطی نہ کرنی چاہیے تھی وہ کر بیٹھے۔

جماعت احمدیہ کا اشاعتِ اسلام کا جوش قابلِ قدر ہے۔

علّامہ اقبال کا قول ہے کہ ''میرے نزدیک'' تبلیغ اسلام کا کام اِس وقت تمام کاموں پر مقدّم ہے۔ (اقبال نامہ حصہ اوّل صفحہ 209) سیاسی اختلافات کے باوجود علّامہ اقبال یہ تسلیم کرتے رہے کہ جماعت احمدیہ کا اشاعتِ اسلام کا جوش قابلِ قدر ہے۔ چنانچہ انہوں نے چودھری محمد احسن صاحب کے نام 7 / اپریل 1932ء کو اپنے خط میں لکھا:۔

''باقی رہی تحریک احمدیت سو میرے نزدیک لاہور کی جماعت میں بہت سے ایسے افراد ہیں جن کو مَیں غیرت مند مسلمان جانتا ہوں اور ان کی اشاعتِ اسلام کی مساعی اور ان کا ہمدرد ہوں۔ کسی جماعت میں شریک ہونا یا نہ ہونا انسان کی ذاتی افتادِ طبیعت پر بہت کچھ انحصار رکھتا ہے۔ تحریک میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ آپ

کو خود کرنا چاہیے۔

اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے کئی طریق ہیں جن طریقوں پر اس وقت تک عمل ہوا ان کے علاوہ اَور طریق بھی ہو سکتے ہیں۔ میرے عقیدۂ ناقص میں جو طریق مرزا صاحب (حضرت مسیح پاک علیہ السلام۔ ناقل) نے اختیار کیا ہے وہ زمانہ حال کی طبائع کے لئے موزوں نہیں ہے۔ ہاں اشاعتِ اسلام کا جوش جو اُن کی جماعت کے اکثر افراد میں پایا جاتا ہے قابلِ قدر ہے۔''

(مکاتیبِ اقبال حصّہ دوم 232)

علّامہ اقبال کے سیاسی نظریہ میں تبدیلی

مسئلہ کشمیر میں احرار کی ''مداخلت'' سے جو صورت پیدا ہوگئی وہ سب کے سامنے ہے۔ اس کے نتائج ساری دنیا کو معلوم ہیں۔ جہاں تک علّامہ اقبال کا تعلق ہے وہ اس کے نتیجہ میں احمدیت سے دُور ہوتے گئے۔ ان تک جو باتیں پہنچائی جاتی تھیں ان سے مظلوم کشمیریوں کے مقدمات میں احمدیوں کی عام خدمتِ خلق پر بھی ان کو اعتراض ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے مکتوب مؤرخہ 19 رفروری 1934ء میں سیّد نعیم الحق صاحب کو لکھتے ہیں۔

''جس مقدمہ کی پیروی کے لئے مَیں نے آپ سے درخواست کی تھی اس کی پیروی چودہری ظفر اللہ خان کریں گے............ چودھری ظفر اللہ خان کیوں اور کسی کی دعوت پر وہاں جارہے ہیں مجھے معلوم نہیں۔ شاید کشمیر کانفرس کے بعض لوگ ابھی تک قادیانیوں سے خفیہ تعلقات رکھتے ہیں۔''

(مکاتیبِ اقبال حصّہ اوّل 235-236)

یہ خط غمازی کر رہا ہے کہ علّامہ کا نقطۂ نگاہ سیاسی طور پر بدل گیا ہے اور احمدیوں کو ان کی نگاہ میں قابلِ نفرت ٹھہرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تأثرات کی وجہ سے انسان کے نظریات پر بھی اثر پڑتا ہے۔ عرب شاعر کہتا ہے ؎

و عین الرضا عن کل عیب کلیلۃ
ولکن عین السخط تبدی المساویا

کو جب ناراضگی ہو تو انسان کو دوسرے میں ہزاروں عیب نظر آنے لگتے ہیں۔ کجا وہ دن تھے کہ علامہ اقبال آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے رکن تھے اور حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب رضی اللہ عنہ کی زیرِ صدارت کام کرتے تھے اور کجا یہ وقت آ گیا کہ انہیں مظلوم کشمیریوں کے مقدمات کی پیروی کے لئے چودھری ظفر اللہ خان صاحب کا پیش ہونا بھی ناگوارِ خاطر ہے۔

علّامہ اقبال کے استفارات دلائلِ احمدیت کے بارے میں

علّامہ اقبال کی جماعت احمدیہ سے دُوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں احمدیہ عقائد اور دلائل کے جوابات سیکھنے چاہئیں۔ اس عنوان کو لمبا کرنے کی ضرورت نہیں ہم صرف ایک مکتوب کا اقتباس قارئین کی توجہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔ علّامہ اقبال اپنے مکتوب مؤرخہ یکم اگست 1938ء میں جناب سیّد سلیمان صاحب ندوری کے نام لکھتے ہیں:

''چند امور اَور بھی دریافت طلب ہیں ان کے جواب سے بھی ممنون فرمائیے۔

1۔ تکملہ مجمع البحار صفحہ 85 میں حضرت عائشہؓ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے یعنی یہ کہ حضور رسالت مآب کو خاتم النبیین کہو مگر یہ نہ کہو کہ ان کے بعد کوئی اَور نبی نہیں ہو گا۔ مہربانی کر کے کتاب دیکھ کر یہ فرمائیے کہ آیا اس قول کے اسناد درج ہیں اور اگر ہیں تو آپ کے نزدیک ان اسناد کی حقیقت کیا ہے؟ ایسا ہی قول درّ منشور جلد پنجم صفحہ 204 میں ہے، اس کی تصدیق کی بھی ضرورت ہے۔

2۔ حجج الکرامہ صفحہ 428-431 حضرت مسیح کے دوبارہ آنے متعلق ارشاد ہے: مَنْ قَالَ بِسَلْبِ نُبُوَّتِهٖ کَفَرَ حَقًّا اس قول کی آپ کے نزدیک کیا حقیقت ہے۔

3۔ لو عاش ابراھیم لکان نبیاً اس حدیث کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟'' (مکاتیبِ اقبال جلد اوّل 191-193)

علامہ اقبال کے ان ''سوالات'' سے عیاں ہے کہ انہیں 35ء میں ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت احمدیہ کے موقف اور احمدیوں کے دلائل کے وہ ''جوابات'' معلوم کریں جو علماء کی طرف سے دیئے جا سکتے ہیں۔ اگر سیاسی مخاصمت درمیان نہ ہوتی تو ان ''سوالات'' کی غالباً ضرورت ہی پیدا نہ ہوتی اور اگر ہوتی بھی تو علامہ اقبال ایسا صاحبِ تحقیق شخص فریقین کے جوابات کا موازنہ ضرور کرتا اور یک طرفہ بیان پر انحصار نہ کرتا۔ مگر اب تو بات بیت چکی ہے اور علّامہ اقبال کی 1938ء میں وفات کے بعد حالات بدل چکے ہیں والی اللّٰہ تصیر الامور۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علامہ اقبال نے مذہبی نقطۂ نظر سے احمدیہ عقائد کی جو تائید فرمائی، بانی سلسلہ احمدیہ علیہم السلام سے جو اظہار عقیدت فرمایا، جماعت احمدیہ کے اشاعتِ اسلام کے جوش کی جو داد دی وہ عملی طور پر سالہا سال جماعت احمدیہ کے ساتھ جو تعاون فرمایا وہ بہت بڑا وزن رکھتا ہے مشہور مقولہ لِکُلِّ عَالِمٍ هَفْوَةٌ کے مطابق اگر احرار کی ''لیپا پوتی'' کے باعث ان سے آخری حصۂ زندگی میں ایک لغزش بھی ہو گئی تو وہ نبی یا رسول تو نہ تھے کہ غلطیوں سے معصوم قرار دیئے جائیں۔ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔ ہم ان کے اچھے کاموں کی قدر کرتے ہیں اور ان کی شاعرانہ قابلیت اور مسلمانانِ برعظیم کی جاندار خدمت کے لئے ان کا ذکرِ خیر کرتے رہیں گے۔



قندِ مکرر۔ حیلے سب جاتے رہے

طاہر احمد بھٹی



غلام یاسین جھنگ کے علاقے سے پنجابی کے ایک منجھے ہوئے شاعر ہیں اور ان کے دوہڑے کبھی کبھی تو ایسے مفاہیم ادا کر جاتے ہیں کہ تفہیم بھی منہ تکتی رہے۔ایک دوہڑے کی ایک لائن کچھ یوں ہے کہ، دراصل یاسین تے لت رکھ کے، اوہ ٹپنا چاہندے پار ہائے!!! ترجمہ۔کہ دراصل وہ یاسین پہ پاؤں رکھ کے طوفان سے پار اُترنا چاہتے تھے۔پچھلے چالیس گھنٹے پاکستانی سیاست، مذہبی حلقوں اور میڈیائی دانشوروں کی اکثریت نے ختم نبوت کے نام پر جو طوفان اُٹھائے رکھا وہ اس مصرعے کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ایک کرپٹ اور نااہل شخص نے سپریم کورٹ کا فیصلہ منہ پہ دے مارا اور پارلیمان کو اپنی لونڈی بنا کے یہ فیصلہ لے لیا کہ پاکستان میں اس کے علاوہ کوئی اہل نہیں اور فوج کو للکارے مارتا پھرا اور عوام کو اداروں کے خلاف اُکساتا رہا اور یہ سب کچھ بھول گیا۔۔۔۔صرف ایک احمدیہ ایشو ختم نبوت کی چادر میں لپیٹ کے سامنے کر دیا اور۔۔۔۔۔۔۔پورے ملک، اداروں اور سیاستدانوں کی اپ سائیڈ ڈاؤن ہوگئی۔زمانہ طالبعلمی کے ایک دوست کسی اور تناظر میں یہ شعر سناتے تھے کہ،صرف مانع تھی حیاء بند قبا کھلنے تک۔۔۔۔۔پھر تو وہ جان حیاء ایسا کھلا،ایسا کھلا۔۔۔۔

جب تک معاملہ عدلیہ،فوج، نیب اور پانامہ اقامہ تک تھا تو ذرا احتیاط اور لاج تھی مگر احمدیہ ایشو کا تڑکا لگا تو وحشی ہو گئے۔بند قباء تو کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لگتا تھا کہ کچھ اور ہی کھل گیا ہے۔ بند ٹوٹ گیا اور خوب ناچے اور سبھی ناچے۔کوئی کسی سے پیچھے نہ تھا۔عمران خان کو نرم گوشے کا الزام دھونا تھا۔شیخ رشید نے لبیک یا رسول اللہ والوں کے آگے سرخرو ہونا تھا۔جماعت اسلامی نے دین اور سیاست چمکانے تھے۔اینکروں کی چاند رات تھی۔۔۔۔۔۔مال بکا اور خوب بکا۔کچھ لبرلز نے قرض اُتار لئے اور میر ظفر اللہ جمالی جیسے بزرگ سیاستدانوں نے اپنے بزرگوں کے رکھ رکھاو کو اپنے پیروں تلے روندنا تھا۔سبھی کامیاب آئے۔ سب کھل کھیلے۔مگر احمدی۔۔۔۔۔چپ تھے اور چپ ہی رہے۔ہم چپ رہے۔۔۔ہم ہنس دئے۔۔۔۔منظور تھا پردہ تیرا۔اب وہ ریلا گزر گیا۔آپ کے اوپر سے پانی بہت کچھ بہالے گیا۔احمدی جہاں تھے اب بھی وہیں ہیں اور آپ کے حال اور مستقبل پہ کڑھ رہے ہیں۔

یہ قوم عجیب ہو گئی ہے،
اس قوم کو خوئے انبیاء دے،
اُترے گا نہ کوئی آسماں سے،
اک آس میں دل مگر صدا دے،
یا میرے دیئے کی لو بڑھا دے،
یا رات کو صبح سے ملا دے۔(علیم)

اب پانی اُتر گیا ہے تو ایک آدھ ڈھنگ کی مدلل چیز پڑھنے کو ملی ہے۔ایک تو جنرل ریٹارڈ اشرف قاضی نے لکھا ہے اور معاشی دیوالیئے کے بھیانک نتائج کو کھول کے دکھایا ہے اور دوسرے صاحب نے بتایا ہے کہ پچاس ارب ڈالر کا قومی بجٹ رکھنے والے ملک پاکستان کو اکاون ارب ڈالر کے قرضے چکانے ہیں اور وعدے سر پر کھڑے ہیں۔واحد ادارے فوج کی ساکھ اور سکت کو داخلی انتشار اور عوامی تحقیر کی سان پہ چڑھا رکھا ہے اور لبیک یارسول اللہ، مزار غازی ممتاز قادری، کی رِٹ اسٹیبلش کروائی جا رہی ہے اور فلاں کونسل اور ڈھمکاں اتحاد دندناتے پھرتے ہیں۔سڑکوں پہ کام رکے ہوئے ہیں۔ اسکول اور سرکاری ہسپتال مویشیوں کے باڑے بن رہے ہیں۔اور زرداری،نواز،شجاعت،عمران بمعہ ایم کیو ایم اور مولوی فضل الرحمن جمہوریت بچانے اور ملک کو پٹری پر چڑھانے کے لئے جارج اورول کے اینیمل فارم ہاوس کا منظر پیش کرر ہے ہیں۔آپ کے سیاستدان پیسہ لوٹ کے باہر لے گئے آپ کے مولوی سیاستدانوں کے کاسہ لیس ہو گئے،آپ کے وزیر مذہبی امور زکاۃ وعشر اور حج کے فنڈز کھا گئے،آپ کے تعلیم اور صحت کے اداروں کا بیڑہ غرق ہو گیا۔

آپ کھربوں ڈالر کے مقروض،آپ کے نوجوان بے روزگار،آپ کی نسلوں سے علم تاریخ اور علم تہذیب چھن گیا،آپ کی بیوروکریسی بے ضمیر،آپ کا میڈیا بکا ہوا آپ کے دانشوروں کو اپنے مافی الضمیر کا بھی پتہ نہیں،آپ کے لیڈر بے ایمان۔۔۔۔۔۔اور آپ کے عوام کو نفرت اور تعصب کا جذام،یہ سارے امراض وہ ہیں جن میں سے کوئی ایک بھی کسی قوم کو ڈبونے کے لئے کافی ہے۔تو آپ بتائیں آپ کو رات کو نیند کیسے آ جاتی ہے۔آپ کو اپنا بستر مرگ کیوں دکھائی نہیں دیتا اور صرف احمدی آپ کے اعصاب پر کیوں سوار ہیں؟،آئیں کچھ حقائق دیکھ لیں اور تحمل سے غور کریں۔۔۔۔۔۔۔۔کہ مسئلہ ہے کیا اور آپ کو بتایا کیا جا رہا ہے۔،مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے 1889 میں جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی اور اپنے دعوے کی بنیاد اس بات پہ رکھی کہ

اول۔۔۔۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام از رُوئے قرآن زندہ نہیں ہیں بلکہ وفات پاگئے ہیں

دوم۔۔۔۔۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں صدی ہجری میں جس امام مہدی اور عیسیٰ کے آنے کی خبر دی تھی جس کو بخاری اور مسلم اور دیگر احادیث کی کتب نے ریکارڈ کیا ہے ان پیشگوئیوں کا مصداق میں ہوں اور چونکہ صحیح مسلم نے آنے والے کو رسول اللہ صلعم کے الفاظ میں نبی اللہ فرمایا ہے اسلئے وہ لقب بھی میرا ہے مگر ایک امتی کے طور پر نہ کہ ایک آزاد نبی کے طور پر۔اور میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں ایک نکتہ بھی کم یا زیادہ نہیں کرنے آیا بلکہ اس کی تجدید اور احیاء کے لئے آیا ہوں۔

یہ مختصر مفہوم ہے ان کے دعوی کا اور آج آپ کا بیان حلفی کہتا ہے کہ میں غیر مشروط خاتم النبین مانتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مصلح، مہدی یا ریفارمر کے آنے پہ ایمان نہیں رکھتا۔اس بیان حلفی کے مطابق ناموس ختم نبوت پہ غیر مشروط ایمان پر پہلا حملہ تو آپ کے آئمہ حدیث نے ہزار سال پہلے کیا ہے اور پھر ہر صدی کے بزرگان ان کے شریک جرم رہے جنہوں نے اپنی کتب تفسیر اور تواریخ میں تواتر کے ساتھ اس پہ بحث جاری رکھی حتی کہ اب چودھویں صدی، امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کا آنا تو مسلمان نسلوں کو حفظ ہو چکا ہے۔اور مرزا صاحب کی پیدائش سے پہلے کا یہ شائع و متعارف مسئلہ ہے۔اس جرم اور حملے کی سزا کے لئے آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی صاحب اور جماعت احمدیہ کو کیوں چن لیا ہے؟؟؟ حکومت پاکستان کے سرکاری گزٹ پہ چھاپیں ناں۔۔۔۔۔۔اور سرکاری پریس ریلیز جاری کر کے وزیر داخلہ اور وزیر قانون سے کہیں کہ وہ اسمبلی اور دونوں ایوانوں کی طرف سے اعلامیہ جاری کریں کہ امام بخاری و مسلم سے لے کر قاسم نانوتوی اور شاہ ولی اللہ تک سب نے ایک غلط عقیدہ ہماری گردنوں پہ مسلط کر دیا ہے اور ہم موجودہ زمانے، علامہ اقبال کے فلسفے اور مودودی نظریات کی روشنی میں اس غلط عقیدے سے توبہ کرتے ہوئے آئیندہ کے لئے بھٹو، ضیاء اور ناموس رسالت پر کٹ مرنے والی پارلیمنٹ کا حلف نامہ ”فارادی پر پزآف لا اینڈ کانسٹیٹیوشن“ جاری کر رہے ہیں اور مملکت خداداد پاکستان میں سرکاری طور پر مسلمان کہلانے کے لئے صرف اور صرف یہی کاغذ قابل قبول ہوگا۔جب تک آپ یہ نہیں کرتے آپ حلف اور قسم کھا کر جھوٹ بول رہے ہیں کہ آپ ختم نبوت پر غیر مشروط ایمان رکھتے ہیں۔اور مستقل اور مسلسل جھوٹے حلف ہی ہیں جو آپ کے سر پر عذاب کے طور پر بے ضمیروں کو صدر اور وزیر اعظم بنا کر بٹھا دیتے ہیں۔اور پاکستان کے تئیس فیصد اہل تشیع جو امام غائب کے منتظر ہیں وہ بھی اس حلف پہ ”تقیہ“ کر کے دستخط کئے جاتے ہیں حالانکہ امام غائب جب بھی آئیں ان پہ ایمان لانا شیعہ عقائد کی رو سے فرض ہے۔

اب یہ ساری باتیں کھل کے بتائیں اپنی نسلوں کو اور احمدیوں کی جان چھوڑیں۔بات سنیں عقیدہ آپ سب کا احمدیوں والا ہے۔صرف احمدی اپنے عقیدے کے خلاف حلف نہیں دیتے اور آپ دیتے ہیں۔آپ کو خدا کا ڈر نہیں ہے اور احمدیوں کو آپ کا ڈر نہیں صرف خدا کا خوف ہے۔یہ ہے اندر کی بات جس کو یہ فتیانہ صاحب اور شیخ رشید صاحب خوب اچھی طرح جانتے ہیں اور بے علم عوام کے ووٹ سے کھیلتے ہیں۔اور نواز اینڈ شہباز نے تو اپنا مقصد پا لیا۔مسلم لیگ کے پھر صدر بن گئے اور ظفر علی شاہ کرلاتے رہے کہ اب سارے ہی نا اہل ہو گئے ہیں لیکن پاکستانی جہلاء قادیانی لولی پاپ سے بہلتے رہے اور ایسی ختم نبوت پہ منہ سے جھاگ اڑاتے رہے جس کے خود بھی قائل نہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔۔۔۔اب ایک اور تناظر سے بھی غور فرمالیں۔مرزا صاحب کی زندگی میں ہی شیخ الہند اہلحدیث مولوی نذیر حسین دہلوی نے مکے مدینے تک سے مرزا صاحب کے خلاف کفر کے فتوے منگوائے مگر پھر بھی برصغیر میں لاکھوں لوگوں نے مرزا صاحب کی بیعت کر لی۔ 1935 میں امیر شریعت عطا اللہ شاہ بخاری کی مجلس احرار نے قادیان کی گلیوں کی پکٹنگ کر لی کہ ہم یہ فتنہ ختم کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔فتنہ برصغیر سے نکلا اور انگلستان اور جاوا سماٹرا تک پھیل گیا۔ واحد مذہبی جماعت جس نے پاکستان کے قیام کے لئے مسلم لیگ اور قائداعظم کی بے لوث مدد کی اس پر صرف چھ سال بعد از قیام پاکستان 1953 میں پھر احرار اور جماعت اسلامی ٹوٹ پڑے اور جنرل اعظم والا مارشل لاء لگوا کے دم لیا۔گردن کٹوانے کا دعوی کرنے والے عبدالستار نیازی داڑھی کٹوا کر دیگ میں چھپ کے مسجد وزیر خان سے بھاگے۔ بلوے ہوئے۔۔۔۔جلاؤ گھیراؤ ہوا اور احمدی اپنے عقائد سمیت دنیا کے تیس سے زائد ملکوں میں پھیل گئے۔اور پھر ایک ہر دلعزیز عوامی قوت کے سربراہ نے 1973 میں وہ کافر قرار دینے کا کارنامہ کر دکھایا اور احمدیت نے براعظم افریقہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس وقت تک رابطہ العالم اسلامی کے علاوہ ٹائن بی جیسا بین الاقوامی تاریخ دان بھی اس ”فتنے“ کی اہمیت کو سمجھ چکا تھا اور آئینی طور پر کافر قرار دینا نوے سالہ مسئلہ حل کرنا قرار پایا۔مگر جنرل ضیاء تک 10 سالوں میں ہی پتہ چل گیا کہ نہیں۔۔۔۔۔کینسر پھیل گیا ہے۔تب 1984 والا بدنام زمانہ امتناع قادیانیت آرڈیننس لایا گیا اور کلمہ نماز اذان کو کا کولا کے برانڈ کی طرح پاکستانی اسلام کا اجارہ قرار پائے۔جس وقت مرزا طاہر احمد صاحب نے پاکستان چھوڑا ہے تو احمدیت ساٹھ سے زائد ممالک میں تھی اور آج دنیا کے 209 ممالک میں احمدیت موجود ہے۔اب آپ بتائیں کہ سوا سو سال میں آپ احمدیوں کو ان کے عقائد سے ایک انچ بھی نہیں ہلا سکے اور دنیا بھر میں ان کے بڑھتے ہوئے نفوذ اور رسوخ کو بھی نہیں روک سکے۔تو آپ کی غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے کا مثبت نتیجہ کوئی نکلا ہو تو بتایئے؟ اور اس دوران یہ ضرور ہوا کہ آپ کی خارجہ پالیسی ختم، آپ داخلی انتشار کا شکار۔۔۔آپ کی

معیشت تباہ، آپ کی معاشرت سیاہ، آپ کی اشرافیہ بدمعاشیہ بن گئی نسلیں انتہاء پسندی اور نفرت کے سیلاب میں بہہ گئیں، ادارے برباد، ریاستی رٹ قابل تشویش اور ملک کافر ساز فیکٹری بن گیا۔کبھی غور کیا ہے آپ نے کہ جس ملک نے کافر قرار دینے میں پہل کی اور مثال قائم کی۔۔۔۔تکفیریت کی لعنت بھی صرف وہیں پڑی۔ دیگر اسلامی ملکوں کے اپنے مسائل ہونگے لیکن تکفیریت ایک قومی مصیبت بن کر صرف پاکستان پر ٹوٹی ہے۔۔۔۔

فاعتبرو یا اولی الابصار۔۔۔۔!اس لئے جب زمینی حقائق میں ایک ذرا بھی آپ کی کوشش میں برکت نظر نہیں آتی تو اس کاروبار کو کچھ دیر کے لئے چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔کوئی روزی روٹی کا کریں۔کوئی تعلیم صحت اور معاشرتی قدروں کا خیال کر لیں۔ کچھ ریاستی رٹ اور خود مختاری کا سوچیں، زر مبادلہ کے زخائر بڑھائیں۔فوج عدلیہ اور پارلیمان کا تقدس بحال کر لیں اور اتنا تو ہو کے آپ کے سربراہ ملک کو آگے سے اعزاز کیساتھ خوش آمدید کہا جانے لگے۔کچھ سال یہ کام کر لیں۔۔۔احمدی ادھر ہی ہیں، کہیں بھاگے تو نہیں جا رہے۔پچھلے سوا سو سال میں کہیں نہیں گئے تو اب بھی نہیں جاتے۔آپ اپنے وہ کام کر لیں پہلے جن پہ آپ کی قومی اور ملکی زندگی کا دارومدار ہے۔احمدیہ دشمنی کچھ دیر ٹھہر کے بھی ہو سکتی ہے۔اللہ کے بندو دشمنی جو گے تو ہو لو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔



حاصل مطالعہ

درود شریف کی برکات

درود شریف کی خاص برکت کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے ہیں:

ایک دفعہ ایک صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھنے کا بہت خواہش مند ہوں۔آپ نے فرمایا آپ درود شریف بہت پڑھا کریں۔

رسول کریمؐ نے ہی ہمیں خدا کے قرب کا راستہ بتایا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ جس قدر آپ کا شکریہ ادا کر سکیں کریں اور اس کا طریق یہ ہے کہ ہم آپ کے لئے کثرت سے درود پڑھیں۔درود کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کے مدارج عالیہ کو اور ترقی دے اور یہ رسول کریمؐ کے احسان کا بدلہ ہے جو آپ نے ہر مومن پر کیا۔

(رسالہ درود شریف ص 276)

مزید فرماتے ہیں:

ایک دفعہ میری موجودگی میں ایک شخص نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاول سے دریافت کیا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے مریدوں کو کون سے وظائف اور اذکار بتایا کرتے تھے۔حضرت خلیفہ اول نے جواب فرمایا کہ حضرت اقدس عام طور پر درود شریف، استغفار، لاحول، سورۃ فاتحہ اور قرآن کریم کی تلاوت کا ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا راجیکی صاحب نے درود شریف کے اثر کا ایک غیر معمولی واقعہ بیان کیا ہے۔قادیان دارالامان میں یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب حضرت خلیفہ اول نے مولوی صاحب کو ایک نایاب غیر مطبوعہ کتاب (کتاب التعرف فی علم التصوف) کا کرم خوردہ نسخہ دے کر اس کی خوشخط کتابت کرنے کا ارشاد فرمایا۔آگے کا واقعہ حضرت مولوی راجیکی صاحب کے الفاظ میں



میں نے حسب ارشاد اس کار ثواب کو کرنا شروع کر دیا اور 12 بجے سکول سے فارغ ہو کر بقیہ سب وقت کتابت میں صرف کرتا۔ ان دنوں میری قیام گاہ، حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے شہر والے مکان کے ایک کمرہ میں تھی۔برابر کے کمرہ کے برآمدہ میں دو جنگلی کبوتروں نے انڈے دیئے ہوئے تھے۔ایک دن خاکروب نے مکان کی صفائی کرتے ہوئے گھونسلے کو توڑ پھوڑ دیا۔ اور انڈے گر کر ٹوٹ گئے۔ میں اس وقت کتابت میں مشغول تھا۔جب کبوتری نے گھونسلے کو ویران اور انڈوں کو ٹوٹا ہوا دیکھا۔تو دردناک آواز کے ساتھ پھڑ پھڑانا شروع کر دیا اور ان کی دردناک آواز اور بیتابی نے مجھ پر شدید اثر کیا اور میں اپنا قلم روک کر ان کی طرف متوجہ ہوا اور بچشم اشکبار ان کے غم میں شریک ہو گیا۔میں دیر تک سوچتا رہا کہ ان بے زبان پرندوں کی دلجوئی کس طرح کروں۔لیکن کوئی صورت نظر نہ آئی۔آخر مجھے یہ خیال آیا کہ درود شریف چونکہ مقبول شدہ دعا ہے۔اس لئے اگر میں اسے اس نیت سے پڑھوں کہ اس کا ثواب اللہ تعالیٰ بجائے مجھے پہنچانے کے ان پرندوں کو تسلی کی صورت میں عطا فرمائے تو ہو سکتا ہے کہ ان بے زبانوں کی کچھ غمخواری ہو سکے۔

چنانچہ میں نے اس نیت سے درود شریف پڑھنا شروع کیا۔تو ان پرندوں کی بیتابی دور ہو گئی اور وہ آرام کے ساتھ بیٹھ گئے۔ان کو خاموش دیکھ کر میں نے اپنا قلم اٹھایا اور درود شریف کا وظیفہ بند کر کے کتابت میں مصروف ہو گیا۔لیکن ابھی میں نے چند سطریں ہی لکھی تھیں کہ کبوتروں نے پھر بے چینی اور بیتابی کا اظہار شروع کر دیا۔ ان کی دردناک حالت کو دیکھ کر میں نے پھر درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آرام سے بیٹھ گئے ...... آذان ہونے پر میں کمرہ بند کر کے مسجد میں چلا گیا اور کبوتر اڑ گئے۔

(حیات قدسی صفحہ 35,36)

اوریا مقبول جان صاحب جھوٹ کی پھکی روز روز نہیں بکتی

تحریر ابن صدیق

واہ اوریا مقبول جان صاحب واہ۔ خیر سے آج آپ نے اپنے زور خطابت سے ثابت کر ہی دیا کہ پانی بھیڑ کا بچہ ہی گدھلا کر رہا تھا۔ آپ نے 14 جنوری 2019 کے یوٹیوب ویڈیو پروگرام میں اسرائیلی وزارت خارجہ کی صرف ایک ٹویٹ اور اس کے ساتھ ایک اسرائیلی احمدی کے اسلام کے حوالے سے چند الفاظ کہ اسلام محبت اور امن و آشتی کا مذہب ہے کی ویڈیو پر پورا پروگرام کیا ہے اور جی بھر کر جماعت احمدیہ کو کوسنے دیئے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لو جی آخر اس ٹویٹ کی وجہ سے وہ نادر ثبوت ہاتھ لگ گیا ہے کہ قادیانیوں کے اسرائیل سے تعلقات ہیں اور ان تعلقات سے شہہ پاکر اسرائیل مظلوم فلسطینیوں پر خوفناک مظالم ڈھا رہا ہے یا یہ کہ جس قوم کے لئے ایسی چند الفاظ والی تعریفی ٹویٹ ہو جائے تو یہ دلیل بن جاتی ہے ان کے دلوں میں فلسطینیوں کے لئے کوئی محبت نہیں۔ اور یہ ایک ٹویٹ اتنا پکا اسلام دشمنی کا ثبوت ہے کہ اس ٹویٹ کی وجہ سے ربوہ ٹائمز کو چلانے والی پوری کمیونٹی پر غداری کا مقدمہ چلا دیا جائے۔

حضور یہ درست ہے کہ آپ بہت زور آور ہیں۔ بلکہ طاقت کے نشے میں چور ہیں۔ کوئی آپ کا منہ نہیں پکڑ سکتا۔ مگر اگر جان کی امان پاؤں تو غدار بن کر پھانسی پر لٹکنے سے پہلے پہلے ایک گستاخی نما سوال ضرور کرنا چاہوں گا کیونکہ یہ ہر پھانسی دیئے جانے والے کا حق ہے کہ اس سے آخری خواہش پوچھی بھی جاتی اور پوری بھی کی جاتی ہے۔ تو سرکار اگر جس کمیونٹی کے لئے اسرائیل کی وزارت خارجہ ایک ٹویٹ کر دے وہ دشمن اسلام، صیہونی ایجنٹ، فلسطینی خون بیچنے والی ہے تو ان مندرجہ ذیل اسلامی ممالک کے بارے میں کیا کیا خیال ہے ترکی، مصر، اردن، عمان، نائیجر، مراکش، تیونس، قطر اور، موریطانیہ جن میں اسرائیل کی پوری پوری ایمبیسیز قائم ہیں۔ اور آج سے نہیں کئی سالوں سے قائم ہیں۔ دن رات ٹویٹس بھی ہوتی ہیں فون بھی ہوتے ہیں اور سفارت کاری بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح سے ترکی والوں کے اسلام کے بارے میں کیا خیال ہے جو امریکی صدر کے بیت المقدس کو اسرائیل کا کیپیٹل بنانے کے اعلان پر جب ساری دنیا احتجاج کر رہی تھی تو ترکی نے او آئی سی کا اجلاس استنبول میں بلایا۔ مگر استنبول ہی میں واقع اسرائیلی ایمبیسی بند کرنا تو درکنار اس اجلاس سے ایک ہفتہ قبل اسرائیل ترکی سے کئی ملینز کی بسیں خریدنے کا معاہدہ کر رہا تھا۔ جبکہ دوسری طرف سعودی عرب سے نہ ہی بادشاہ اور نہ ہی ولی عہد یا وزیر خارجہ شامل ہوئے بلکہ ایک معمولی رینک کے افسر کے ذریعہ نمائندگی کی گئی۔

اور پھر میری سرکار والی حرمین شریفین اور ان کی حکومت کے بارے میں کیا اسلامی فتویٰ ہے جنہوں نے تو حال ہی میں اپنی فضائی حدود کو اسرائیل کے لئے کھول دیا ہے جو کہ اس سے قبل بند تھیں۔ اس سے پیشتر سعودی عرب کے ولی عہد محمد بن سلیمان نے 2 اپریل 2018 کو دو ٹوک لفظوں میں اسرئیل کو بحیثیت ایک ریاست تسلیم کرتے ہوئے ''دی اٹلانٹک'' کے چیف ایڈیٹر جیفری گولڈ برگ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''اسرائیل کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اپنے وطن میں امن کے ساتھ رہیں''۔ گو اگلے روز بادشاہ سلیمان کی طرف سے کچھ وضاحت کی گئی مگر دنیا دیکھ رہی ہے کہ سعودی عرب نے فلسطین کی حمائیت سے ہاتھ اُٹھا کر اپنا جھکاؤ اسرائیل کی طرف کر دیا ہے۔

پھر جناب عالی مقام! عمان کی مسلمان رعایا اور ان کی بادشاہت کے بارے میں آپ کا پھرتیلا ایمان کیا فیصلہ دیتا ہے جو یہودی وزیر اعظم کو اپنے ملک کے دورے کروا رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی آفیشل ویب سائٹ ''دیوبند آن لائن'' پر 7 نومبر 2018 کو یہ رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ ''اکتوبر 2018 کو غاصب صہیونی ریاست اسرائیل کے وزیر اعظم، بنجامن نیتن یاہو، سلطنت عمان کے سلطان قابوس بن سعید کی دعوت پر عمان کا دورہ کر کے اپنی سیاسی طاقت مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کا ہیرو اور مسیحا بن گیا۔ نیتن یاہو کے اس دورے میں اس کی اہلیہ، اسرائیل کی جاسوسی ایجنسی موساد کا ڈائریکٹر، وزارت امور خارجہ و قومی دفاعی کونسل کے اعلیٰ ذمہ داران اور فوج کے سیکرٹری وغیرہ بھی شامل تھے۔۔۔صیہونی ریاست کے وزیر اعظم نیتن یاہو کی عمان میں ضیافت کے اگلے دن 27 اکتوبر کو عمان نے کھلے طور پر یہ بیان دیا کہ اسرائیل کو مشرق وسطیٰ کی ایک ریاست کے طور پر قبول کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

پھر سرکار لگتے ہاتھوں بحرین کے مسلمانوں اور ان کی سلطنت پر بھی دو حرف ہو جائیں۔ بحرین میں سیکورٹی کانفرنس کے دوران عمانی وزیر خارجہ جناب یوسف بن علاوی بن عبداللہ نے کہا کہ ''ہم سب اس بات کو سمجھتے ہیں کہ اسرائیل ایک ریاست ہے جو ہمارے خطہ میں واقع ہیں'' انھوں نے مزید کہا کہ ''دنیا بھی اس

بات سے واقف ہے ۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اسرائیل کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو دوسرے ممالک کے ساتھ اپنایا جا رہا ہے۔'' بحرین کے وزیر خارجہ خالد بن احمد الخلیفہ نے عمانی مؤقف کی تائید کی ۔ اس کانفرنس میں سعودی عرب، بحرین، امریکہ، اٹلی، اور جرمنی کے نمائیند وں نے شرکت کی ۔

پھر لگتے ہاتھوں متحدہ عرب امارات کے بارے میں بھی ایمانی حرارت کا اظہار کر دیا جائے جنھوں اسرائیل کی متنازعہ ترین وزیر کو ابھی ابھی ضیافت کے مزے اُڑائے اور پھر اپنی جوڈو ٹیم کے ساتھ اسرائیل کا جھنڈا بھی مسلمانوں کے دیس میں اور مسلمان کھلاڑیوں کے درمیان لہرایا۔

''عرب اور مسلمانوں کے خلاف متنازع بیان دے کر سرخیوں میں رہنے والی اسرائیل کی وزیر ثقافت اور کھیل ''میری رگیو' نے اپنی اسرئیلی جوڈو ٹیم کا مقابلہ دیکھنے کے لئے متحدہ عرب امارات (یواے ای) کا دورہ کیا، جہاں پر اس کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ اوراس نے ذمہ داروں سے بھی ملاقات کی ۔اس سفر کے دوران یواے ای کے عہد یداروں نے 29 اکتوبر 2018 کو وزیر موصوفہ کو ابو ظہبی کی مشہور ''شیخ زائد مسجد'' کا دورہ بھی کرایا۔ یہ بات بھی نوٹ کئے جانے کے قابل ہے کہ یہ پہلا موقع ہے جب اسرائیلی جوڈو ٹیم نے کسی خلیجی عرب ملک میں اپنے قومی جھنڈے کے ساتھ کھیل میں حصہ لیا۔

پھر چلتے چلتے دبئی کے بارے میں بھی کچھ اظہار ہو جائے۔ کیا خیال ہے وہ تو اب ہمارا دوسرا وطن ہے ہم مسلمانوں کی ساری جائیدادیں وہیں ہیں انہوں نے اسرئیلی کمیونیکیشن منسٹر کو سرکاری دورہ کروایا اور دعوتوں کے مزے دیئے۔، اسرائیل کے کمیونیکیشن منسٹر ایوب کارا نے 30 اکتوبر کو دوبئی کا دورہ کیا۔ انھوں نے دبئی میں ٹیلی کمیونیکیشن کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ''امن اور تحفظ'' کے موضوع پر بات کی ۔ سرکار مولانا عبیداللہ سندھی صاحب کے پوتے جناب مولانا اجمل قادری صاحب کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو اسرائیل کے دورے کرتے اور بڑے فخر سے یہودیوں کو تحفے عنائت کرتے ہیں ۔ اسرائیلی فوج کے ایک ریٹائرڈ میجر ایلی اَوِیدار صاحب جو قطر میں اسرائیلی تجارتی مشن کے سربراہ رہے۔ فلاڈلفیا میں وائس کونسلر اور ہانگ کانگ میں اسرائیل کے سفیر رہ چکے ہیں ۔ آپ کچھ عرصہ اسرائیلی وزارت خارجہ کے شعبہ بین المذاہب (انٹر فیتھ ڈیپارٹمنٹ) کے سربراہ کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ آپ کے ذمہ خصوصی طور پر ان مسلم اکثریتی ممالک سے عوامی اور غیر رسمی روابط استوار کرنا تھا جن کے ساتھ اسرائیل کے دوطرفہ سفارتی تعلقات قائم نہیں۔ ان میں پاکستان بھی شامل ہے۔ وزارت خارجہ سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے اپنی ایک کتاب
Bridging the divide between Israel :The Abyss
and the Arab World کے چھٹے باب میں ایک ذیلی عنوان ''مولانا قادری کا سوٹ'' کے تحت اسرائیل کا دورہ کرنے والے ایک پاکستانی وفد کا حال بیان کیا ہے جس کی میز بانی کا کام اسرائیلی حکومت کی طرف سے انہیں تفویض کیا گیا تھا۔ اور لکھا کہ دورہ کے آخری دن جب ہم ائر پورٹ کے لئے روانہ ہونے لگے تو قادری نے کچھ سوچ کر ایک دم اپنا سوٹ کیس کھولا اور اپنے کپڑوں میں سے ایک جوڑا جو میڈان پاکستان تھا نکال کر یہ کہتے ہوئے مجھے دیا کہ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کوئی تحفہ نہیں ۔ تم یہ جوڑا میری طرف سے شکریہ کی ایک علامت سمجھ کر رکھ لو۔ کیونکہ جس طرح سے تم نے میرا خیال رکھا ہے میں تمہیں اپنا سگا بھائی سمجھتا ہوں ۔ آپ نے اپنے دورہ اسرائیل 2005 کے بارے میں کویتی نیوز ایجنسی'' وکالۃ الانباء الکویتیہ'' کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا تھا کہ اس دورہ پر ان کے ساتھ ریٹائرڈ جنرلز، بیوروکریٹس، بینکرز، صنعتکار، تاجر اور مذہبی عمائدین بھی براستہ قاہرہ پاکستان سے تل ابیب پہنچے ہیں۔ (یہ تمام معلومات نیازمانہ ڈاٹ کام ویب سائٹ پر 5 جنوری 2018 سے دستیاب ہیں)

سرکار عالی مقام ہم گنہگاروں کی بریلوی علماء و مشائخ کے بارے میں بھی راہنمائی فرمائیں جو اسرئیلی دعوتیں کھاتے اور اسرئیلیوں کو اپنے چچازاد بھائی بتاتے ہیں۔ پیر خواجہ افضل نظامی صاحب جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی کی اولاد میں سے ہیں اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے روحانی سربراہ ہیں۔ آپ 2007 میں ایک وفد میں شامل ہو کر اسرائیل گئے تھے جہاں پہنچ کر آپنے فرمایا کہ وہ خود کو اپنے چچیروں کے درمیان پا کر بہت ہی طمانیت اور فرحت محسوس کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں سمجھتا تھا کہ اسرائیل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پائی جاتی ہوگی لیکن صورتحال اس کے برعکس پا کر اب میری رائے تبدیل ہو چکی ہے۔ پیر خواجہ افضل نظامی کی ہمرکابی میں آستانہ عالیہ خواجہ معین الدین چشتی (المعروف خواجہ غریب نواز) اجمیر کے سجادہ نشین خواجہ زین العابدین بھی اس وفد میں شامل تھے۔ اسرائیل کا دورہ کرنے والے اس بھارتی مسلم وفد کی سربراہی مولانا عمیر احمد الیاسی صاحب تبلیغی جماعت والے کر رہے تھے۔ جو آل انڈیا آئمہ مساجد ایسوسی ایشن کے صدر ہیں۔ یہ تنظیم بھارت کے پچاس لاکھ آئمہ کرام کی واحد تنظیم ہے۔ وفد کے دیگر اراکین میں ڈاکٹر خواجہ افتخار احمد بھی شامل تھے جو بین المذاہب فاؤنڈیشن کے صدر ہیں۔ آپ 2006 میں بھی اسرائیل کے دورے پر تشریف لے جا چکے ہیں۔ اوراسی طرح 2007 اور 2011 میں بھارتی مسلمانوں کے ایک بڑے وفد کے ساتھ اسرائیل گئے۔ محترم اختر الواسع بھی مذکورہ وفد کے اہم رکن تھے۔ آپ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سربراہ شعبہ اسلامک سٹڈی ہیں۔ ایک اور نام جناب محمود الرحمٰن صاحب جو سابق وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی ہیں۔ آپ بھی اس وفد میں شامل تھے۔ مولانا عمیر الیاسی صاحب سے جب ایک اسرائیلی صحافی نے سوال کیا کہ وہ مسلمان ہونے

کے ناطے اپنے دورہ اسرائیل کے تناظر میں فلسطینی ایشو کو کیسے دیکھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ضروری نہیں کہ فلسطینیوں کا ہر مسئلہ اسلام کا بھی مسئلہ ہو بعض غیر جمہوری عناصر مذہب کے نام پر یہودیوں، مسلمانوں اور عیسائیوں کو آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔مولانا الیاسی نے اسرائیل میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کو جمہوری سیاسی اقدار کی رو سے اسرائیل کو مان لینا چاہئے۔مذہبی وجوہ پر کسی ملک کو تسلیم نہ کرنا مناسب فعل نہیں۔

اس دورہ کے بعد اگلے سال 2008 میں مولانا جمیل الیاسی صاحب بھی اسرائیل تشریف لے گئے جہاں آپ نے اسرائیلی صدر شمعون پیریز سے ان کی سرکاری رہائش گاہ میں ملاقات کی اور انہیں اعزازی خلعت پہنائی۔ان دنوں مولانا آئمہ مساجد تنظیم کے سیکرٹری جنرل تھے۔مولانا موصوف نے بتایا کہ وہ اسرائیل پہنچنے کے بعد یہ جان کر حیران ہو گئے ہیں اسرائیلی حکومت مسلمانوں کو مکمل مذہبی آزادی فراہم کرتی ہے۔اور اسرائیل میں اسلامی شرعی عدالتیں تک موجود ہیں۔ بھارتی مسلمانوں کے وفود کے دورہ جات اسرائیل کا یہ سلسلہ باقاعدگی سے جاری ہے۔دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے سربراہ ڈاکٹر توقیر احمد 2013 والے مسلم وفد کا حصہ تھے۔2010 میں اسرائیلی سفیر نے درگاہ اجمیر پہ حاضری دی، پھول چڑھائے اور دعا کی۔

انڈیا میں انڈو اسرائیل سوسائٹی قائم ہے جس کے سربراہ جناب آصف اقبال صاحب ہیں۔اسرائیلی سفارت خانے میں افطار پارٹیاں منعقد کرنے کی روائیت انہی نے شروع کی۔

(یہ تمام معلومات نیاز زمانہ ڈاٹ کام پر 25 دسمبر 2017 کے پیج پر دستیاب ہیں)

اوریا مقبول جان صاحب جب آپ یوٹیوب کے اسلامی ٹھیلے پر بیٹھے ریوڑیوں کی طرح ایمان بانٹ رہے تھے عین اسی وقت جناب وسعت اللہ خان صاحب آپ کے آرام دہ یورپین کانٹ شانٹ کے بنے ڈرائینگ روم میں بیٹھے بڑ بڑا رہے تھے اور آپ سے کچھ پوچھ رہے تھے

''اپنی چھپن سالہ زندگی میں تین نعرے مسلسل میرا پیچھا کر رہے ہیں اور شائد تا زندگی کرتے رہیں گے۔اول یہودی مصنوعات کا بائیکاٹ کرو۔اس نعرے کے پیچھے غالباً فلسطینیوں سے اظہار یک جہتی کا جذبہ کار فرما ہے۔مگر یہودی مصنوعات سے کیا مراد ہے یہ آج تک پلے نہیں پڑا۔اگر مراد ان کمپنیوں سے ہیں جن کے مالکان یا منتظم یا کارکن یہودی ہیں تو پھر تو گھر میں صرف چادر تکیہ اور چارپائی ہی بچے گی۔کیونکہ فریج، واشنگ مشین، فرنیچر، کپڑے، بیڈنگ، پلاسٹک کے برتن، بچوں کا دودھ، کارن فلیکس، بریڈ، مرتبان، درسی و غیر درسی کتابیں، قلم پنسل، عینک، گھڑی، جوتا، کموڈ، انڈر وئیر، مشروب، مسلم شاور، طبی آلات، لیبارٹر کا سامان، کار، ٹرک، بلڈوزر، لاؤڈ سپیکر، دھرنے کے کام آنے والا کنٹینر، غرض روزمرہ استعمال کی کسی بھی ہلکی بھاری، مہنگی سستی شے کا شجرہ نکال لیجئے۔موجد، کمپنی، ڈسٹری بیوٹر، سپلائر، کنٹریکٹر کوئی نہ کوئی یہودی ضرور ہوگا۔آٹھ سالہ عراق ایران جنگ کے دوران لاکھوں ایرانی رضا کاروں کو محاذ پر جانے سے پہلے پلاسٹک کی سرخ بہشتی چابیاں بانٹی جاتی تھیں۔بعد میں پتہ چلا کہ ان چابیوں کو بنانے کا ٹھیکہ جس کمپنی کو دیا گیا وہ ایک اسرائیلی کمپنی کی سب سیڈری تھی۔البتہ ان اشیاء کا بائیکاٹ کسی حد تک قابل عمل ہے جن پر میڈ ان اسرائیل لکھا ہو لیکن اسرائیلی کمپنیاں بہت سی اشیاء غرب اردن میں فلسطینی سب کنٹریکٹرز اور کارکنوں سے بھی تیار کرواتی ہیں۔لہذا بائیکاٹ سے قبل یہ چھان بین ضروری ہے کہ کہیں جوش میں فلسطینی روزگار بھی لپیٹ میں نہ آجائے''

(بی بی سی ویب سائٹ صحافی جناب وسعت اللہ خان صاحب 14/04/2018 زیر عنوان یہودی اشیاء، فحاشی اور گبر سنگھ)

اگر آپ میں اخلاقی جرات ہے تو ان تمام مسلمانوں اور مسلمان حکومتوں کے بارے میں کچھ لب کشائی ہو جائے یا صرف آپ زبان کی تیزیاں صرف جماعت احمدیہ کے لئے ہیں۔؟؟؟

غزل



آدم چغتائی

فکر کا ساحل ڈوب گیا ہے جذبوں کی ارزانی میں
کشتی کو ثابت رکھنا ہے دریا کی طغیانی میں

درد کی اس دنیا میں ہر دم رنج ہی ملتے ہیں لوگو
اپنی قبا کو چاک ہی رکھنا اس دنیائے فانی میں

ظلم نہ سہنا، شکوہ کرنا، دل والوں کا کام نہیں
ظالم کو بھی خوش رہنے دو، دو دن کی سلطانی میں

لب سے جب بھی بات کہو تم، لفظ کی حرمت مت چھینو
مت بدلو انداز بیاں کا لفظوں کی عریانی میں

زخموں کے منہ کھل جاتے ہیں طنز و طعن کے تیروں سے
تم کو کیا ملتا ہے یارو پتھر پھینک کے پانی میں

اہلِ ہوس کے ہاتھوں کا ہتھیار نہ بننا تم آدمؔ
بے شک موت ہی آجائے تم کو اس نافرمانی میں

''پیاری دلہن '' بمقابلہ ''بھینگی دلہن'' اور وہابیان ہند سے ایک سوال

(تحریر شاہین سانگلوی)

کیوں عنوان غیر سنجیدہ سا محسوس ہوا ؟ چلئے وضاحت کئے دیتا ہوں کہ یہ تشبیہات مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند کا سلفیت کے لئے ''امن پسند اور انسان دوست'' ہونے کا سرٹیفیکیٹ حاصل کرنے کے لئے وضاحتی بیان کا حصہ ہیں۔ انڈیا کی لوک سبھا کے حالیہ اجلاس میں جمیعۃ العلماء ہند آسام کے صدر جناب بدرالدین اجمل صاحب نے مسلک اہل حدیث ہند کے خلاف ایک نئی جنگ چھیڑتے ہوئے انہیں دہشت گرد اور تشدد پسند جماعت قرار دے دیا ہے۔ یہ عجیب ماجرا ہو گیا ہے کہ گزشتہ دو تین ماہ سے دیوبندی بھائی دنیا کے کسی نہ کسی کونے میں آنکھیں بند کئے اپنے ہی ہم مسلک یا اپنے مسلمان بھائیوں پر دھڑا دھڑ کیچڑ اچھالنے میں مصروف ہیں۔ آغاز دسمبر 2018 سے بنگلہ دیش میں تبلیغی جماعت کے دو گروپوں میں جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہوا جو آخر سنگین صورتحال اختیار کرتے ہوئے ایک انسانی جان کے قتل اور 200 افراد کے زخمی ہونے پر منتج ہوا۔ تبلیغی جماعت کا یہ فساد پاکستان، انڈیا اور بنگلہ دیش کے اکابرین تک پھیل گیا ہے جو امارت کے لئے جاری رسہ کشی میں مصروف ہیں۔ ابھی مفتی طارق مسعود صاحب شوریٰ گروپ کی طرف سے مولانا سعد صاحب کی امارت اور ان کے اقوال کا مذاق اُڑانے اور پھبتیاں کسنے میں مصروف تھے کہ پاکستان میں مولوی فضل الرحمٰن صاحب نے سپاہ صحابہ والے اپنے دیوبندی بھائیوں کے خلاف محاذ کھول دیا۔ پھر کیا ہوا مولوی فضل الرحمٰن صاحب کے بیان کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی تھی کہ 27 جنوری 2019 کو جناب طاہر اشرفی صاحب مکرم محمد احمد لدھیانوی صاحب کی معیت میں ''شہدائے اسلام کانفرنس لاہور'' میں لشکر جھنگوی گروپ کے ساتھ میدان میں آ گئے اور دھاڑتے ہوئے فرمایا کہ مولوی صاحب ''اللہ نے آپ کو ذلیل و رسوا کیا ہے''۔ اور اب اقتدار نہ ملنے پر ذہنی معذور ہونے کا طعنہ دیتے ہوئے آپ کو کہا کہ ''الیکشن ہارتے ہی یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے'' ''اگر تم زبان کو لگام نہیں دو گے تو یہاں بہت سارے مجاہد ہیں جنکو ہم نے بڑی مشکل سے لگام میں دی ہوئی ہیں''۔ ''اگر تاریخ کھلی تو تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے''۔ پاکستان میں اشرفی صاحب کے جلسے کے ابھی ٹینٹ بھی نہ سمیٹے گئے تھے کہ برطانیہ میں دیوبندی مسجد میں تبلیغی امام کے مصلے سے اتارنے کا قضیہ پوری دنیا کے پریس میں چھا گیا۔ پولیس نے ان متحارب مولویوں کو باہر نکال کر مسجد کو تالہ لگا دیا۔ نتیجتاً مسجد میں کئی نمازیں ادا نہ ہو سکیں۔ مسجدوں، چوکوں چوراہوں میں دیوبندی بھائی اس کھیل میں مصروف تھے ہی کہ جناب بدرالدین اجمل صاحب نے انڈین لوک سبھا میں اہلحدیث ہند کے خلاف ایک نیا محاذ کھول دیا۔ 67 سالہ محترم بدرالدین اجمل صاحب DHUBRI آسام سے لوک سبھا کے ممبر ہیں آپ کا تعلق جمیعۃ العلماء ہند سے ہے۔ آپ نے AUDF کے نام سے سیاسی پارٹی بنائی (ASSAM UNITED DEMOCRATIC FRONT) جسے آج کل AUIDF میں تبدیل کر دیا گیا ہے یعنی ALL INDIA UNITED DEMOCRTIC FRONT۔ آپ آسام میں جمیعۃ العلماء ہند کے صوبائی صدر بھی ہیں۔ آپ کو 2015/2016 میں Royal Islamic Strategic Studies Center of Jorden نے اسلامی دنیا کے 500 طاقتور ترین لیڈروں میں شمار کیا تھا۔ مولانا نے طلاق ثلاثہ کے بل پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے اہل حدیث مسلک پر دہشت گردی اور دہشت گردوں کی پشت پناہی اور تشدد میں ملوث ہونے کا الزام لگا دیا۔ لوک سبھا سیشن کے فوری بعد دہلی میں مرکزی جمیعت اہل حدیث کے دفتر میں اجلاس ہوا اور مولانا اصغر علی امام مہدی امیر مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند کی طرف اخبارات میں بیان جاری کیا گیا کہ مولانا بدرالدین اجمل نے سلفیت پر جس طرح بہتان بازی و زہر افشانی کی ہے اور گمراہ کن بیان دیا ہے۔ اسے انتہائی افسوس ناک اور مسلمانان ہند کی صفوں میں انتشار پھیلانے کی لائق مذمت اور قابل تردید کاروائی قرار دے دیا۔ اس سے انسان دوست لوگوں کی دل آزاری ہوئی ہے۔ مولانا اصغر علی سلفی نے سلفیت کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے بیان میں مزید فرمایا کہا کہ انسان دوستی و خیر خواہی اس کا امتیاز ہے۔ آج تک دنیا کے کسی بھی ملک میں چاہے وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی، سلفی مکتب فکر کے لوگوں نے کسی حکومت کے خلاف احتجاج، مظاہروں انقلابی اور پر تشدد پروگراموں میں نہ تو حصہ لیا ہے اور نہ ہی اس فکر کی کبھی حوصلہ افزائی کی ہے۔

(پندرہ روزہ جریدہ ترجمان ص 29 مرکزی جمیعت کی پریس ریلیز جلد 39 شمارہ 2 برائے 16-31/جنوری 2019)

پھر اسی رسالہ نے اپنے ادارئے میں بدرالدین اجمل صاحب جیسے لوگوں کے کردار پر بحث کرتے ہوئے لکھا کہ 'المیہ یہ ہے کہ اس غیر صحت مند رویئے کے لئے مضبوط ترین بلکہ نہائیت سفاک انداز میں بڑی بے شرمی کے ساتھ جواز بھی فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے'' (ص4 اداریہ)۔

مولانا اصغرعلی امام مہدی صاحب آپ کی یہ بات تو سو فیصد درست ہے اور یہی ایک دردناک حقیقت بھی ہے کہ دیوبندی علماء جب بھی کسی کی مخالفت میں اترتے ہیں تو سب سے پہلا خون حیا کا کرتے ہیں۔لازم نہیں کہ یہ مخالفت غیروں کی ہو، بالکل بھی نہیں، بلکہ اگر اپنے بھی کسی بزرگ سے اختلاف ہو جائے تو بھی الفاظ کا چناؤ اور الزامات کی کرختگی اتنی ہی مکروہ ہوتی ہے۔دور جانے کی ضرورت نہیں ابھی پچھلے ماہ میں اگر مولوی طارق مسعود جیسا نوجوان مولانا سعد جیسے سنیئر تبلیغی بزرگ کا مذاق اڑا کر اسے ''چھینکو بابا'' اور پتہ نہیں کیا کیا قرار دے رہا تھا تو مولانا عیسیٰ منصور پوری صاحب جیسا جہاندیدہ عالم دین۔مولانا سعد پالن پوری۔ ابوالقاسم نعمانی اور مولانا ارشد مدنی کے لتے لے رہا تھا اور مولوی طارق جمیل صاحب تک کو منافق قرار دے رہا تھا۔چند سال پیچھے چلے جائیں تو مفتی محمود صاحب،مولوی غلام غوث ہزاروی صاحب اور آغا شورش کاشمیری صاحب جیسے بڑے دیوبندی ایک دوسرے کے کپڑے پھاڑتے نظر آرہے ہوتے ہیں۔آغا شورش کاشمیری صاحب تو مفتی محمود صاحب اور ان کے گروپ کے خلاف اس حد تک آگے چلے گئے تھے کہ آپ نے اپنی آخری وصیت یہاں تک لکھوادی تھی کہ'' ہم اپنے رب سے ہر صبح یہی دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار عالم منبر رسالت کے ان وارثوں سے محفوظ رکھنا۔ہم میں ان کے احسان لینے کا برتا نہیں رہا۔ان کے ہاتھ کا پانی ہمارے لئے حرام کردے اور اگر ان کی نگہ لطف سے زندگی بڑھتی ہو تو گھٹادے۔ان سے عزت ملتی ہو تو ذلت اچھی۔مرجاؤں اور کوئی مسلمان جنازہ پڑھانے والا نہ ملے تو ان سے جنازہ پڑھوانا ایسا ہی ہے جیسا کسی مسلمان کی لاش کو چتا پر کھا جائے۔ان کو جنازہ پر شریک کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ لاش اٹھا کر بازار میں پھینک دی جائے۔جسم کتے کھا جائیں۔نہ ہم ان کے نہ وہ ہمارے۔ تجربے ہمیشہ نہیں کئے جاتے زندگی میں ایک ہی دفعہ ہوتے ہیں۔''

(چٹان 8 فروری 1971)

اور اگر اس سے بھی تھوڑا سا پیچھے 1953 کی طرف کھسک جائیں تو وہاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب محو کلام نظر آتے ہیں۔آپ نے جو الفاظ اور القابات امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی صاحب کے بارے میں استعمال کئے وہ یقیناً اسلامی تاریخ کا ایک دردناک باب ہیں۔اس سے مزید چند سال پیچھے چلے جائیں تو مولانا شبیر عثمانی بلکتے نظر آتے ہیں۔ان کے مسلم لیگ میں شامل ہونے پر انہیں کے دارالعلوم دیوبند میں کارٹون بنا بنا کر جس طرح ان کی مٹی پلید کی گئی وہ بھی اپنے اسلاف کو ذلیل کرنے کے باب میں ایک وحشت ناک اضافہ ہے۔اس لئے ہم آل دیوبند سے دست بستہ اپنی زبان کی حفاظت کی درخواست کرتے ہیں۔لیکن اس کے ساتھ ہی اپنی صفائی میں جو مئوقف مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے اپنایا ہے وہ بھی چہ بوالعجبی است ہے کہ۔۔پہلے ہندوستانیت ہے پھر اسلام۔۔ہندو، مسلمان اور عیسائی ایک ہی قوم ہیں۔۔اور آج تک دنیا کے کسی بھی ملک میں خواہ وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی ،سلفی مکتب فکر کے لوگوں نے کسی حکومت کے خلاف احتجاج تک میں کبھی شرکت نہیں کی۔۔۔وغیرہ وغیرہ اور پھر ان باتوں کو تقویت دینے کے لئے پہلے اداریئے میں سرسید احمد خان صاحب کی نصائح کو درج کیا گیا ہے۔ جہاں وہ فرماتے ہیں کہ''امن وشانتی اتحاد و اتفاق اور قومی یک جہتی کی تعلیم پھیلانے کے لئے کریلا نیم چڑھے وہابی سرسید احمد خان نے کہا تھا کہ اے میرے دوستو! میں نے بارہا کہا ہے اور ایک بار پھر سے کہتا ہوں کہ ہندوستان ایک پیاری دلہن کی مانند ہے جس کی خوبصورت اور رسیلی دو آنکھیں ہندو اور مسلمان ہیں۔اگر وہ دونوں آپس میں نفاق رکھیں گی تو پیاری دلہن بھینگی ہو جائے گی۔اور اگر ایک دوسرے کو برباد کردیں گے تو وہ کانڑی بن جائے گی۔پس اے ہندوستان کے رہنے والو ہندو مسلمانو اب تم کو اختیار ہے کہ چاہو دلہن کو بھینگا بناؤ چاہو کانڑا'' (اداریہ ص6)

پھر اسی رسالے میں مولانا شکیل احمد اثری صاحب استاد جامعہ امام ابن تیمیہ مدینۃ السلام نے زیر عنوان قیام امن میں سرسید احمد کی مساعی لکھا'' سر سید احمد خان کی شخصیت بھی ان نمایاں شخصیتوں میں سے ایک نظر آتی ہے جن کی خدمات پیام امن کے سلسلہ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں''۔۔وہ ہمیشہ اس بات پر زور دیتے رہے کہ ہندوستان کی قوم چاہے وہ مسلمان ہو یا ہندو یا اور کوئی اور مذہب کا پیروکار۔پہلے وہ ہندوستانیت کے رشتے سے بندھتا ہے پھر مذہب کے رشتہ میں۔'' پھر قوم کی تشریح کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ''لفظ قوم سے میری مراد ہندو، مسلمان دونوں ہیں۔مزید فرمایا کہ''یاد رکھو ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے ورنہ ہندو، مسلمان اور عیسائی بھی جو اس ملک میں رہ رہے ہیں اس اعتبار سے ایک قوم ہیں'' پھر فرمایا ''ہندوستان ایک خوبصورت دلہن ہے۔ ہندو و مسلمان اس کی دو آنکھیں ہیں اگر ان کے اندر نفاق ہوگا تو یہ دلہن بھینگی اور ایک دوسرے کو مٹانے کی کوشش میں کانی بن جائے گی۔پس اے ہندوستان کے ہندوو اور مسلمانو!اب تم کو اختیار ہے تم چاہے اس دلہن کو بھینگی بناؤ چاہے کانی''

(تقریر بمقام مدرسہ گورداسپور 27 جنوری 1884 بحوالہ پندرہ روزہ ترجمان دہلی 16 جنوری تا 31 جنوری ص 21 تا 24)

تو مولانا اصغر علی امام مہدی صاحب آپ سے بھی دست بستہ استدعا ہے کہ آپ بھی تو ذرا اپنی ادا پر غور فرمائیں۔ آپ جو ہندوستان میں بیٹھ کر فرماتے ہیں کہ ہم سلفی امن دوست ہی نہیں انسان دوست بھی ہیں ہندوستان کی قوم چاہے وہ مسلمان ہو یا ہندو یا اور کوئی اور مذہب کا پیروکار۔ پہلے وہ ہندوستانیت کے رشتے سے بندھتا ہے پھر مذہب کے رشتہ میں۔'' پھر قوم کی تشریح کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ ''لفظ قوم سے میری مراد ہندو، مسلمان دونوں ہیں۔ براہ کرم یہ بتا دیں کہ آپ کا یہ عقیدہ صرف ہندوستان کے لئے ہے یا پاکستان کے لئے بھی؟ اور اگر پاکستان میں ہو بہو یہی عقیدہ ہے تو اپنے چھوٹے بھائی حافظ سعید احمد صاحب اور مولانا امیر حمزہ صاحب کو بھی بتا دیں۔ وہ تو فرماتے ہیں

''آج کے دانشوروں نے، نام نہاد روشن خیال مفکروں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ سبق یاد کرایا ہے کہ اے ہمارے آقا! تو جو یہ کہتا ہے ہم مسلمان تلوار سے محبت کرتے ہیں تو یہ ہم پر الزام ہے ہم تو بڑے پرامن ہیں تلوار سے ہمارا کیا تعلق۔ ہمارا اسلام تو پھیلا ہی اخلاق سے ہے'' آہ ذلت کا اس قدر عروج جی ہاں ہونا ہی چاہیئے تھا۔ اس ہندو کے غلام بن گئے کہ جسے باہر سے ہم نے حملہ آور ہو کر ایسا پیٹا کہ محمد بن قاسم کو دیوتا ماننے لگ گئے۔ غزنوی نے بار بار اس کا سر توڑا۔ بابر نے پانی پت میں رانا سانگھا کی سانگھیوں کو چیر ڈالا۔ اس وقت کہ جب ہم ہزاروں میں تھے اور آج کروڑوں میں ہیں اور ذلیل ہیں۔ آج غور کیجئے ہندوستان میں کتنی ہی اسلامی تحریکیں ہیں۔ مسجدوں اور مدرسوں کا شمار نہیں۔ تبلیغی جماعت کا اجتماع 30 لاکھ تک پہنچنے کو ہے دیو بند کا مدرسہ جس کی لمبائی تین میل ہے سو سال سے علماء بنانے میں مگن ہے۔ آہ۔ یہ کیسے علماء ہیں اور یہ کیسے اجتماعات۔ تو اسے مسلمانان ہند اپنی تبلیغ کا انداز بدل دو۔ مدرسوں کا نصاب بدل دو۔

صحیح بخاری کتاب الجہاد اور کتاب المغازی پڑھو مشرکوں پر صحابہؓ کے جہادی چھاپے ملاحظہ کرو ان کی گھاتیں تاکو مجاہدین بن کر مومنانہ روش اپناؤ''۔

(مجلہ الدعوۃ مارچ 1993 صفحہ 3 لاہور نگران پروفیسر حافظ محمد سعید)

تو مولانا صاحب بدر الدین صاحب اجمل کو رگیدنے سے ذرا پہلے یہ فیصلہ کر لیجئے کہ مولانا امیر حمزہ والی سلفیت اصلی ہے یا آپ کی پیاری دلہن والی



حاصل مطالعہ

پگڑی، ٹوپی اچھا لباس



ہمارے پیارے امام ہمام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ایک واقف نو بچی نے سوال کیا۔

جو آپ ٹوپی پہنتے ہیں تو اس کا مطلب کیا ہے؟

اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

ٹوپی کا مطلب پگڑی ہے۔ یہ روایت ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام پہنا کرتے تھے، خلفاء پہنتے ہیں۔ اس لئے روایتاً چل رہا ہے، اس کی کوئی ایسی Significance نہیں ہے کہ شرعی حکم ہے۔ آنحضرت ﷺ اور طرح کی پہنا کرتے تھے۔ مختلف وقتوں میں مختلف تھی۔ عربوں میں ویسے بھی اتنا رواج نہیں۔ حضرت عمرؓ ایک چھوٹی سی ٹوپی پہنا کرتے تھے۔ ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک بادشاہ تھا غالباً وہ روم کا تھا۔ اس کے سر میں بڑا درد ہوتا تھا۔ تو اس کو خواب آئی کہ جو اسلام کا خلیفہ ہے اس کی ٹوپی تم منگا کر سر پر پہنو تو تمہارا سر درد ہٹ جائے گا۔ یا کسی نے اس کو یہ بتایا تھا تو اس نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ مجھے اپنی ٹوپی بھیجیں میرے سر میں درد ہوتا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے اپنی ایک پُرانی سی ٹوپی جو کہ ایک چھوٹی سی ٹوپی تھی جیسا تم نے اپنے سر کے اوپر نقاب باندھا ہوا ہے۔ اپنے حجاب کے اوپر، اس طرح کی ٹوپی وہ جو حاجی بھی پہنتے ہیں۔ عام لوگ پہنتے ہیں۔ میں نے بھی گھر میں جب نماز پڑھنی ہو تو چھوٹی سی ٹوپی پہنتا ہوں۔ تو وہ ٹوپی جو گندی میلی ٹوپی تھی سر پر تیل لگ لگ کر تیل سے بالکل Oili ہوئی تھی۔ پرانی ٹوپی بھیج دی۔ بادشاہ کو بڑا غصہ چڑھا کہ میں اتنا بڑا بادشاہ ہوں مجھے یہ گندی سی ٹوپی بھیج دی ہے۔ میں نہیں پہنوں گا۔ اس کو اتنا شدید سر درد ہوا کہ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے دیکھ لیتے ہیں۔ اس نے ٹوپی پہنی تو سر درد ہٹ گئی۔ پھر اس نے اتاری کہ نہیں میں نہیں اب پہنوں گا سر درد تو ٹھیک ہوگئی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اسے دوبارہ سر درد ہوئی تو اسے پھر مجبوراً پہننی پڑی۔ تو اس طرح اس کا سر درد ہٹتا تھا۔ یہ ٹوپی کی برکت تھی۔ بہر حال، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص قسم کی ٹوپی کی اہمیت نہیں ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کرنے کے لئے جانا ہے یا ویسے ہی Out of Respect تمہیں عبادت کے لئے تو پہننی ہی پہننی ہے۔ لیکن ویسے بھی ایک اچھا لباس ہے، ہمارا رواج بھی ہے۔ اس لئے پہنی جاتی ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 24 جون 2015ء)



اسلام اور احترامِ میت

رانا عبدالرزاق خان لندن



مذہب کا مقصد تہذیب اور شائستگی، حوصلہ مندی اور بُرد باری، ہمدردی اور رواداری کے اخلاق پیدا کرنا ہے انسان میں بوجہ حیوان ہونے کے ایک طبعی وحشت کا عنصر ہے۔ مذہب آ کر اس کی تہذیب کرتا ہے اور اسے ایک اعلیٰ خلق یعنی شجاعت میں بدل دیتا ہے۔ اسلام نے اپنے اولین مخاطبین میں اس تہذیب اور خلق کے وصف کو اتنے اعلیٰ معیار تک پہنچایا کہ وہ کائنات میں نمونے کے انسان قرار پائے۔ سورہ بقرہ آیت 142 میں فرمایا: ''ہم نے تم کو اعلیٰ معاشرہ پیش کرنے والی قوم بنایا جو دنیا کے لئے نمونہ اور بطور گواہ کے ہوں اور تمہارے رسولؐ کو جو خلق عظیم پر قائم ہیں تمہارے لئے نمونہ اور اسوہ حسنہؐ بنایا ہے فوت شدہ انسان کے جسد کا کیا کیا جائے؟

اس کے لئے مختلف مذاہب نے مختلف طریقہ ہائے احترام کی ہدایات دی ہیں لیکن احترام کا سب سے بہتر طبعی اور الہامی طریق وہ ہے جسے اسلام نے اپنایا۔ اور فوت شدہ انسانوں کے جسد کو زمین میں دفنانے کی ہدایت دی۔ مردہ کو دفنانے کی یہ قدیم رسم اور وہ پہلی انسانی سوچ ہے جو تمثیلی زبان میں آدم کے دو بیٹوں کے واقعہ کی صورت میں انسانی علم کا حصہ بنی۔

احترامِ میت اور اسلامی تعلیم

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''تم وفات یافتہ لوگوں کو بُرا بھلا نہ کہو ان سے بُرا سلوک نہ کرو کیونکہ وہ اپنے خدا کے حضور پہنچ چکے ہیں'' (المستدرک کتاب الجنائز) اسی طرح حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن بیان کرتی ہیں کہ ''آنحضرت ﷺ نے قبروں کو بدنیتی اور بے حرمتی کے طور پر اکھیڑنے والوں پر لعنت بھیجی ہے'' (موطا امام مالک) اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جو شخص کسی مردے کی قبر بدنیتی سے اکھیڑتا ہے تو اسے قطع ید کی سزا دی جائے کیونکہ وہ ایک میت کے گھر میں داخل ہوا ہے' ابوداؤد کتاب الحدود) فقہ کی مشہور کتاب بحر الرائق میں لکھا ہے: ''اگر قبر تنگی ہو جائے تو اس میں یہودی کی ہڈیاں نظر آ جائیں تو ان کی بے حرمتی نہ کی جائے کیونکہ ان ہڈیوں کی حرمت بھی وہی ہے جو مسلمانوں کی ہڈیوں کی ہے نیز جب زندگی میں ان سے ظالمانہ سلوک کرنا اور ان کی بے حرمتی کرنا منع ہے تو ان کی وفات کے بعد بطریق اولیٰ یہ ممانعت قائم ہے'' (بحر الرائق) اسی طرح بدائع الصناء میں لکھا ہے کہ ''توہین کی غرض سے قبر اُکھیڑنا حرام ہے'' (بحر الرائق)

احترامِ میت کے بعض واقعات

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک جنازہ گزرا آپ اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ کسی نے کہا یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا ہوا انسان تو ہے گویا انسانیت کا احترام آنحضرت ﷺ کو بہت تھا۔ جنگ خندق میں ایک کافر سردار خندق میں گر کر ہلاک ہو گیا۔ اور لاش پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ کفار نے پیش کش کی کہ دس ہزار درہم لے لیں اور یہ لاش اُن کو دے دی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہم مردہ فروش نہیں ہیں ہم اس کی دیت نہیں لیں گے۔ اور پھر بلا معاوضہ اس لاش کو واپس کر دیا۔ (شرح الامام علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی) اسی طرح آنحضرت ﷺ کا یہ طرز عمل تھا کہ اگر میدان جنگ میں یا اس قسم کے حالات میں آنحضرت ﷺ کو کوئی لاش پڑی ملتی تو آپ ﷺ اس کی تدفین کا حکم دیتے یہ نہ پوچھتے کی یہ مومن کی لاش ہے یا کافر کی۔ (السیرۃ اہلبیت) آنحضرت ﷺ اپنے چچا اور حضرت علیؓ کے والد ابوطالب کی وفات پر حضرت علیؓ کو ارشاد فرمایا کہ ''آپ اپنے والد کی تجہیز و تکفین کریں اور غسل دیں پھر ان کو دفنائیں (السیرۃ الحلبیہ)

ایک قبرستان میں مسلمانوں اور غیر مسلم کی تدفین

جہاں تک ایک قبرستان میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تدفین کا تعلق ہے کئی واقعات ملتے ہیں کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے قبرستان بعض اوقات اکٹھے ہوتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ اور دوسرے صحابہ کی تدفین اس قبرستان میں ہوئی جو مکہ کا پرانا آنحضرت ﷺ کا پرانا خاندانی قبرستان تھا اور اس میں مکہ کے وہ لوگ بھی دفن ہوا کرتے تھے جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا یہی جگہ بعد میں جنت المعالی کہلائی۔ الرحلۃ الحگازیہ کے مصنف محمد اللبیب مکہ کی تاریخ لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں ''جنت معالی مکی قبرستان ہے اس میں حضرت خدیجہؓ کا مزار مبارک ہے۔ حضرت خدیجہؓ کی قبر کے پاس ہی مکہ کے سولہ سرداروں کی قبریں ہیں ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہؓ کی قبر کے پاس آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ کا مزار بھی ہے قریب ہی ابوطالب کا مزار ہے'' (الرحلۃ الحجازیہ) اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک یہودی فوت ہوئی تو حضرت عمرؓ کی اجازت سے اس کی تدفین مسلمانوں کے قبرستان میں ہوئی (السنین الکبریٰ کتاب الجنائز)

خلافت عباسیہ کے دور میں جب بغداد کی بنیاد رکھی گئی تو وہاں ایک پرانا مجوسیوں کا قبرستان تھا۔اس قبرستان میں مسلمانوں کی تدفین بھی ہوا کرتی تھی۔اور پہلی مسلمان خاتون جس کی اس قبرستان میں تدفین ہوئی وہ بانوقتہ تھی نیز اس قبرستان میں بعد میں بڑے بڑے بزرگ مثلاً حضرت امام ابوحنیفہؒ،حضرت امام محمد بن اسحاقؒ،حسن بن زید،ہشام بن عروہ اور خیزدان دفن ہوئے۔اسی طرح یہ مسلمانوں کا قبرستان بن گیا۔(تاریخ بغداد مدینۃ الاسلام) انگلستان اور یورپ میں جو مسلمان فوت ہوتے ہیں بالعموم ان کی تدفین ایسے ہی قبرستان میں ہوتی ہے۔جس میں عیسائی بھی دفن ہوتے ہیں اس پر نہ کبھی عیسائیوں نے اعتراض کیا نہ کبھی مسلمانوں نے۔لاہور کے میانی قبرستان کے دو حصے ہیں ایک حصہ میں مسلمان اور دوسرے حصہ میں عیسائی دفن ہوتے ہیں اور کوئی حدِ فاصل نہیں۔

مُردوں کی بے حرمتی کی تاریخ

یہ عجیب بات ہے کہ ابتدائی تربیت اور انوارِ نبوت سے فیض یافتہ بندگان خدا کے کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد لوگ اصل تعلیم کو بھول جاتے ہیں اور بعض انسانوں کی طبعی وحشت اور بربریت دوبارہ لوٹ آجاتی ہے۔جہاں تک انسانی میت کی توہین وتذلیل کا تعلق ہے تو اس سے فوت ہوجانے والے کا کچھ نہیں بگڑتا صرف ظالمانہ ایسی حرکات کرنے والے انسان اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔اپنے مغلوب الغضب ہونے اور وحشی ہونے کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔اگر فوت ہوجانے والا اپنے مولا کے ہاں مقبول ہے تو پھر دنیا والوں کی طرف سے توہین آمیز سلوک اس کے درجات کی بلندی کا سامان بن جاتا ہے۔نعشوں اور قبور کی بے حرمتی کا سلسلہ قدیم سے جاری ہے لیکن اس قسم کی وحشت اور بربریت کا پہلا واقعہ جو تاریخ نے محفوظ کیا ہے وہ شہید مظلوم حضرت عثمانؓ کی نعش کی بے حرمتی کا ہے۔جو جاہل اور غصے سے بے قابو ہونے والے مصر اور دوسرے علاقوں کے جتھوں میں شامل نو مسلموں کی طرف سے وقوع پذیر ہوئی۔روایات میں آتا ہے''جب حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی تو تین دن تک شرپسندوں نے دفن کرنے میں رکاوٹ ڈالی۔آخر تین دن کے بعد مدینہ کے کچھ بااثر لوگوں نے جن میں حضرت حکیم بن حزامؓ اور حضرت جبیر بن مطعم ؓ بھی تھے۔حضرت علیؓ سے ان کی تدفین کے متعلق بات کی۔شرپسندوں کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ راستہ میں پتھر لے کر بیٹھ گئے اور جنازہ گزرتے وقت ان پر پتھراؤ کیا مدینہ میں ایک احاطہ تھا جس کا نام حش کوکب تھا یہودی اس میں دفن ہوتے تھے۔چونکہ جنت البقیع میں شرپسند حضرت عثمانؓ کے جسد مبارک کو دفن ہونے نہیں دیتے تھے، اس لئے آپ کی نعش کو حش کوکب میں دفنانے کا پروگرام بنایا۔اور رات کے وقت اس کی تدفین کی گئی۔

نعشوں کی بے حُرمتی کے دیگر واقعات

اس کے بعد شہید مظلوم حضرت امام حسینؓ کی نعش مبارک کی بے حرمتی کا واقعہ آتا ہے۔ان کا سر مبارک کاٹ کر یزید کے دربار میں پیش کیا گیا اور باقی جسم مبارک کربلا ہی میں رہا۔حضرت ایوب انصاریؓ کی تدفین قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب ہوئی عیسائیوں نے آپ کے مزار کی بے حرمتی کا ارادہ کیا تو تو بنوامیّہ کے خلیفہ نے دھمکی دے دی اور یہیں کام رک گیا۔(اسد الغابہ) پھر جب عباسی دور آیا تو عباسیوں کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح نے اموی خلیفہ کی قبروں کو اکھیڑا اور ان کی نعشوں کی بے حرمتی کی۔ہشام بن عبدالملک جس کی نعش صحیح وسالم تھی اس کو نکلوایا پہلے اس کو کوڑے لگوائے پھر سولی پر لٹکایا پھر اس کو جلایا۔(الکامل فی التاریخ ابن اثیر) سپین میں عیسائیوں نے غلبہ پانے کے بعد مسلمانوں کے قبرستانوں کی سخت بے حرمتی کی اسی طرح یہودیوں کے قبرستانوں کو بھی نہ بخشا گیا۔تاریخی واقعہ ہے کہ بعض عناصر نے سازش کرتے ہوئے یہ کوشش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کی بے حرمتی کی جائے لیکن اس زمانہ کے مشہور مسلمان بادشاہ نورالدین زنگی نے خواب کے ذریعہ خوب اس کی حفاظت کی۔اور مزار کے ارد گرد تانبا اور سیسہ پگھلا کر ہمیشہ کے لئے اس خطرہ کو ٹال دیا۔مشہور سکھ لیڈر بندہ بیراگی نے سرہند شریف کے قبرستانوں کی بے حرمتی کی قبریں کھول کر نعشیں نکالیں اور ان سے وحشیانہ سلوک کیا اور ہڈیوں کو نذر آتش کر دیا۔(سکھ مسلم تاریخ حقیقت کے آئینے میں ص 157)

انگریزوں کا جب سوڈان پر تسلط ہوا تو انہوں نے مہدی سوڈانی کی نعش کو قبر سے نکالا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے اور دریا میں بہا دیا اسی طرح دوسرے مسلمانوں کی نعشوں کی بھی بے حرمتی کی (آئینہ تلبیس مولفہ ابوالقاسم رفیق) انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا تو لاہور میں مسلمانوں کے کئی مقبروں کو نیلام کرادیا۔جنہیں لوگوں نے گرا کر مکانوں اور کوٹھیوں میں تبدیل کر دیا۔کہا جاتا ہے کہ جو علاقے آج کل گوالمنڈی،ہال روڈ اور انارکلی کہلاتے ہیں یہ کسی زمانہ میں قبرستان تھے۔غرضیکہ ایک وہ اخلاق ہیں جو اسلام سکھاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں جن میں نرمی، رواداری، ہمدردی، احترام انسانیت اور احترام میت کے سبق دیئے گئے ہیں۔دوسری طرف غضب سے مغلوب جاہلیت کے پرستار اور مذہب واخلاق سے نابلد بے حوصلہ افراد اور گروہ ہیں جن کی وحشت اور بربریت سے انسان کا سر شرم سے جُھک جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سراسر رفق اور نرمی وتلطف پر مبنی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے نرمی کو پسند کرتا ہے نرمی کا جتنا اجر دیتا ہے اتنا سخت گیری کا نہیں دیتا بلکہ کسی اور نیکی کا بھی اتنا اجر نہیں دیتا۔غرض اسلام کی ایسی حسین تعلیم کو بھلا کر لوگ خود اپنے لئے ذلت خواری کا طریق اختیار کرتے ہیں کاش وہ سمجھیں کہ ہمارے پاک ومطہر رسول حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کیا تعلیم دی تھی اور آپ کا اسوہ حسنہ کیا تھا۔(ماخوذ)

''ہندو سے محبت اور ہندوستان سے نفرت ''

آل دیو بند ایک عجیب اضداد کا مجموعہ (قسط نمبر 1)

تحریر اصغر علی بھٹی مغربی افریقہ



پاکستان انڈیا کی حالیہ کشیدگی میں ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ ایک بڑی جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ انڈیا پلوامہ حملے میں ہلاک ہونے والے فوجیوں کا ذمہ دار پاکستان میں موجود جیش محمد کو قرار دیتا ہے جب کہ وزیر اعظم پاکستان نے کھلے دل سے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو ہمیں ثبوت مہیا کئے جائیں اگر ایسا ہوا ہے تو ہم خود ایسی تنظیم کے خلاف ایکشن لیں گے۔ یہ تو ایک اصولی بات تھی تاہم دبے دبے الفاظ میں انڈین میڈیا میں یہ رپورٹس بھی سامنے آرہی ہیں کہ اس سانحہ کی ذمہ دار خود مودی سرکار ہے جو اس کارڈ کے ذریعہ الیکشن جیتنا چاہتی ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو اگر پاکستان حکومت انتہائی ٹھنڈے دل اور کامیاب سفارتکاری بروئے کار نہ لاتی تو شائد اس وقت تک آدھی دنیا کا نقشہ کچھ اور ہی منظر پیش کر رہا ہوتا۔ ڈاکٹر شاہد مسعود صاحب بار بار اس بات کو دہرا رہے ہیں کہ جنگ کا خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے صرف وقفہ آیا ہے۔ کسی بھی وقت بڑی جنگ اپنا ظالم منہ کھول سکتی ہے۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ بقول وزیر اعظم صاحب انڈیا کراچی کے ساتھ بہاول پور جیسے ایک چھوٹے شہر کو نشانے پر کیوں لے رہا تھا اور اس خبر کے آوٹ ہوتے ہی اگلے دن حکومت پنجاب نے بہاول پور کے ایک مدرسے کا کنٹرول کیوں سنبھال لیا تھا؟ مودی سرکار جس تنظیم کا نام بار بار جپ رہی ہے وہ جیش محمد کیا ہے؟ کون لوگ ہیں اور کون اس کا سربراہ ہے؟ جھوٹے الزام کے نتیجے میں ہی سہی مگر یہ کون سی تنظیم ہے جس نے بارڈر کے آر پار ڈیڑھ دو ارب انسانوں کو نیوکلیئر بموں کے سائے میں لا ڈالا ہے اور اربوں انسانوں کو موت و زندگی کی دہلیز پر حیران و پریشان کر کے لا بٹھایا ہے؟ کالم کی تحریر کے دوران میڈیا سے خبریں موصول ہو رہی ہیں کہ جیش محمد کے ہیڈ مولانا مسعود اظہر کے بھائی اور بیٹے سمیت بہت سے کارکنان کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔ جیش محمد کی قانونی و اخلاقی پوزیشن کیا ہے اس بارہ میں تو حکومت وقت ہی بہتر جواب دے سکتی ہے مگر ایک بات جو ہم سب جانتے ہیں وہ بڑی عجیب اور خوفناک ہے یعنی جیش محمد اور ان کے قبیلے کی منافقت۔ جی ہاں منافقت۔ جیش محمد تنظیم دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتی ہے اور مولانا مسعود اظہر صاحب اس کے موجودہ سربراہ ہیں۔ سب سے پہلے میں آپ کو دیوبندی مسلح گروپس کا تعارف کرواتا ہوں اُس کے بعد آپ کے سامنے یہ دلخراش حقیقت رکھتا ہوں کہ دیوبندی مکتبہ فکر کے یہ لوگ جو سارے پاک و ہند کو گھسیٹ کر جنگ کے چرنوں میں لے آئے ہیں خود ہندوستان کے ہندوؤں کے چرنوں میں بیٹھنا کتنا قابل فخر سمجھتے ہیں یعنی ہندو سے محبت اور ہندوستان سے نفرت۔ چہ بوالعجبی است

جہادی دیوبندی گروپس کا تعارف

جن دنوں نواز شریف کی حکومت پاکستان میں اور طالبان کے مذاکرات جاری تھے نیشنل اور انٹرنیشنل میڈیا مولانا سمیع الحق صاحب مرحوم کو Father of the Taliban لکھتا رہا اور مولانا بھی اپنی نجی محفلوں میں اس کو بڑے فخر سے بیان کرتے نظر آتے تھے کہ آج کے زیادہ تر طالبان راہنما دیوبندی ہیں، میرے مدرسہ کے پڑھے ہوئے اور میرے ہی شاگرد ہیں حتیٰ کہ ملا عمر بھی۔ مشہور مذہبی سکالر جناب خورشید ندیم صاحب ''زیر عنوان نئ مذہبی تقسیم'' لکھتے ہیں ''طالبان پاکستان کا تعلق دیوبندی مکتب فکر سے ہے۔ اس کے ساتھ فرقہ وارانہ تشدد میں جو لوگ ملوث سمجھے جاتے ہیں، ان کا انتساب بھی ان ہی کی طرف ہے۔ مولانا سمیع الحق نے دو دن پہلے اپنے ایک انٹرویو میں طالبان کو اپنی روحانی اولاد کہا ہے۔۔۔ طالبان اگر کسی طبقے کا احترام کرتے ہیں تو وہ دیوبندی علماء ہیں۔'' (روزنامہ دنیا 08/01/2014 مستقل کالم تکبیر مسلسل جناب خورشید ندیم)

دیوبندی جہادی تحاریک میں حربی کے ساتھ ساتھ عام شہری کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح سے مشہور سلفی عالم دین جناب حافظ زبیر صاحب دیوبندی طالبان کی پالیسیوں کا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں

''حرکۃ الجہاد اسلامی سے لے کر اکثر جیش محمد تک اور اس کے علاوہ بھی دیوبندی مکتب فکر کی اکثر و بیشتر جہادی تحریکوں میں ایسے افکار موجود ہیں کہ جن کے مطابق حربی (combatants) کفار کے ساتھ عام کافر شہریوں (civilians) کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔ علاوہ ازیں یہ جماعتیں پاکستانی حکمرانوں، اور افواج پر۔۔ کفر کا فتویٰ لگاتی ہیں۔ اور ان کے ساتھ قتال کو واجب قرار دیتی ہیں۔ جس کا عملی مظاہرہ ہم سوات وغیرہ میں مولانا فضل اللہ کی تحریک کی صورت میں دیکھ چکے ہیں''

(بحوالہ عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج ص 194 مکتبہ رحمۃ للعالمین لاہور نذیر پارک غازی روڈ لاہور طبع اول جنوری 2013)

دیو بندی جہادی گروپس کی تعداد

مشہور تجزیہ نگار مکرم لال خان صاحب طالبان کی تعداد اور تعارف کے حوالے اپنے مستقل کالم جدوجہد میں زیر عنوان طالبان کا مفروضہ'' فرماتے ہیں

''کچھ دن پہلے شائع ہونے والی ایک مشہور روزنامے کی رپورٹ کے مطابق صرف شمالی وزیرستان میں طالبان کے 43 گروہ آپس میں اور حکومت کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ دوسرے قبائلی علاقے شامل کئے جائیں تو ایسے دہشت گرد گروہوں کی تعداد 54 ہوجاتی ہے پاکستان میں متحرک 12 غیر ملکی گروہ اس کے علاوہ ہیں۔''

(روزنامہ دنیا 6/03/2001)

حرکۃ الجہاد الاسلامی سے لے کر جیش محمد تک کا مختصر تعارف

حافظ زبیر صاحب دیو بندی جہادی تنظیموں کا تعارف اس طرح سے کرواتے ہیں

''شیخ اسامہ بن لادن نے 1980 میں افغان جہاد کے دوران ''حرکۃ الجہاد الاسلامی'' نامی تحریک کی بنیاد رکھی۔ 1985 میں بعض اختلافات کی بناء پر اس تحریک سے کچھ لوگ الگ ہوئے اور انہوں نے ''حرکۃ المجاہدین'' کے نام سے ایک الگ تنظیم بنالی۔ 1989 میں حرکۃ المجاہدین کے لوگ۔۔کشمیر میں داخل ہوگئے۔ 1993 میں مولانا مسعود اظہر کی کوششوں سے حرکۃ المجاہدین اور حرکۃ الجہاد الاسلامی میں اتحاد ہوگیا۔اور اس جماعت کا نیا نام حرکۃ الانصار رکھا گیا۔۔۔ 1997 میں امریکہ نے اس جماعت کو دہشت گرد جماعت قرار دے دیا جس کی وجہ سے اس کا نام دوبارہ تبدیل کرکے حرکۃ المجاہدین رکھ دیا گیا۔ 1999 میں انڈیا کے ایک مسافر طیارے کے اغواء کیس میں مولانا مسعود اظہر کی رہائی ممکن ہوئی تو انہوں نے سال 2000 میں ایک نئی جہادی تحریک ''جیش محمد'' کی بنیاد رکھی۔حرکۃ المجاہدین کے بہت سارے کارکن مولانا کی اس جماعت میں شامل ہوگئے۔''

(بحوالہ عصر حاضر میں تکفیر،خروج،جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج ص 193،194 مکتبہ رحمۃ للعالمین لاہور نذیر پارک غازی روڈ لاہور طبع اول جنوری 2013)

تحریک طالبان پاکستان کا تعارف

حافظ زبیر صاحب دیو بندی جہادی تنظیموں میں ایک نئی تنظیم تحریک طالبان پاکستان کی وجہ پیدائش اس طرح سے بتاتے ہیں

۔اکتوبر 2004ء میں جنوبی وزیرستان میں عبداللہ محسود نامی طالبان راہنما سامنے آئے ۔عبداللہ ڈیڑھ سال تک گوانتانا موبے جیل میں قید رہے تھے۔ بعد ازاں امریکیوں نے انہیں رہا کردیا تھا۔انہوں نے دو چینی انجنیئر ز کو اغوا کیا اور ایک حملے میں 2007 میں مارے گئے۔

عبداللہ محسود کے بعد بیت اللہ محسود طالبان کمانڈر کے طور پر سامنے آئے اور انہوں نے پاکستانی افواج پر خود کش حملوں کا اعلان کردیا۔دسمبر 2007ء میں 20 بڑے طالبانی راہنماؤں کا اجلاس ہوا اور ''تحریک طالبان پاکستان'' کی بنیاد رکھی گئی۔ اور مولوی عمر کو تحریک کا ترجمان مقرر کیا گیا۔بعد ازاں بیت اللہ محسود بھی ایک لڑائی میں مارا گیا تو اس کا بھائی حکیم اللہ محسود کمانڈر بنایا گیا۔حکیم اللہ کے دور میں پاکستان کے ہر طرف خود کش حملوں کی بارش کردی گئی۔فوج، پولیس اور سیکیورٹی اہلکاروں پر بہت وسیع پیمانے پر حملے کرکے قتل و غارت مچائی گئی۔ آخر کار حکیم اللہ محسود بھی ایک امریکی ڈرون کا شکار ہو کر ختم ہوا۔حکیم اللہ کی موت کے بعد تحریک طالبان پاکستان دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ایک کی قیادت ملا فضل اللہ اور دوسرے کی قیادت خالد عرف سجنا کر نے لگ گئے۔

(خلاصہ عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج ص 191 تا 205 مکتبہ رحمۃ للعالمین لاہور نذیر پارک غازی روڈ لاہور طبع اول جنوری 2013)

یوں ''حرکۃ الجہاد اسلامی سے لے کر جیش محمد تک اور اس کے علاوہ بھی دیوبندی مکتب فکر کی اکثر و بیشتر جہادی تحریکیں جو کبھی ہمیں غزوہ ہند کی نویدیں سناتے ہیں اور کبھی محمد بن قاسم اور سلطان محمود غزنوی کی داستانیں تو کبھی پاکستانی فوج کو بھی کافرین کی موید قرار دے کر خود کش حملوں کا مورد بنا دیتے ہیں جب کہ ان کے اکابرین ساری عمر ہندو قیادت کے پیچھے چلنے کو اپنی زندگی کا سرمایہ افتخار قرار دیتے رہے۔دیو بند کے ابتدائی فنانسرز میں ہندو نظر آتے ہیں۔سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب اندرا گاندھی کو اپنی بیٹی قرار دیتے تھے تو دیو بند کی سو سالہ تقریبات کی مہمان خصوصی جناب سونیا گاندھی صاحبہ تھیں۔مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے تو پاکستان آنا بھی گوارا نہ کیا۔بات یہیں تک رہتی تو شائد جیش محمد کا ہندوستان کے مشرک حکمرانوں سے جہاد کی بات سمجھ آتی مگر دیوبندی اکابرین تو ساری عمر انہیں ہندو اکابرین کے لئے شعائر اللہ تک کو بدلنے پر تلے رہے۔جمیعۃ العلمائے ہند کے صدر مفتی محمد کفائیت اللہ نے شردھانند ہندو کے قاتل عبد الرشید کے بارے فتویٰ دیا کہ وہ جنت سے محروم ہے انہوں نے فرمایا کہ کافر معاہد کا قاتل جنت کی بو بھی نہیں سونگھے گا۔''مشہور دیو بندی مولوی ظفر الملک اسحاق علی نے تو ہندو آقا سے محبت کی تمام حدیں پار کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ختم نبوت نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے

(دبدبہ سکندری رامپور یکم نومبر 1920)

حافظ بیعت اللہ تو اس سے بھی آگے چلے گئے چنانچہ مسٹر گاندھی کی برسی کے موقعہ پر حافظ بیعت اللہ اور بابا خضر نے مسٹر گاندھی کی تصویر کے سامنے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کی جبکہ دوسری طرف بھجن گائے جا رہے تھے

(اخبار سیاست یکم فروری 1957)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے ناگپور میں جمعہ کے خطبہ اولیٰ میں مسٹر گاندھی کو

تعریف وتوصیف کے پل باندھ دیئے (اخبار مشرق گورکھپور 12 جنوری 1921) مولانا شوکت علی مرحوم نے فرمایا ''اے اللہ ایک ہم سے نیک کام بھی ہوگیا ہے یعنی میں اور مہاتما گاندھی یقینی بھائی بھائی ہوگئے ہیں۔اور یہ محبت میں نے جان بوجھ کر بڑھائی ہے'' (اخبار فتح دہلی 22 نومبر 1920)

مولوی فضل الرحمٰن صاحب وفاقی وزیر فیصل ووڈا پر چیخ رہے تھے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ کے بعد عمران خان اس دور میں بڑا لیڈر ہے بلکہ بعض مولوی صاحبان تو اس بات پر توہین رسالت کا مقدمہ چلانے اور پھانسی دینے کے مطالبات کر رہے ہیں۔سنیں دیوبندی اکابر علماء ہندومشرکین کے بارے میں کیا گل افشانیاں فرمارہے تھے ممتاز دیوبندی عالم دین مولوی عبدالماجد بدیوانی نے تو آنحضور ﷺ کا لقب بھی بڑے فخر سے گاندھی جی کو عطا کر دیا آپ نے جمیعۃ العلماء دہلی کے جلسے میں فرمایا'' خدا نے ان کو (گاندھی جی کو) تمہارے لئے مذکر بنا کر بھیجا ہے (یعنی male) قدرت نے ان کو سبق پڑھانے والا مذکر کرکے بھیجا ہے (اخبار فتح دہلی 24 نومبر 1920 و پاسبان مذہب وملت تحریر محمد جمیل الرحمٰن مطبوعہ ومطبع اہل سنت والجماعت بریلی 1339ھ ص29) اب سب جانتے ہیں مذکر سورہ غاشیہ آیت 21 میں اللہ نے آپ ﷺ کو فرمایا ہے۔مولوی شوکت علی نے دہلی جامع مسجد میں فرمایا کہ'' اگر تم ہندو بھایوں کو راضی کرو گے تو خدا کو راضی کرو گے'' (پاسبان مذہب وملت مطبوعہ بریلی ص29) بریلی میں مسٹر گاندھی کی آمد کے موقع پر خلافت کمیٹی کے سیکرٹری کی طرف سے ایک اشتہار بعنوان'' مہاتما گاندھی کی آمد'' کشور پریس بریلی میں 1920 میں طبع کرا کے شائع کیا گیا۔اس میں کہا گیا کہ'' خدا کا شکر ہے کہ 16 اکتوبر 1920 کو ہمارے ملک کے لیڈر، ہمارے شہر کی خاک کو پاک کرنے کے لئے آ رہے ہیں'' (پاسبان مذہب وملت تحریر محمد جمیل الرحمٰن مطبوعہ ومطبع اہل سنت والجماعت بریلی 1339ھ ص 48) اس جلسے کے لئے اراکین انجمن اسلامیہ بریلی کی طرف سے منظوم سپاس نامہ پیش کیا گیا جو پنجابی گزٹ پریس بریلی میں چھپ کر شائع ہوا۔ لمبا قصیدہ ہے اس میں گاندھی جی کو فخر قوم۔ رشک خیابان۔مسیحا۔درد کا مداوا۔اقلیم دل کے حاکم۔مردہ تھی قوم آپ نے اس کو جلا دیا۔مہاتما۔آپ بے کسوں کے حامی۔گم کردہ راہ قوم کے راہبر۔ بھارت کے حق میں رحمت۔ ہم آپ پر جان نثار۔ہماری جان ومال آپ کے حکم کی منتظر ہے۔

(پاسبان مذہب وملت تحریر محمد جمیل الرحمٰن مطبوعہ ومطبع اہل سنت والجماعت بریلی 1339ھ ص 48)

اسی جلسے میں ایک سپاس نامہ بعنوان'' اہالیان بریلی کی جانب سے مہاتما گاندھی کا خیر مقدم'' اس میں موصوف گاندھی جی کے بارے میں فرماتے ہیں

ہیں جن کو دیکھ کر مہر اور مہ ششدر، وہ آئے ہیں

جھکاتے ہیں ملائک جن کے آگے سر، وہ آئے ہیں (پاسبان مذہب وملت تحریر محمد جمیل الرحمٰن مطبوعہ ومطبع اہل سنت والجماعت بریلی 1339ھ ص 35)

تحریک خلافت میں مسلمان علماء کے تعاون کی بدولت مسٹر گاندھی نے دوسرا قدم اُٹھایا اور 1920 میں تحریک ترک موالات کا اعلان کر دیا۔ 2 جون 1920 کو الہ آباد میں ایک اجلاس ہوا جس میں ہندو اور مسلمان رہنماؤں نے شرکت کی، اس میں تحریک ترک موالات کی قرارداد اصولاً پاس کر دی گئی اور اس کے طریقہ کار کو گاندھی جی کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔(تحریک آزادی ہند اور سواد اعظم از پروفیسر محمد مسعود احمد ضیاء القرآن پبلی کیشنز ص 116)

مولانا آزاد ترک مولات میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے مسلمان کی یہ تعریف کردی ''مسلمان ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ وجود جس کو اگر رائی برابر اللہ اور اس کی شریعت اور اس کا ایمان محبوب ہے وہ ایک منٹ کے لئے انگریزی گورنمنٹ کی غلامی کو اس کی اطاعت کو اس کی وفاداری کو اس کے وجود کو اس کی بقا کو قبول نہیں کر سکتا'' (خطبہ صدارت مولانا آزاد جلسہ جمیعۃ العلمائے ہند بریڈ ہال لاہور 1921 از مشتاق احمد مطبوعہ دہلی ص 27) اس موقع پر مولوی احمد رضا خان صاحب نے طنزیہ ریمارکس دیے تھے ''یہ کون سا دین ہے نصاری کی ادھوری سے اجتناب اور مشرکین کی پوری میں غرقاب۔فرمن المط وقف تحت المیز اب یعنی چلتے پرنالے کے نیچے ٹھہرے مینہ سے بھاگ کر'' (المحجتہ المؤتمنہ المیز اب از احمد رضا خان ص 14)

1925 میں آریہ سماج کے بانی دیانند کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر ایک جلسہ میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے ہندو لیڈر جمع ہوے اور مسلمانوں کو مرتد کرنے و گمراہ کرنے کی ایک خفیہ سازش یعنی تحریک شدھی کا پلان بنایا گیا۔تحریک شدھی کو لالہ منشی رام شردھانند نے آگے بڑھایا۔ یہ وہی صاحب ہیں جن کو تحریک ترک موالات کے دوران جامع مسجد دہلی کے منبر پر بیٹھا کر تقاریر کروائی جاتی تھیں۔ تاریخ اسلامی کا کتنا دردناک باب ہے مسجد شیخ خیر الدین امرتسر کا یہ واقعہ'' گروہ علماء نے مسٹر گاندھی کو جامع مسجد شیخ خیر الدین امرتسر میں لاکر منبر رسول پر بٹھایا اور خود اس کے قدموں میں بیٹھے اور یہ دعا کی گئی کہ اے اللہ تو گاندھی کے ذریعہ اسلام کی مدد فرما'' (مقالات یوم رضا حصہ اول مطبوعہ لاہور 1968 تحریر عبدالنبی کوکب ص 98/ 99)

مشہور مورخ اور عالم دین جناب پروفیسر مسعود صاحب دیوبندی علماء کی ہندو لیڈران سے مرعوبیت اور غالی اطاعت کے اسلام اور مسلمانان برصغیر کو اقتصادی نقصانات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں

''چنانچہ غور کرنے کی بات ہے کہ تحریک خلافت کے زمانے سے شروع ہونے والی ہندو آقاؤں کی اطاعت نے قدم قدم پر مسلمانوں کی کمر توڑ کر رکھ دی تحریک ستیہ

گرہ۔تحریک ترک مولات۔تحریک ترک گاؤکشی۔یوں پہلے مسلمان زمینداروں کو سودی قرضوں کے ذریعہ بے بس کیا گیا۔اس کے بعد قصابوں کو گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگوا کر بے آسرا کرنا چاہا۔پھراس کے بعد تحریک کھدر شروع کر کے مومن قوم کو جو خوش حال تھی اور اپنے فن میں یگانہ روزگار تھی۔چنانچہ ڈھاکہ کی چکن ،جائس کی جامدانی،مبارک پور کے ڈورئے،لنگی،مشروح،غلطہ، بھاگل پور کی سلک،فتوحا کے عمامے،بنارس کے دوپٹے،ساڑھیاں،کم خواب،زربفت،زری وغیرہ۔تحریک کھدر نے مسلمان پارچہ بافوں کی کمر توڑ دی۔۔۔مگر پھر بھی مسلمان راہنماؤں نے اس تحریک کی ہمت افزائی کی۔۔۔مولوی حسین احمد مدنی سندھ آئے اور یہاں بھرے مجمعوں میں عمامے اتروا کر کھدر کی ٹوپیاں پہنائیں۔''

(تحریک آزادی ہنداورسواداعظم از پروفیسر محمدمسعوداحمدضیاءالقرآن پبلی کیشنز ص122/ 123)

کشمیر کی آزادی کی تحریک آگے بڑھنے لگی تو کانگریس نے اپنے احراری دیوبندی علماء کے جتھے ڈال کر اس پر امن اور قانونی تحریک کو سبوتاژ کر کے رکھ دیا۔اسی طرح سے جب 24 جون سے 14 جولائی 1945 تک قائداعظم کانگریس سے مذاکرات میں مصروف تھے اوراس کوشش میں تھے کہ کانگریس لیڈر مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر کے کوئی آبرومندانہ سمجھوتہ کرلیں اور قومی حکومت قائم ہوجائے۔ایک طرف کانگریس اس پرآمادہ نہ ہوئی تو دوسری طرف مسلم لیگ کے اس مئوقف کو سبوتاژ کرنے کے لئے اور کانگریس کی حمائیت کے لئے دہلی میں مولوی لوگوں نے ایک کانفرنس کر دی جس میں جمیعۃ العلماء ہند۔۔مسلم مجلس۔۔۔مومن کانفرنس۔۔۔آزاد پارٹی۔۔۔اورانجمن وطن بلوچستان اور ایک قرارداد منظور کروائی کہ مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی نمائندہ ہی نہیں۔(قائداعظم اور دستورساز اسمبلی مصنفہ محمد اشرف خان مدیر معاون زمیندار ص152)

غرض جیش محمد اوراس کے اکابرین نے آزادی پاکستان سے قبل آزادی پاکستان کے دوران اوراب آزادی پاکستان کے بعد ہمیشہ ہی ہندواکانومی کو ہندو سیاست کو اور ہندو مفادات کو غریب مسلمانوں کی گردنوں پر لادنے کی کوشش کی ہے ۔ہندوستان کے اندر گائے کے نام پر غریب مسلمانوں کے گلے کاٹنے والوں کو اب جیش محمد کا جھنڈا دکھا کر پاکستان کی سرحدوں میں داخل ہوکر یہاں والوں کے بھی گلے کاٹنے کی دعوت دی جارہی ہے

اب جبکہ 70 سال بعد پاکستان میں ایک امید کی کرن پھوٹ رہی ہے تو وزیر اعظم صاحب کو چاہئے کہ پہلی فرصت میں ایسی تمام دوغلی تنظیموں سے وطن کو پاک کر دیں جو ہندووں سے محبت اور ہندوستان سے نفرت کا پاٹ پڑھا رہے ہیں

غزل



عبدالسلام اسلام

یمِ توحید میں پیدا ہوا پھر جوشِ طوفانی
محیطِ کل جہاں ہونے کو ہے اُلفت کی طغیانی

سلگتی ہے غمِ ملت کی چنگاری وہ سینے میں
دکھا سکتا نہیں میں اپنے دل کا سوزِ پنہانی

یہی جمہوریت تھی کیا کہو ارکانِ دولت سے
حنا بندی کے کام آتا ہے اب تک خونِ انسانی

لٹکتے ہیں تیری جمہوریت کے خوش نما پردے
ٹپکتے ہیں مرے آنسو ابھی ہے دورِ سلطانی

مقرب ہے خدا کا اور ''جنتن'' کا وارث
شبستاں میں نہیں رکھتا ہے جو عیش شبستانی

بے دارو رسن لٹکادیا اس شیخ نے مجھ کو
کمال ِ فن کہاں رکھتا ہے ایسا دشمنِ جانی

بلند ہے اُس کی شانِ پاک انسانی تصور سے
فرشتے کر رہے ہیں مصطفٰی کے در کی دربانی

خدا کا علم بے شک ہے محیط کل جہاں ِ واعظ!
جہالت ہے سراسر آپ کا خبطِ ہما دانی

مطاعِ گم شدہ آخر وہ پا لیتے ہیں دنیا میں
کہ گم خاکِ زمیں میں جن کی ہو جاتی ہے پیشانی

خدا کے عشق و ایماں سے عجب تسکین ملتی ہے
سکون دل مجھے دیتی ہے مری طبعِ طوفانی

گریباں پھاڑ کر اپنا جو پائی قیس نے لیلیٰ
تو کیوں نہ رنگ لائے گی ہماری چاک دامانی

نگاہوں کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں منظر بھی
خدادانی تری ہے کج نگاہی سے صنم دانی

یہی نکتہ خلاصہ عین ہے تاریخ ِ مذہب کا
ستم کو ہے کچل دیتا بالآخر کارِ پیشانی

آخر اسلامؔ کے نالے یوں ہی سنتی رہی محفل
بدل ڈالے گا یہ عشق مجازی کی غزل خوانی



''او کون لوگ او تُسیں؟''

(تحریر شاہین سانگلوی)

پلوامہ، کشمیر، سرجیکل سٹرائیک، حملہ، جنگ، محدود جنگ، ایٹمی جنگ وغیرہ وغیرہ یہ وہ موضوعات ہیں جو آجکل پاکستان کی ہر محفل پر چھائے ہوئے ہیں۔ سوشل میڈیا، پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا حتیٰ کہ چوکوں چوراہوں اور گھر کے باہر چھوٹے چھوٹے تھڑوں تک، ہندوستانی مسلمانوں کی حالت زار موضوع سخن بنی ہوئی ہے۔ کوئی کشمیری نوجوانوں کے زخمی چہروں پر متاسف ہے تو کوئی کشمیری مستورات، اُن کے سروں سے اُترے دوپٹوں اور بین کرتی ماؤں کے لئے دلگیر ہے غرض ہر شخص اپنے اپنے علم اور ظرف کے مطابق شامل قافلہ ہے۔ کوئی جنگ و جدل سے باز رہنے کے لئے دعا گو ہے تو کوئی عمران خان صاحب کو غزوہ ہند کی نویدیں سنا کر ہلہ شیری دے رہا ہے۔ لیکن اس ساری کہانی سے پرے اور اس سارے منظر سے بالکل بے نیاز ہندوستان کے مسلمان آپس میں ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے، ایک دوسرے پر الزام لگانے، ایک دوسرے کو دہشت گرد قرار دینے، اور ایک دوسرے کے بارے میں حکومت ہند کو خط لکھنے میں مصروف ہیں کہ ہم تو محب وطن ہیں لیکن یہ مسلک دہشت گرد ہے اس لئے آپ براہ مہربانی اس مسلک کے مدرسے قومی تحویل میں لے لیں۔ تو دوسرا جواباً سُر ملاتا ہے کہ بالکل نہیں، ان کی بات کا اعتبار نہ کرنا ان کو تو سرحد پار سے مدد ملتی ہے ان کو دہشت گرد قرار دے دیا جائے غرض ایک عجیب بے حسی، بے بسی اور ایک عجیب ناعاقبت اندیشی کا دنگل جاری ہے۔ سر نیچے، آوازیں اونچیں، ہاتھ میں ڈنڈے، دل میں نفرت، مگر آنکھیں اور کان بالکل بند۔ یہ ہیں وہ ہندوستانی بھائی جن کے لئے پاکستان سمیت ساری دنیا کے مسلمان فکر مندی میں گھلے جا رہے ہیں۔ انہیں اس سر پھٹول جیسی مکروہ کھیل میں دیکھ کر ہر بندے کی زبان پر بے اختیار پنجابی میں یہی الفاظ پھسل جاتے ہیں کہ ''او کون لوگ او تسیں''؟

نومبر 2018 میں ہندوستان کے ایک وفاقی وزیر صاحب دیوبند کا دورہ کرنے آئے اور یہیں کھڑے ہو کر دیوبند کو دہشت گردی کا مندر قرار دے دیا اور یہ تقریباً انہیں الفاظ کا تسلسل اور بازگشت تھی جو اس سے پہلے اس علاقے کے مسلمان وقف بورڈ کے چیرمین حکومت ہند کی قومی وصوبائی اسمبلیوں کو خط لکھ کر اطلاع کر چکے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے سرکاری ترجمان رسالے ماہنامہ دارالعلوم اپنی جنوری 2019 کے ادارئے میں زیر عنوان یہ امن ومحبت کے گہوارے کب تک دہشت گردی کے الزامات کی زد میں رہیں گے؟ میں تفصیل سے اس اپنوں کے ہاتھوں لگائی جانے والی آگ کا حال درج کرتے ہوئے لکھتا ہے ''گزشتہ مہینے (نومبر) کی آخری تاریخوں میں ایک مرکزی وزیر (گری راج سنگھ) دیوبند آئے اور دارالعلوم دیوبند کے خلاف ایک غیر سنجیدہ شرانگیز بیان دے کر چلے گئے انھوں نے کہا کہ دارالعلوم دیوبند سے بغدادی اور حافظ سعید جیسے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ اخباری رپورٹ کے مطابق انہوں نے دارالعلوم دیوبند کو دہشت گردی کا مندر تک کہہ دیا۔ اسی سے قبل 2018 کے آغاز میں یوپی ایک وقف بورڈ کے چیرمین نے با قاعدہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو خط لکھ کر مدارس پر پابندی لگانے اور انہیں سرکاری تحویل میں لینے کا مطالبہ کیا۔ اور مدارس پر دہشت گردی کی تعلیم و تربیت دینے اور پڑوسی ممالک سے امداد لینے کے بے سروپا الزامات عائد کئے۔ حالانکہ انکے اس مئوقف کی خود اُن کے فرقہ نے کھل کر مخالفت کی اور اسی فرقہ سے تعلق رکھنے والے مرکزی وزیر مختار عباس نقوی نے واضح طور پر اُن کی تردید کی۔ مگر چونکہ مذکور چیرمین نام کے اعتبار سے مسلمان ہیں اس لئے اُن کے اس بیان کے نقصانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی زمانے میں ایک اور اسی قسم کے نام نہاد مسلمان لیڈر جو شاہ بانو کیس میں پوری ملت کے متفقہ مئوقف کی مخالفت کر کے بدنام رہ چکے ہیں۔ انھوں نے ایک انٹرویو میں اپنے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور مدارس اسلامیہ جو نصاب پڑھاتے ہیں وہ دہشت گردی کو فروغ دیتا ہے ''

(ماہنامہ دارالعلوم جنوری 2019 ص 4 و 5 اداریہ محمد سلمان بجنوری)

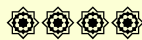
دارالعلوم دیوبند جن دنوں دیگر مسلمان مسالک اور ان کے قومی وصوبائی اسمبلی کے ممبران کی طرف سے لگنے والے الزامات پر ظلم کی دہائیاں دے رہا تھا عین اسی وقت مشہور دیوبندی لوک سبھا ممبر اور جمعیت علمائے ہند کے ایک صوبائی صدر جناب بدرالدین اجمل صاحب نے انڈین لوک سبھا میں کھڑے ہو کر بتایا کہ اصل دہشت گرد یہ ہمارے اہل حدیث بھائی ہیں۔ 67 سالہ محترم بدرالدین اجمل صاحب DHUBRI آسام سے لوک سبھا کے ممبر ہیں آپ کا تعلق جمیعۃ العلماء ہند سے ہے۔ آپ نے AUDF کے نام سے سیاسی پارٹی بنائی (ASSAM UNITED DEMOCRATIC FRONT) جسے آج

کل AUIDF میں تبدیل کر دیا گیا ہے یعنی ALL INDIA UNITED DEMOCRTIC FRONT ۔ آپ آسام میں جمعیۃ العلماء ہند کے صوبائی صدر بھی ہیں۔آپ کو 2015/2016 میں Royal Islamic Strategic Studies Center of Jorden نے اسلامی دنیا کے 500 طاقتور ترین لیڈروں میں شمار کیا تھا۔مولانا نے طلاق ثلاثہ کے بل پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے اہل حدیث مسلک پر دہشت گردی اور دہشت گردوں کی پشت پناہی اور تشدد میں ملوث ہونے کا الزام لگا دیا۔لوک سبھا سیشن کے فوری بعد دہلی میں مرکزی جمیعت اہل حدیث کے دفتر میں اجلاس ہوا اور مولانا اصغر علی امام مہدی امیر مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند کی طرف اخبارات میں بیان جاری کیا گیا کہ مولانا بدرالدین اجمل نے سلفیت پر جس طرح بہتان بازی وزہر افشانی کی ہے اور گمراہ کن بیان دیا ہے۔اسے انتہائی افسوس ناک اور مسلمانان ہند کی صفوں میں انتشار پھیلانے کی لائق مذمت اور قابل تردید کاروائی قرار دے دیا۔ اس سے انسان دوست لوگوں کی دل آزاری ہوئی ہے۔۔(پندرہ روزہ جریدہ ترجمان ص 29 مرکزی جمیعت کی پریس ریلیز جلد 39 شمارہ 2 برائے 16۔31/جنوری 2019)۔پھر اسی رسالہ نے اپنے ادارئے میں بدرالدین اجمل صاحب جیسے لوگوں کے کردار پر بحث کرتے ہوئے لکھا کہ ’ المیہ یہ ہے کہ اس غیر صحت مند رویئے کے لئے مضبوط ترین بلکہ نہائیت سفاک انداز میں بڑی بے شرمی کے ساتھ جواز بھی فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے‘‘ (ص 4 اداریہ)۔دیوبند والے حضرات ایک طرف اہل حدیث بھائیوں سے گتھم گتھا تھے تو عین اُسی وقت آپس میں بھی تلواریں سونت کر سیدھے ہو گئے۔تبلیغی جماعت میں دھڑے بندی کافی عرصے سے تھی مگر کبھی بھی صورتحال جھگڑے تک نہ پہنچی تھی لیکن یوں ہی گزشتہ سال کے آخیر میں مجلس شوریٰ کے second last ممبر جناب مولانا عبدالوہاب صاحب کی وفات ہوئی تو ایک گروپ نے خود سے ہی امیر ہونے کا دعویٰ کر دیا تو دوسرے اس اعلان کے ساتھ سامنے آ گئے کہ ہمیں کسی امیر کی ضرورت ہی نہیں ہے ہم شوریٰ سے کام چلائیں گے۔اور پھر اختلاف اس حد تک آگے بڑھا کہ شوریٰ گروپ بستی نظام الدین انڈیا کو چھوڑ کر ممبئی پہنچ گیا اور اُنہوں نے اپنا مرکز نظام الدین کی جگہہ ممبئی کو بنا لیا۔پاکستان میں رائیونڈ گروپ ان کی حمائیت میں اُٹھ کھڑا ہوا اور اُنہوں نے امارت والوں کو رائیونڈ کے اجتماع سے بے دخل کر دیا۔اسی دوران بنگلہ دیش میں شوریٰ گروپ نے دریائے TURAG کے کنارے اجتماع کرنا چاہا جس پر امارت گروپ نے حملہ کردیا جس کے نتیجہ میں کے ایک بندہ قتل ہو گیا پھر ہفتہ کے دن TONGI BARTAR کے اجتماع پر بلوہ کیا گیا جس میں دو سو سے زائد افراد زخمی ہو گئے۔

آل دیوبند کا اہل حدیث بھائیوں کے خلاف پروپیگنڈہ قومی سطح پر بھی پھیل گیا اور اس کی بازگشت ہریانہ کی ایک مسجد کے متعلق ایک سرکاری کمیشن میں بھی سنائی دینے لگ گئی۔مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند دہلی سے شائع ہونے والے 15 روزہ جریدے ترجمان کی 16 نومبر 2018 کی اشاعت میں حکومت ہند کی پلول ہریانہ کی ایک مسجد کے متعلق دہلی اقلیتی کمیشن کی سرکاری رپورٹ پر حیرت اور غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے اپنی پریس ریلیز۔زیر عنوان’’مرکزی جمیعت کی پریس ریلیز‘‘۔ذیلی عنوان’’ایک غلط فہمی کا ازالہ دہشت گردی کا کوئی دین و مذہب نہیں‘‘ ’’دہلی 4 نومبر 2018۔ ہریانہ کی ایک مسجد سے متعلق دہلی اقلیتی کمیشن کی شائع رپورٹ کے اس حصہ پر سخت حیرت وافسوس کا اظہار کیا گیا ہے جس میں شعوری یا غیر شعوری طور پر دہشت گرد تنظیم لشکر طیبہ کو سلفی مکتب فکر سے منسوب کیا گیا ہے۔یہ ایک انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور افسوس ناک بات ہے اس سے کروڑوں امن پسند محب وطن اور انسانیت دوست لوگوں کی دل آزاری ہوئی ہے۔اور جس پر ہر انصاف پسند نالاں وشکوہ کناں ہے۔اس گروہ کی نسبت سلفیت کی طرف کی گئی ہے جس کا فکری و عملی اعتبار سے سلفیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔اور نہ ہی سلفیان عالم اس قسم کے لوگوں کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کے فکر وخیال جداگانہ بلکہ مخالفانہ ومتضاد ہیں۔مذکورہ غلط فہمی کی تشہیر اقلیتی کمیشن جیسے موقر ادارے کے ذمہ دار کی جانب سے ہوئی ہے جس کے سلسلہ میں جمیعت کو یقین ہے کہ غیر شعوری طور پر غیر متعلق بات یعنی کہ لشکر طیبہ والے سلفی ہیں معرض بیان میں آ گئی ہے۔چنانچہ سلفی لوگوں کے اضطراب کے مدنظر یہ وضاحت کرنی پڑی ہے‘‘

قصہ مختصر یہ کہ سارے پاکستان کے مسلمان جن کے لئے بے چین ہیں وہ خود کیا کر رہے ہیں؟۔اپنی حکومت کی خوشنودی لینے کے لئے اپنے بھائی کا رستہ کھوٹا کرنے میں مصروف عمل۔بریلوی دیوبندی پر دیوبندی اہل حدیث پر اور سب مل کر ایک دوسرے پر الزامات لگا رہے ہیں اور اپنے محب وطن ہونے اور دوسرے فرقے کے دہشت گرد ہونے کی دلیلیں حکومت کو مہیا کر رہے ہیں۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔ہم کب اپنے ذاتی وگروہی ومسلکی مفادات سے بلند ہو کر انسان کے لئے سوچیں گے۔کب زبان کو بند اور کان و آنکھ کو کھول کر چلنا اور جینا سیکھیں گے؟ آخر کب؟

کیوں پڑے ہو اوس کی چادر میں چہرہ ڈھانپ کر
سونے والو ! اب تو سر پر آفتاب آنے کو ہے







یہود و نصاریٰ سے یہود و ہنود اور پھر۔۔۔

اصغر علی بھٹی۔نائیجر مغربی افریقہ

ہم نے جب سے ہوش سنبھالی، ٹی وی اور اخبار کے توسط سے بعض مخصوص فقرے لاتعداد دفعہ سماعت سے ٹکرائے ہونگے۔یعنی جب بھی کوئی سانحہ ہوا یا کوئی حادثہ ہوا فوری احباب حل وعقد کسی مذہبی فریضہ کی طرح یہ الفاظ آن ائیر کر دیتے۔''اس میں بیرونی ہاتھ ملوث ہیں''، اس کے ملزموں سے آہنی ہاتھ سے نمٹا جائے گا۔جبکہ مذہبی دنیا کی اہم شخصیات اپنی روحانی فراست کی بناء پر ہم کم علموں کوضرور متنبہ کرتیں کہ اس واقعہ میں یہود و نصاریٰ کی شیطانی ہے جو اسلام کے نام پر بنی واحد ریاست کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور ان نصاریٰ میں سے امریکہ ہمارے ملک کا اول نمبر دشمن ہے۔وقت بدلتا گیا پھر نصاریٰ میں ایک ''ریگن نام'' کا ''ڈالروں کی بوری والا روحانی بابا'' پیدا ہو گیا۔اُس نے ہمارے مرحوم مولانا سمیع الحق صاحب اور قاضی حسین احمد صاحب جیسے بڑے مذہبی بزرگوں کو بتایا کہ ہم اتنے برے بھی نہیں ہے اور اپنی ''روحانی کرامت والی بوری'' دکھائی ۔دو بڑوں کی بیٹھک تھی ،کرامات کا تبادلہ ہوا اور پھر خیر سے ہمارے بزرگ کون سے سنگدل تھے اُنہوں نے ایک طرف تو فوری طور پر صلح کے لئے ہاتھ بڑھا دیا تو دوسری طرف مشہور نعرہ یہود و نصاریٰ کو یہود و ہنود میں تبدیل کر دیا۔الحمدللہ اس نعرے کی تبدیلی کی برکت سے ہمارے جماعت اسلامی اور دیوبندی بھائیوں نے''جنت'' بھی کمائی اور دنیا بھی۔وقت کا پہیہ کبھی رکتا نہیں اور برکات سے مستفید ہونے کو کس کا دل نہیں کرتا لہٰذا تحریک لبیک، بریلوی دنیا کی نمائیندگی کا دعویٰ لے کر سامنے آئی اور پھر ''فیض آباد دھرنے اور اس سے حاصل واپسی کے کرائے کی برکت'' نے اس نعرے کو بھی تبدیل کر دیا اور یوں پاکستان کی اسلامی دنیا کو نیا سلوگن یہود و ہنود سے تبدیل کر کے یہود و یہودی بچہ عطا کر دیا گیا ۔حکومت وقت کو یہ تبدیلی انتہائی نامناسب معلوم ہوئی تو جناب سربراہ لبیک تحریک کو ریفریشر کورس کے لئے سرکاری مہمان نوازی میں بھیج دیا گیا جہاں وہ آج کل ہمہ تن گوش ہو کر گوشہ تنہائی میں نیا نعرہ ایجاد کرنے کی تک بندی میں مشغول ہیں۔

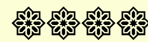
یہ تو خیر پاکستان کی دنیا کا حال ہے جبکہ لگتا ہے عالمی اسلامی سطح پر بھی اس نعرے میں تبدیلی کے لئے ہوم ورک جاری ہے اور یوں اس متداول ''یہود و ہنود'' نعرے کو صرف ''ہنود'' تک محدود کرنے کے لئے عقلی گھوڑے دوڑائے جا رہے ہیں۔دارلعلوم دیوبند کی آفیشل ویب سائٹ''دیوبند آن لائن'' پر جناب خورشید عالم داؤد قاسمی صاحب کا جو مضمون 7 نومبر 2018 کو شائع ہوا وہ پیش ہے ۔آپ لکھتے ہیں ''اکتوبر 2018 کو غاصب صہیونی ریاست اسرائیل کے وزیر اعظم ،بنجامن نیتن یاہو ،سلطنت عمان کے سلطان قابوس بن سعید کی دعوت پر عمان کا دورہ کر کے اپنی سیاسی طاقت مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کا ہیرو اور مسیحا بن گیا۔نیتن یاہو کے اس دورے میں اس کی اہلیہ،اسرائیل کی جاسوسی ایجنسی موساد کا ڈائریکٹر،وزارت امور خارجہ وقومی دفاعی کونسل کے اعلیٰ ذمہ داران اور فوج کے سیکرٹری وغیرہ بھی شامل تھے۔۔۔صیہونی ریاست کے وزیر اعظم نیتن یاہو کی عمان میں ضیافت کے اگلے دن 27 اکتوبر کو عمان نے کھلے طور پر یہ بیان دیا کہ اسرائیل کو مشرق وسطیٰ کی ایک ریاست کے طور پر قبول کرنے کا وقت آ گیا ہے۔بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ ایک سیریز کے طور پر خلیجی ممالک کے قائدین سب کے سب ایک ہی سر میں بات کر رہے ہیں اور ان کی باتوں پر عمل ہوتا بھی دکھائی دے رہا ہے چنانچہ بحرین میں سیکورٹی کانفرنس کے دوران عمانی وزیر خارجہ جناب یوسف بن علاوی بن عبداللہ نے کہا کہ''ہم سب اس بات کو سمجھتے ہیں کہ اسرائیل ایک ریاست ہے جو ہمارے خطہ میں واقع ہیں'' انھوں نے مزید کہا کہ''دنیا بھی اس بات سے واقف ہے۔اب وقت آ گیا ہے کہ اسرائیل کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو دوسرے ممالک کے ساتھ اپنایا جا رہا ہے۔''بحرین کے وزیر خارجہ خالد بن احمد الخلیفہ نے عمانی مئوقف کی تائید کی۔ اس کانفرنس میں سعودی عرب، بحرین، امریکہ، اٹلی، اور جرمنی کے نمائیندوں نے شرکت کی۔نیتن یاہو کے اس دورے پر تبصرہ کرتے ہوئے 26 اکتوبر 2018 کو امریکی اخبار''نیویارک ٹائمز'' کے ایک قلم کار نے اپنے مضمون میں اس دورہ کی پوری خبر والے ایک اعلیٰ اسرائیلی عہدیدار کے حوالے سے صراحت سے لکھا کہ عمان کا اسرائیل سے کھلے عام تعلقات ہو جانے کے بعد عمان کی ایماندارانہ ثالثی کی وجہ سے یہ بھی ممکن ہے کہ اب اسرائیل کے لئے مزید دروازے کھلیں۔اس عہدیدار نے مزید کہا کہ یہ بات اب خارج از امکان نہیں کہ عمان اسرائیل کے لئے نہ صرف ایران بلکہ شام کے ساتھ بھی خفیہ واسطہ اور ذریعہ کا کردار ادا کر سکتا ہے۔نیتن یاہو کا دورہ صرف عمان کے حدود میں ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس

کے فوری بعد عرب اور مسلمانوں کے خلاف متنازع بیان دے کر سرخیوں میں رہنے والی اسرائیل کی وزیر ثقافت اور کھیل ''میری رگیو'' نے اپنی اسرائیلی جوڈو ٹیم کا مقابلہ دیکھنے کے لئے متحدہ عرب امارات (یواے ای) کا دورہ کیا، جہاں پر اس کا پرجوش استقبال کیا گیا۔اور اس نے ذمہ داروں سے بھی ملاقات کی۔اس سفر کے دوران یواے ای کے عہدیداروں نے 29 اکتوبر 2018 کو وزیر موصوفہ کو ابوظہبی کی مشہور ''شیخ زائد مسجد'' کا دورہ بھی کرایا۔یہ بات بھی نوٹ کئے جانے کے قابل ہے کہ یہ پہلا موقع ہے جب اسرائیلی جوڈو ٹیم نے کسی خلیجی عرب ملک میں اپنے قومی جھنڈے کے ساتھ کھیل میں حصہ لیا۔

اس خاتون وزیر کے دورے کے بعد، اسرائیل کے کمیونیکیشن منسٹر ایوب کارا نے 30 اکتوبر کو دوبئی کا دورہ کیا۔انھوں نے دبئی میں ٹیلی کمیونیکیشن کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ''امن اور تحفظ'' کے موضوع پر بات کی۔۔۔اس سے پیشتر سعودی عرب کے ولی عہد، محمد بن سلیمان نے 2 اپریل 2018 کو دو ٹوک لفظوں میں اسرئیل کو بحیثیت ایک ریاست تسلیم کرتے ہوئے ''دی اٹلانٹک'' کے چیف ایڈیٹر جیفری گولڈ برگ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''اسرائیل کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اپنے وطن میں امن کے ساتھ رہیں'' محمد بن سلیمان کے اس بیان کو مغربی میڈیا نے ''کسی عرب راہنما کی طرف سے ایک بے نظیر بیان'' سے تعبیر کیا تھا۔

(دارلعلوم دیوبند کی آفیشل ویب سائٹ ''دیوبند آن لائن'' پر جناب خورشید عالم داؤد قاسمی صاحب کا جو مضمون 7 نومبر 2018)

ترکی تو پہلے ہی اسرائیل سے تجارتی معاہدے کر چکا ہے عنقریب ترکی کی بسیں اسرائیلوں سڑکوں پر فراٹے بھر رہی ہونگی۔اس سارے پس منظر کے ساتھ میں تو یہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہا ہوں کہ نصاریٰ کو تو پہلے ہی بابا جی ریگن شاہ ساتھ لے گئے اور یہود کے لئے خلیجی بادشاہان اور سعودی شاہان چلے کاٹنے میں مصروف ہیں اور کہیں بابا عمران خان شاہ صاحب کہیں نریندر مودی کے ساتھ دس قدم بڑھاتے ہوئے کہیں ہنود کو بھی لے اُڑے تو پھر ہمارے مولوی صاحبان کے دامن ترکش میں کیا رہ جائے گا اور پھر وہ جوش وجذبے کے ساتھ کیا نعرہ لگایا کریں گے اور کیسے ہم کم علم گنواروں کا خون گرمایا کریں گے؟؟؟







ہمارے حکمران

پسر کا ڈھگڑھ

عام آدمی کی رائے حکمرانوں، سیاستدانوں، سرکاری افسران، اسٹیبلشمنٹ بشمول اپوزیشن ممبرانوں کے متعلق اتنی سخت ہے کہ وہ ان کو ناسمجھ، بے وقوف، لالچی، منافق، اور غدار ملک سمجھتے ہیں۔پاکستان میں مہنگائی سے لے کر، پٹرول میں منافع خوری تک، پانی بجلی گیس کی لوڈ شیڈنگ، عام آدمی انصاف سے محروم، کراچی میں قتل عام، امریکہ کی غلامی، پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والی کرپشن، جرائم کو پروان چڑھانے کی بھرپور حمایت، اس حوالے سے یہی کہنا کہ یہ سب چور ہیں اور اکٹھے مل کر ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔حکمرانوں اور اپوزیشن میں کوئی فرق نہیں۔ہر کوئی اپنے اپنے مفادات کے چکر میں ہے۔البتہ وقتی تقاضوں کے لحاظ سے طریقہ واردات مختلف ہوسکتا ہے۔یہ زبان خلق ہے جس سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا۔مگر افسوس تو یہ ہے کہ عوام بھی تاریخ سے سبق نہیں سیکھتے۔اور نہ اسے یاد رکھتے ہیں وقتی طور پر غصہ نکالتے ہیں اور اگلے انتخاب میں پھر وہی رسہ گیر، جعلساز، چور اُچکے ان کے لیڈر ہوتے ہیں۔جن کو وہ اسمبلیوں میں لا بٹھاتے ہیں۔آج میں تاریخ سے چند حقائق عوام کے سامنے رکھنے جا رہا ہوں تا کہ بعض خصلتیں اور عادتیں ایسی ہوتی ہیں جو بدلتی نہیں۔میرے سامنے P.H.D کا ایک تھیسس ہے جس کا عنوان ہے۔ Punjaband the war of independence of 1857. یہ تھیسس ابھی حال ہی میں قائداعظم یونیورسٹی سے پاس ہوا ہے۔پروفیسر ڈاکٹر تراب الحسن نے یہ تھیسس لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ہے۔یہ تھیسس پاکستان میں اپنی نوعیت کا پہلا تھیسس ہے جس میں 1857 کی جنگ آزادی میں پنجاب کے کردار پر کام کیا گیا ہے۔اس تھیسس کو Mishigun university usa,Columbia university, Hadleburg university, کے پروفیسروں نے Evaluate کیا ہے۔اس میں شک نہیں کہ ہر کئے ہوئے کام میں بہتری کی گنجائش ہوتی ہے۔اس تھیسس میں بہت سے پہلوؤں کا ذکر نہیں مگر اس تھیسس میں عوام کو بتانا مقصود ہے کہ 1857ء میں انگریزوں نے اس خطے کے عوام پر جو وحشیانہ ظلم اور تشدد کیا اور مجاہدین کو کچلا اس کے پیچھے وہ جاگیردار تھے جن میں سے آج بھی بہت سے حکمران ہیں اور حکمرانی کو اپنا وراثتی حق سمجھتے ہیں۔جو انہوں نے اس خدمت کے عوض انگریزوں سے جائیدادیں لی تھیں۔آج جو ان کے پاس جاگیریں اور مراعات ہیں یہ سب ان کے آباءواجداد نے اپنے لوگوں کی مخبری کر کے اور ان کے خلاف سازشیں کر کے حاصل کی تھیں۔ان میں مگر مچھ کے آنسو بہانے والے

عوام کے محبوب چوہدری نثار علی خان، سابق وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی، حامد ناصر چٹھہ، خورشید قصوری، ملتان کے گیلانی، قریشی، خاکوانی، دولتانہ، شیخ، سروزئی، بدوزئی، ہراج، ڈاہا، سرگانہ، گردیزی، لنگڑیال، چھٹے، بھٹی، تارڑ، راجے، عباسی، سیال، ٹوانے، قزلباش، قاضی، نوابزادے، اعوان، واہ کی حیات فیملی، فتح جنگ کی گھیبہ فیملی، ڈیرہ غازی خان کے مزاری، نواب آف کالاباغ کا خاندان بھی شامل تھا۔

اس تھیسس سے حاصل کردہ ریکارڈ کے مطابق مخدوم سید نورشاہ گیلانی کو انگریز سرکار نے ان کی خدمات کے عوض 300 روپے خلعت اور سند عطا کی تھی۔ Proceeding of the punjan political deptt no 47 1858/6/20 کے مطابق دربار حضرت بہاءالدین ذکریا کے سجادہ نشین اور تحریک انصاف کے راہنما شاہ محمود قریشی کے آباءاجداد نے مجاہدین آزادی کے خلاف انگریز کا ساتھ دیا انہیں ایک رسالہ کے لئے 20 آدمی اور گھوڑے فراہم کئے۔ اس کے علاوہ 25 آدمی لے کر خود جنگ میں شامل ہوئے۔ انگریزوں کی حفاظت پر معمور رہے۔ ان خدمات کے عوض ان کو تین ہزار روپے کا تحفہ دیا گیا۔ دربار کے لئے 1750 روپے کی ایک جاگیر اور ایک باغ دیا گیا۔ جس کی اس وقت سالانہ آمدنی 150 روپے سالانہ تھی۔ چوہدری نثار کے جدّ امجد چوہدری شیر خان کو مخبری پر مجاہدین کو گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ انعام کے طور پر چوہدری شیر خان کو ریونیو کلیکٹر کا عہدہ دیا گیا، جب سب عوام سے اسلحہ واپس لیا گیا تو تو انہیں 15 بندوقیں رکھنے کی اجازت اور 500 روپے خلعت عطا ہوئی۔ گوجرانوالہ ڈسٹرکٹ گزٹ 36۔1935ء کے مطابق حامد ناصر چٹھہ کے بزرگوں میں سے خدا بخش چٹھہ نے جنگ آزادی میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ وہ خود جنرل نکلسن کی فوج میں تھے۔ قصور کے خیرالدین خان جو خورشید قصوری کے خاندان کے بزرگ تھے نے انگریزوں کے لئے 100 آدمیوں کا دستہ تیار کیا اور خود اپنے بھتیجوں کے ساتھ جنگ میں شامل ہوئے۔ انگریزوں نے 2500 روپے سالانہ کی جاگیر عطا کی اور 1000 روپے پنشن دی۔ اس تھیسس میں بہت تفصیل ہے جو کہ خوفِ طوالت سے نہیں لکھ رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ مفادات کا نشہ پورا کرنے کے لئے آج بھی ایک سوچ اپنے آپ کو کسی کی غلامی میں رکھ کر اپنے سمیت ملکی مفادات کا سودا کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ فرق یہ آ گیا ہے کہ اب یہ سوچ کسی ایک طبقے تک محدود نہیں رہی۔ بلکہ اس نے مختلف طبقات میں ضم ہو کر ایک نئے طبقے نے جنم لیا ہے۔ یہی وہ طبقہ ہے جس نے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔ عوام کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے۔ کہ جو لیڈر، جاگیردار، سیاستدان، وڈیرے، درباری دانشور، جج صاحبان، تاجران، نام نہاد پروفیسران اور نام نہاد صاحب عقل و دانش ایسے ہی طبقے کی پیداوار ہوں۔ جن کے دماغ میں اسلام کی بجائے اسلام آباد، آزادی کے بجائے غلامی، اور زن زر اور زمین پرستی سمائی ہوئی ہو وہ اس ملک کو کیا دے سکتے ہیں، جھوٹ جن کا شیوہ، کردار جن کا منفی ہو، ظاہر و باطن متضاد ہو، حج پر بھی جائیں تو مقصد دولت وزر ہو۔ انتخاب کروائیں تو دیدہ دانستہ دھاندلی پر بھی کسی ایک کا ضمیر ملامت نہ کرے، عوام کے ٹیکس کا بے دریغ ضیاع، غریب عوام کو صحت و تعلیم و پانی جیسی بنیادی سہولتوں سے محروم رکھ کر یزیدی کردار ادا کرنا کہاں کی انسانیت ہے۔ یہ لوگ نہ کسی رہبر کو مانتے ہیں اور کسی مولوی کو۔ نہ خوفِ خدا رکھتے ہیں نہ رسول کا۔ ساری دنیا میں ہنود و یہود، عیسائی اور دہریہ اقوام بس رہی ہیں ان حکمرانوں سے بہتر سہولتیں اپنے عوام کو مہیا کر رہی ہیں جو ان کے علم میں بھی ہیں جن کو یہ منہ پھاڑ پھاڑ کر کافر کہتے نہیں تھکتے اور ہیں بھی ان کے غلام۔ ایٹم بم کو کیا کرنا ہے جب عوام کے پیٹ میں روٹی نہیں پینے کو پانی نہیں، بیمار کو دوا نہیں ملتی، مظلوم کو انصاف نہیں ملتا، روزگار، پٹرول، گیس، پانی، بجلی سب کچھ ختم ہے پاکستان اور اسلام کے نعرے سے نہیں عملی اقدام سے کچھ ہوگا۔ اے خدا یا کوئی مردِ مومن پیدا کر۔ جو اس قوم کی اصلاح کرے۔ جب قومیں اس قدر بے حس ہو جائیں تو خدا خود نوٹس لیا کرتا ہے اے خدا ان مکروہ حکمرانوں سے غریب عوام کو نجات دے۔ آمین۔



نعت

{ڈاکٹر طارق احمد مرزا۔ آسٹریلیا}

میرے ادراک کی ہر ڈور بندھی آپؐ سے ہے
جسم و جاں آپ کے ہیں، دل کی لگی آپؐ سے ہے

اپنے ہونے کا ، نہ ہونے کا تھا عقدہ لاحق
پیچ در پیچ سی یہ گرہ کھلی آپؐ سے ہے

بحرِ ظلمات میں ڈوبے ہوئے ہر عاجز کے
دل میں امید کی ہر موج اٹھی آپؐ سے ہے

نفرتوں کا ہو الاؤ ، یا جہالت کا سَقر
عالمِ دہر کی ہر آگ بجھی آپؐ سے ہے

تجھ سے وابستہ ہوئے خیرِ اُمم کہلائے
اپنی یہ خیرِ رسل، اَوجِ بنی، آپؐ سے ہے

شرک چھایا تھا گھٹا ٹوپ اندھیرے کی طرح
بزمِ توحید کی ہر شمع جلی آپؐ سے ہے

ابنِ فارس ہوا سادات گھرانے میں شمار
کوئی سیّد ہے یا ہے مُصطفوِی، آپؐ سے ہے

آہ کیوں بھول گیا ناعاقبت اندیش یزید
کہ سر اَفراز حسین ابنِ علیؓ آپؐ سے ہے

حمد سے دل ہے یہ لبریز تو مدحت بزباں
نازِ گویائی ہو یا خوش قلمی ، آپؐ سے ہے



خلافت ثالثہ کی مبارک یادیں

از مبارک احمد ساہی



خاکسار کا نام مبارک احمد ساہی ولد چوہدری ذکاء اللہ ساہی صاحب ہے۔خاکسار کی تاریخ پیدائش 15 اکتوبر 1944 ہے۔خاکسار کی پیدائش کے وقت ہمارے گاؤں میں کوئی سکول نہ تھا۔ چنانچہ تعلیم حاصل کرنے کے لیئے تمام بچے جو تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے اپنے گاؤں سے دو میل کے فاصلے پر سرشمیر روڈ جاتے تھے۔اس وقت گورنمنٹ ڈسٹرکٹ کا آٹھویں جماعت تک کا سکول تھا۔چنانچہ میں نے بھی سرشمیر کے اس سکول میں تعلیم حاصل کی۔اسکے بعد ڈسٹرکٹ کونسل کے ہائی سکول موضع پکّا آنا سے میٹرک کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں 1961 میں پاس کیا اور آئندہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے محترم والد صاحب سے درخواست کی کہ خاکسار مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے۔چنانچہ مکرم والد صاحب نے چند احباب سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ آپ کو مزید تعلیم۔تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے حاصل کرنی ہوگی۔ چنانچہ خوشی خوشی والد صاحب کی خواہش کے مطابق تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں فرسٹ ایئر میں داخلہ حاصل کیا اور آئندہ کی تعلیم شروع کر دی۔کالج میں داخل ہونے پر مستقبل کے لئے نئے نئے راستے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور مختلف تعلیمی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا اور وقت گزرتا گیا اور خاکسار ایف اے کے فائنل امتحان کیلئے تیار ہو گیا۔چنانچہ 1963 میں ایف۔اے کے امتحان میں داخلہ بھجوا دیا لیکن امتحان کی مکمل تیاری نہ ہونے کی وجہ سے ایک مضمون میں کمپارٹمنٹ آ گئی۔اس کے پیچھے بھی خدائی حکمت تھی۔خاکسار والدین کی اولاد میں سب سے بڑا تھا اور باقی بہن بھائی کم از کم آٹھ تا تیرہ سال کی عمر کے تھے۔محترم والد صاحب کا زمیندارہ میں ہاتھ بٹانے والا کوئی نہیں تھا۔

[نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں]

یہ سعادت خاکسار کو بھی 1963 میں حاصل ہوئی۔ 4 مئی عید الاضحیٰ کا دن تھا اور 3 مئی کو میرا ایف۔اے کے امتحان کا پہلا پرچہ تھا چنانچہ یہ پہلی عید گھر سے باہر منا رہا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ دوسرا پرچہ عید سے اگلے روز تھا خاکسار عید الاضحیٰ کی نماز مسجد مبارک ربوہ میں ادا کرنے کے لئے گیا۔خدا تعالیٰ کے خاص فضل سے خاکسار کو امام کے پیچھے پہلی صف میں جگہ مل گئی۔نمازِ عید الاضحیٰ مکرم محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس نے پڑھائی۔نماز پڑھانے کے بعد محراب مسجد میں احباب جماعت سے عید ملن کیلئے معانقہ شروع کر دیا۔خاکسار معانقہ کر کے مسجد مبارک سے باہر دفتر پرائیویٹ سیکٹری صاحب کی طرف نکلا اور دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ احباب جماعت سے عید مل رہے ہیں اور از راہِ شفقت معانقہ کر رہے ہیں۔خاکسار بھی قطار میں معانقہ کیلئے کھڑا ہو گیا۔جب خاکسار حضورؒ کے قریب پہنچا اور حضور سے مصافحہ کیا تو حضور نے از راہِ شفقت میرے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لئے اور خاکسار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے لگے۔اور تھوڑی دیر بعد اپنے دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر اپنے گلے سے لگا لیا۔اور یہ لمحہ خاکسار کیلئے مصدق بن گیا۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

خاکسار حضورِ انور کی وہ نگاہیں آج تک محسوس کرتا ہے۔

غالباً 1963 میں والد صاحب کو اپنے ہی بیل نے مارا اور والد صاحب کی ٹانگ زخمی ہو گئی اور بہت زیادہ سوزش ہو گئی چنانچہ والد صاحب کے زمیندارہ کے کاروبار کو خاکسار کو عملی طور پر سنبھالنے کا موقع میسر آ گیا۔اور والد صاحب قریباً ایک سال تک چلنے پھرنے سے قاصر رہے اور چار پائی پر ہی حاجات ضروریہ کا انتظام کر دیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل فرمایا اور والد صاحب 1964 میں صحتیاب ہو گئے اور خاکسار کو اپنی تعلیم جاری رکھنے کیلئے تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں تھرڈ ایئر میں داخلہ مل گیا اور خاکسار نے اپنی تعلیم کو خوش اسلوبی سے جاری رکھا۔چنانچہ بی۔اے کا امتحان دینے تک آئندہ تعلیمی پروگرام کیلئے دوستوں سے تبادلۂ خیال ہوتا رہا اور فیصلہ کیا کہ ایم۔بی۔اے لندن سے کرونگا۔بہر حال خدا تعالیٰ کے فضل سے 1966 میں خاکسار سیکنڈ ڈویژن بی۔اے کے امتحان میں کامیاب ہو گیا۔میرے والد صاحب نے حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی خدمت میں خط لکھا کہ عزیزم مبارک احمد کے ایم بی اے میں داخلہ کے انتظامات کر دیئے جائیں۔تمام اخراجات واپس ادا کر دیئے جائیں گے۔ابھی حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا جواب نہیں آیا تھا کہ اس دوران خاکسار نے والد صاحب سے عرض کیا کہ میں بی۔اے کے بعد فارغ نہیں بیٹھنا چاہتا۔لہٰذا ایم۔اے میں داخلہ لیکر تعلیم جاری رکھنا چاہتا ہوں اور جب ایم بی اے میں داخلہ کا انتظام ہو جائے گا تو میں لندن چلا جاؤں گا۔میری خواہش تھی کہ میں ایم اے کر لوں لیکن والد صاحب کی خواہش تھی کہ میں ایل ایل بی کروں۔ پھر والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں لکھو تو وہ جو فیصلہ فرمائیں اس پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے میں نے حضور کی خدمت میں مشورہ کے لئے لکھا تو حضورؒ نے فرمایا کہ آپ کے لئے ایل ایل بی ٹھیک رہے گا۔یہ

فیصلہ میرے لئے بابرکت ہوا کہ مجھے داخلہ لاء کالج لاہور میں بغیر انٹرویو مل گیا اور تعلیم کا سلسلہ جاری ہوگیا اس دوران میں حضرت چوہدری ظفر اللہ خانصاحب کا جواب موصول ہوا کہ فلاں آدمی پاکستان آرہا ہے اس سے ایم بی اے میں داخلہ لینے کے متعلق مشورہ کر لیں چونکہ میں بہت عرصہ سے تعلیمی میدان سے باہر ہوں اس لئے مجھے زیادہ علم نہیں ہے۔ چنانچہ خاکسار برائے تعمیل ارشاد حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جب میں اس شخص سے ملنے کیلئے فیصل آباد سے لاہور آیا تو اس شخص سے مل کر بڑی مایوسی ہوئی۔ الحمدللہ کہ اس شخص کے مایوس کن مشورہ سے خاکسار ہرگز مایوس نہیں ہوا چنانچہ لاء کالج لاہور سے دو سال کا کورس مکمل کیا۔ میرے والدین پر خدا تعالیٰ ہزاروں ہزار برکتیں نازل فرمائے کہ اُنہوں نے میرے ایل ایل بی کا امتحان پاس کرتے ہی پر خاکسار کو فرمایا کہ اسی سال حج بیعت اللہ شریف میں حاضری دی جائے۔ اس کی بھی ایک وجہ تھی اور بہت پیاری منت تھی۔ خاکسار کے والدین کے خاکسار سے پہلے دو بیٹے قضا الٰہی سے فوت ہو گئے تھے اُن دِنوں خاکسار کے دادا جان اور دادی جان حج پر گئے ہوئے تھے کہ ایک ماں باپ جو اپنے نومولود بچے کو اٹھا کر خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو اسی وقت خاکسار کے دادا جان حضرت چوہدری حاجی غلام محمد صاحب ولد چوہدری سکندر خان صاحب چک نمبر 88 ج ب جو کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح الموعود علیہ السلام کے اصحابی تھے اُنہوں نے اُسی وقت خانہ کعبہ میں دعا کی کہ اے خدا! ''اگر تو ہمارے بیٹے ذکاء اللہ اور بہو رابعہ بی بی کو زندگی والا بیٹا عطا فرما دیویں تو وہ بیٹے اور بہو کو لیکر اسی طرح چھوٹی عمر میں فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے بھجوائیں گے''۔ چنانچہ اس منت کے بعد دادا جان اور دادی جان نے اپنی جائیداد اپنے بچوں میں تقسیم کر دی تھی اور خود فرمایا تھا کہ ہماری دونوں کی خدمت کی ذمہ داری ہمارے بیٹے ذکاء اللہ اور ہماری بہو رابعہ بی بی کے ذمہ ہوگی۔ چنانچہ اس نیک کام کی وجہ سے حج کا فریضہ ادا کرنے میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے فضل فرمایا اور وہ دن بھی آ گیا کہ میرے والدین نے خاکسار کو ساتھ لے کر فریضہ حج ادا کرنے کے لئے مکّہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا۔ الحمدِللہ ہم 12 جنوری 1970 کو فیصل آباد سے حج کے سفر پر روانہ ہوئے اور فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد 23 مارچ 1970 کو واپس کراچی پہنچ گئے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کرنے والے ہر طالبعلم کو چھ ماہ کی اپرینٹس شپ کا کورس کسی سینئر ایڈووکیٹ کے ساتھ کرنی ہوتی ہے کیونکہ یہ قانونی وکالت شروع کرنے کے لئے ضروری ہے۔

چنانچہ خاکسار نے حضرت سر ظفر اللہ خان صاحب کی خدمت میں اس غرض سے خط لکھا کہ خاکسار حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب ایڈووکیٹ کے ساتھ پریکٹس کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے میرے اس خط کے جواب میں خاکسار کو لکھا کہ اگر حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب آپ کو اپنی شاگردی میں لے لیتے ہیں تو اس سے خاکسار کو بہت فائدے ہوں گے۔ ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ آپ حضرت شیخ صاحب سے عملی تقویٰ کو دیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق حاصل ہوگی اور خط کے آخر میں لکھ دیا کہ یہ خط حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب کی خدمت میں سلام کے ساتھ پیش کر دیں۔ اگر حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب آپ کو اپنی شاگردی میں لے لیں تو یہ بہت مبارک بات ہوگی۔

چنانچہ اپنا تعارف کروانے کے لئے خاکسار چوہدری حمید نصر اللہ خانصاحب کو ساتھ لیکر حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب ایڈووکیٹ فیصل آباد کی خدمت میں پیش ہوا اور سر ظفر اللہ خان صاحب کا خط پیش کر دیا۔ یہ خط پڑھنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں نے شاگرد رکھنے کا کام ختم کر دیا ہے۔ اب چونکہ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا خط آ گیا ہے اس لئے کل کچہری آ جائیں اور کام شروع کر دیں۔ چنانچہ خاکسار نے 7 ستمبر 1970 کو باقاعدہ حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب کے ساتھ قانونی وکالت شروع کر دی۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس اپرینٹس شپ کے بعد خاکسار کا انٹرویو ہوا اور خاکسار کو قانونی وکالت کرنے کا لائسنس کونسل سے مل گیا۔ خاکسار نے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے نصائح کے مطابق پوری محنت اور توجہ سے شیخ محمد احمد مظہر صاحب کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ خاکسار کے کام پر شیخ محمد احمد مظہر صاحب بہت خوش ہوئے۔ اور احمدی وکلاء کی مجلس میں اپنی خوشنودی کا اظہار کر دیا۔

مکرمی حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خدمت میں تحریر کیا کہ شعبہ سیاسیات برائے انتخابات حکومتِ پاکستان کے انتظامات برائے ضلع لائلپور کی نمائندگی خاکسار مبارک احمد ساہی بھمراہ امیر جماعت ضلع لائلپور کیا کریگا۔ حضور انور نے یہ درخواست منظور فرمائی اور اس دن کے بعد نمائندگی کرتا رہا۔

خاکسار کو مرکز کی طرف سے ہدایت ملی کہ خاکسار نے اپنی معمول کی رہائش سے ایک رات کے لئے فیصل آباد سے باہر رہنا ہے تو اسکی اطلاع مکرمی شیخ محمد احمد مظہر صاحب کو ہونی چاہیے۔ اگر ایک رات سے زیادہ وقت باہر رہنا ہے تو اس کے متعلق مبارک احمد ساہی صاحب امیر صاحب ضلع فیصل آباد کو اطلاع دیکر جائیں گے۔

ہمارا ڈیڑھ مربعہ رقبہ واقع بھٹے وڈ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ خود کاشت تھا اور اسکی نگرانی میرا چھوٹا بھائی منصور احمد ساہی کرتا تھا۔ غالباً ستمبر 1971 میں میرے چھوٹے بھائی کا الیف اے کا امتحان آ گیا چنانچہ خاکسار اپنا پروگرام پرائیویٹ سیکرٹری کو بتا کر بھٹے وڈ ڈسکہ چلا گیا۔ وہاں پر چاول کی فصل تیار تھی اور گندم کی فصل کاشت کرنے کا وقت تھا۔ پروگرام کے مطابق خاکسار نے چاول کی فصل کو اٹھانا تھا اور گندم کی بجائی کرنی تھی۔ یہ کام مکمل ہونے پر خاکسار نے واپس فیصل آباد آنا تھا اس دوران حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک کام کے سلسلہ میں یاد فرمایا اور آدمی خاکسار کے پاس بھجوایا۔ آدمی فیصل آباد

سے ہوکر ڈسکہ پہنچ گیا۔ اطلاع ملنے پر خاکسار پرائیویٹ سیکرٹری کے پاس پہنچ گیا اور خاکسار نے عرض کی کہ جو کام ہے مجھے بتا دیں۔ انہوں نے کہا کہ حضور یہ کام ایسے چاہتے ہیں کہ فلاں آدمی کو ضلع ہیڈ کوارٹر جھنگ سے تبدیل نہ کیا جائے۔

چنانچہ حسبِ طے شدہ پروگرام خاکسار مرزا مبارک احمد صاحب کو کھانے کا وقت بتا کر اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔ پروگرام کے مطابق نماز مغرب وعشاء حضور ایدہ اللہ تعالیٰ جلسہ گاہ سے قصرِ خلافت تشریف لائے۔ اسکے بعد حضورِ انور کا قافلہ قصرِ خلافت سے مکرمی ومحترمی چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کے گھر کے لئے روانہ ہوئے حضرت چوہدری صاحب ان دنوں پاکستان میں تین ماہ اپنی بیٹی اور داماد چوہدری حمید نصر اللہ صاحب کے ساتھ ٹھہرا کرتے تھے اور جلسہ کے دوران بھی ان کے پاس ٹھہرتے تھے۔ صبح حضور کا قافلہ لے کر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے اور اس سے قبل اس سال کے تمام غیر ملکی وفد جو کہ جلسہ سالانہ ربوہ میں شامل ہوئے تھے ان سب کا کھانا حضورِ انور کے ساتھ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے کیا ہوُا تھا۔

خاکسار بھی حسبِ پروگرام گھر کے اندر داخل ہوُا اس وقت حضورِ انور نے فرمایا اب کیا دیر ہے اس پر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے چوہدری حمید نصر اللہ صاحب امیر جماعت لاہور سے پوچھا حمید، مرزا طاہر احمد صاحب کہاں ہیں اور حمید نصر اللہ صاحب نے میری طرف دیکھا اور اسی لمحہ خاکسار باہر چلا گیا اور کار لیکر حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب جو کہ اس جلسہ پر ڈیوٹی تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں تھے۔ خاکسار بہت تیزی سے ان کے پاس پہنچ گیا اور عرض کی کہ میاں صاحب بس غلط فہمی کی بناء پر آج یہ واقعہ ہوُا ہے کہ آپ کو اس پروگرام کا وقت نہ بتا سکا اور خاکسار بہت شرمندہ ہے۔ حضور انور اس وقت تمام مہمانوں کے ساتھ صرف آپکا انتظار فرما رہے ہیں۔ براہِ مہربانی جلدی کریں چنانچہ آپ اُسی وقت روانہ ہو گئے اور چند منٹوں میں صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب حضورِ انور کے پاس بیٹھے تھے۔ چنانچہ جب حضور انور کھانے کے میز کے لئے اُٹھے تو خاکسار کو دیکھ کر فرمایا کہ تم لائیلپور سے بھگوڑے ہو گئے ہو۔ خاکسار نے عرض کیا کہ حضور یہ کیسے ممکن ہے خاکسار باقاعدہ ربوہ اطلاع کر کے ڈسکہ گیا تھا کیونکہ وہاں ہماری ڈیڑھ مربع زمین ہے اور ہماری زمین خود کاشتہ ہے اور چاول کی فصل اٹھانے کا موقعہ تھا اور وہاں پر خاکسار کا چھوٹا بھائی عزیزم منور احمد کام کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ ایف اے کے امتحان کی تیاری بھی کر رہا تھا اُس نے خاکسار کو کہا کہ اگر میں اُسے موقعہ دوں تو وہ امتحان دے سکے۔ چنانچہ حسبِ ہدائت خاکسار نے ربوہ میں اطلاع دی کہ خاکسار ڈسکہ جا رہا ہے وہاں پر چاول کی کاشت کراؤں گا اور گندم کی فصل کی بجائی کر کے انشاء اللہ لائیلپور آ جاؤں گا۔ جب خاکسار نے یہ عرض کیا تو اس پر حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ساہی صاحب بالکل بھگوڑے نہیں ہوئے یہ تو ساہیوں کے ایمبیسڈر رہیں اور بتا کر گئے تھے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ حضور خاکسار چاول کی فصل اُٹھانے اور گندم کی فصل کی بجائی کروانے کے لئے ڈسکہ گیا تھا۔ اس پر حضورِ انور نے ازراہِ شفقت پوچھا کہ کیا گندم کی فصل کی بجائی کر لی ہے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ حضور آخری بجائی کا کام مکمل کر کے 20 دسمبر 1973 کو واپس لائیلپور آ گیا تھا۔ اس دن 26 دسمبر 1973 کو حضورِ انور نے ازراہِ شفقت فرمایا کہ ہماری آخری بجائی آج مکمل ہوئی ہے۔

خاکسار کے پاس اس وقت ٹیلی فون کی سہولیات میسّر نہ تھی۔ شروع 1973 میں خاکسار کی والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا۔ خاکسار ان دنوں گاؤں میں تھا کیونکہ عزیز واقارب والدہ صاحبہ کی تعزیت کے لئے آ رہے تھے چنانچہ خاکسار نے ربوہ مرکز میں غلہ منڈی میں میاں غلام احمد صاحب کی دوکان کا فون نمبر دیا ہوا تھا کہ اگر کوئی پیغام مرکز سے خاکسار کو دینا مقصود ہو تو میاں غلام احمد صاحب مجھے چک نمبر 88 میں پہنچا دیں گے۔ ابھی والدہ صاحبہ کو فوت ہوئے دس گیارہ دن گزرے تھے کہ میاں غلام احمد صاحب کا پیغام ایک آدمی لیکر چک نمبر 88 آیا کہ فوراً ربوہ پہنچ جاؤ چنانچہ خاکسار اُسی دن ربوہ میں حاضر ہو گیا اور وہاں سے ہدائت ملی کہ راولپنڈی فلاں دوست کے گھر پہنچ جاؤ۔ چنانچہ خاکسار راولپنڈی روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچنے کے بعد خاکسار کو حضورِ انور کی خدمت میں جہاں وہ قیام پزیر تھے وہاں پہنچا دیا گیا۔ خاکسار جب حضورِ انور کی خدمت میں حاضر ہوُا تو اس وقت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بھی وہاں تھے حضور نے ارشاد فرمایا کہ فیصل آباد کے کس کس ایم این اے کو حضور کی ملاقات کے لئے بلا سکتے ہیں۔ چنانچہ اگلے دن مکرم چوہدری بشیر احمد صاحب چک نمبر 274 رب جالندھرا ایم این اے حلقہ نمبر 88 ج ب ضلع لائیلپور کو ساتھ لیکر شام کو حضورِ انور کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ملاقات کے دوران حضورِ انور نے مکرم چوہدری بشیر احمد صاحب کو فرمایا کہ چوہدری صاحب آپ کے وزیرِ اعظم نے 138 ایم این اے کی دعوت کی تھی جس میں کسی کو کھانا ملا اور کسی کو نہ ملا۔ بڑی بدنظمی تھی اس پر چوہدری بشیر احمد صاحب نے اثبات میں جواب دیا تو اس پر حضورِ انور نے فرمایا کہ اس سال ہمارے بھائی مرزا خورشید احمد صاحب حج پر گئے تھے واپس آ کر اُنہوں نے بتایا کہ اس سال 1973 میں ستر لاکھ لوگوں نے حج کا فریضہ ادا کیا۔ حضورِ انور نے فرمایا کہ گزشتہ جلسہ سالانہ ربوہ کے موقعہ پر جماعت کے اجتماعی نظام کے تحت ستر ہزار احباب نے کھانا کھایا تھا اور میں نے اپنے بھائی کو کہا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی ہمارے ہیں۔ انشاء اللہ جب ہمیں ملیں گے، تو حج کے موقع پر فری رہائش اور فری کھانا ہوگا۔ یہاں سے دس گنا زیادہ انتظام کرنا پڑے گا۔ انشاء اللہ کریں گے۔

اس کے بعد اگلے روز مکرم میاں احسان الحق صاحب ایم این اے حلقہ چک جھمرہ ضلع لائیلپور کو ساتھ لیکر حضورِ انور کی رہائش گاہ پر ملاقات کروائی۔ اس کے بعد اگلے

روز صاحبزادہ مکرمی محمد علی بھروانا صاحب کو ساتھ لیجا کر حضورِ انور سے ملاقات کروائی۔

جس دن خاکسار ربوہ سے روانہ ہوا تو اس دن پیغام ملا کہ خاکسار نے حضور کی اجازت کے بغیر اسلام آباد نہیں چھوڑنا۔ اسلام آباد خاکسار کا قیام ان دنوں چوہدری اعجاز نصر اللہ صاحب کے گھر پر تھا۔ چنانچہ اس قیام کے دوران خاکسار کو اگلے دن بہت سخت بخار اور فلو ہو گیا۔ چنانچہ حضور کی خدمت میں دعا کی درخواست کی۔ الحمدُ للّٰہ اگلے دن بخار اُتر گیا۔ ان دنوں اسلام آباد میں پرانی مسجد ہوتی تھی اور محراب کے ساتھ ہی حضور کے اندر جانے کا راستہ تھا چنانچہ خاکسار دروازے کے سامنے بیٹھ گیا۔ حضورانور نے اندر داخل ہوتے ہی خاکسار کی خیریت پوچھی کہ اب کیسے ہو۔ میں نے عرض کی کہ الحمدللہ ٹھیک ہوں۔

چنانچہ خاکسار نے حضورانور کی خدمت میں واپس فیصل آباد جانے کی اگلے روز درخواست کی تو حضورانور نے ازراہِ شفقت فرمایا۔ ہاں اب تم جا سکتے ہو۔ چنانچہ اس دن شام کو خاکسار واپس فیصل آباد آ گیا۔

جب جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے بطور صدر پاکستان اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کا حلف اُٹھالیا تو اس کے بعد اسمبلی کا اجلاس شروع ہو گیا۔ اس دوران مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان سے علیحدہ ہو گیا اور جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب صدرِ پاکستان بن گئے۔ چنانچہ اس کے بعد اسمبلی میں حلف اُٹھا کر کام شروع کر دیا۔ اور سب سے پہلے 1973 میں پاکستان کی اسمبلی نے پاکستان کے لئے آئین بنانا شروع کیا۔ چنانچہ جب آئین بن رہا تھا تو اس وقت خاکسار کو فیصل آباد میں پیغام ملا کہ فوراً ربوہ پہنچ جاؤ۔ چنانچہ خاکسار ربوہ پرائیویٹ سیکریٹری صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور وہاں سے ہدایت ملی کہ فوراً اسلام آباد پہنچ کر کام شروع کر دو اور اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو بھی ساتھ لے جاؤ اور مل کر یہ کام کرنا ہے۔

اس طرح تمام پاکستان سے پی پی پی کے الیکشن کے لئے جن لوگوں نے میرے اپنے ضلع میں کام کیا تھا وہ سب احباب ہر ضلع سے اسلام آباد پہنچ گئے اور اس مشترکہ عملہ پر کام شروع ہو گیا۔ اپنے اپنے ایم این اے سے رابطہ کیا اور اس کام کے متعلق ایم این اے کی خدمت میں گزارش کی کہ ایسا کرنے سے ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا اور بہت بڑا خون خرابہ ہوگا چنانچہ یہ کام نہ کریں اس وقت کے حاکم ڈکٹیٹر جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کا اپنی اسمبلی پر پورا کنٹرول تھا چنانچہ اُنہوں نے اپنی مرضی کے مطابق مسلمان کی تعریف آئین پاکستان 1973 میں شامل کر دی۔

اس طرح فیصل آباد کے ایک ایم این اے نے پارٹی کے اجلاس میں اس کے متعلق سوال اُٹھایا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے لیکن بھٹو صاحب نے اس کی کوئی نہیں سنی اور آئینِ پاکستان میں مسلمان کی تعریف شامل کر دی۔

فیصل آباد کے ایک ایم این اے نے کہا کہ پوری کوشش کرینگے اور جب اس نے بات اُٹھائی تو مولوی ظہور الحق صاحب آف سیالکوٹ سینیٹر پاکستان اسمبلی نے خاکسار کے خلاف حضرت خلیفۃ المسیح الثالث مرزا ناصر احمد صاحب کی خدمت میں شکایت کی کہ یہ کام اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس شکایت کے بعد مرکز ربوہ کے ایک خط اسلام آباد میں موجود احباب کے نام لکھوایا گیا تھا کہ اگر اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا مقصود ہو تو مندرجہ ذیل احباب کی کمیٹی بنائی جاتی ہے۔ اگر وقت ہو تو مرکز سے مشورہ کر لیا جائے۔ اور اگر وقت نہ ہو تو جو فیصلہ متفقہ طور پر کمیٹی کریگی وہ فیصلہ حتمی ہوگا اور کمیٹی کے احباب مندرجہ ذیل تھے۔

1۔ مکرم چوہدری احمد مختار صاحب امیرِ جماعت کراچی
2۔ مکرم چوہدری حمید نصر اللّٰہ صاحب امیر جماعت لاہور
3۔ مکرم چوہدری محمد اعظم صاحب ایم پی اے سیالکوٹ
4۔ مکرم چوہدری انور حسین صاحب امیرِ جماعت شیخوپورہ
5۔ مکرم چوہدری عزیز احمد باجوہ صاحب سابق امیر حیدر آباد سندھ
6۔ مکرم چوہدری بشیر احمد صاحب جماعت شیخوپورہ ایم۔ پی۔ اے
7۔ مکرم خاکسار چوہدری مبارک احمد ساہی صاحب

ان سات احباب کی کمیٹی کے صدر مکرم چوہدری احمد مختار صاحب امیرِ جماعت کراچی ہونگے۔

اگر مکرم چوہدری احمد مختار صاحب موجود نہ ہوں تو مکرم چوہدری حمید نصر اللّٰہ صاحب صدر ہونگے۔

یہ کمیٹی مولوی ظہور الحق صاحب سینیٹر کے ساتھ مشورہ کر سکتی ہے لیکن اُن کے مشورہ کی پابند نہیں ہوگی۔ مکرم چوہدری مبارک احمد ساہی صاحب کو مرکز کی اجازت کے بغیر اسلام آباد چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔

مرکز کا خط ملنے کے بعد کمیٹی نے میٹنگ کی تو وہ کام ہو چکا تھا اور مزید کاروائی نہ ہو سکی۔

اس دوران مکرم محترم میر داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ سی ایم ایچ ہسپتال راولپنڈی میں زیرِ علاج تھے اور حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ان کی تیمارداری کے لئے راولپنڈی آئے ہوئے تھے خاکسار ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری رپورٹ پیش کی اور مکرم میاں احسان الحق صاحب ایم۔ این۔ اے فیصل آباد عیادت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ اگلے روز خاکسار میاں احسان الحق صاحب کو ساتھ لیکر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس ملاقات کے دوران میاں احسان الحق صاحب نے حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ خاکسار (میاں احسان الحق صاحب) نے ربوہ کا نمک کھایا ہوا ہے نمک حلالی کرونگا۔ نمک حرامی نہیں کرونگا۔

اس ملاقات کے بعد خاکسار نے حضرت مرزا طاہر احمد صاحب سے اسلام آباد سے واپس فیصل آباد جانے کی اجازت حاصل کی، تو اجازت ملنے پر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب نے فرمایا کہ میں حضورِ انور کی خدمت میں خط لکھ رہا ہوں وہ مجھ سے لیکر پہلے ربوہ جائیں اور حضورِ اقدس کی خدمت میں پیش کر دیں اور میں نے لکھا ہے کہ اگر حضور کوئی تفصیل پوچھنا چاہیں تو ہم سے پوچھ لیں۔ چنانچہ خاکسار بہمراہ مکرم سیف احمد صاحب چیمہ آف فیصل آباد براستہ چکوال، سرگودھا سے ہوتے ہوئے بعد نماز مغرب قصرِ خلافت ربوہ پہنچ گئے۔

اس وقت پہرہ پر موجود سٹاف کو بتایا کہ خاکسار کا نام مبارک احمد ساہی ہے اور خاکسار نے ایک ضروری خط حضورِ انور کی خدمت میں پیش کرنا ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ صاحبزادہ مرزا القمان احمد صاحب قصرِ خلافت سے باہر گئے ہوئے ہیں وہ دس بجے رات کو واپس تشریف لائیں گے تو اس وقت آپ کی رپورٹ اندر بھجوا دینگے۔ لیکن ان پہرہ داروں میں سے ایک پہرہ دار نے مجھے شائد پہچان لیا تو اس نے کہا کہ آپ کے متعلق ہم حضور کو کوئی اطلاع نہیں دے سکتے اس نے خاکسار کو ایک لوکل ٹیلیفون نمبر دیا اور کہا کہ آپ خود اس نمبر کو ملا کر جو بھی فون اُٹھائے اُن کو اپنا نام بتا دیں اور اگر حضورِ انور آپ کو بلانا چاہیں گے تو بلا لیں گے۔ چنانچہ خاکسار نے اس فون نمبر پر جو کہ قصرِ خلافت کے اندر کا تھا فون ملایا تو اندر سے کسی نے فون اُٹھایا تو خاکسار نے عرض کیا کہ خاکسار مبارک احمد ساہی اسلام آباد سے آیا ہے اور حضورِ انور کو ایک ضروری رپورٹ پیش کرنی ہے چنانچہ اُنہوں نے فون حضورِ انور کو دیدیا۔ تو حضور نے ازراہِ شفقت فرمایا کہ پہرہ داروں کو کہہ دیں وہ خاکسار کو اندر حضور کے پاس پہنچا دینگے اس طرح پہرہ داروں نے مجھے حضورِ انور کے پاس پہنچا دیا۔

ہم دونوں وہ کام نہ ہونے کی وجہ سے بہت پریشان تھے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی خلیفۂ وقت کی ایک شان رکھی ہے کہ جب ہم نے حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کا خط حضورِ انور کی خدمت میں پیش کیا تو خط پڑھنے کے بعد حضور نے فرمایا کہ ہمارا کام اتنا ہی تھا جو کہ ہم نے کر دیا اب خدا تعالیٰ کا کام ہے وہ خود کرلے گا۔

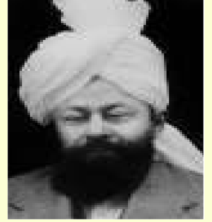
اس فقرہ کے بعد ہمارے دل کو بہت تسکین پہنچی کہ اس کا بیان کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ حضورِ انور سے مصافحہ اور دستِ مبارک کا بوسہ لے کر ہم فیصل آباد روانہ ہوگئے۔ چنانچہ اس کے بعد جو خدا تعالیٰ نے فیصلہ کیا اور اس پر عمل کیا، وہ ساری دنیا کے سامنے ہے۔

اس کے بعد غالباً مئی 1973 میں خاکسار ڈسکہ موضع بھٹے وڑ چلا گیا، وہاں گندم کی فصل اٹھانی تھی اور اس کے بعد فیصل آباد کی فصل اٹھانی تھی اور جب خاکسار فیصل آباد کی فصل اٹھا رہا تھا کہ پیغام ملا کہ ربوہ مرکز پہنچ جاؤ، خاکسار نے فوراً اس کی تعمیل کی اور ربوہ حاضر ہوگیا۔

جب بھٹو صاحب نے آئین بذریعہ نیشنل اسمبلی پاکستان بنالیا تو اس وقت آئین کے مطابق پاکستان اسمبلی دو حصّے یا شعبے تھے، ایک کا نام سینٹ اور دوسرا ایم این اے ممبر قومی اسمبلی کہلاتا تھا۔ اس وقت نیشنل اسمبلی کی تشکیل مکمل کرنے کے لئے سینیٹ کے تمام صوبوں میں سینیٹرز کا انتخاب ہونا تھا، اُس وقت بھٹو صاحب نے مولوی ظہور الحق صاحب جو سینیٹر تھے اور سیاسیات میں حصّہ لیتے تھے اُن کو سیالکوٹ سے سینیٹر کا انتخاب لڑنے کیلئے ٹکٹ دے دیا۔ جب سینیٹرز کے انتخابات کا اعلان ہوا جو کہ سارے صوبوں میں ایک ہی دن ہونا تھا۔ اُس انتخاب کے روز صبح صبح خاکسار کو امیر صاحب نے پیغام دیا کہ فوری طور پر ربوہ پہنچ جاؤ۔ چنانچہ خاکسار اُسی وقت سیدھا حضور کی خدمت میں ربوہ حاضر ہوگیا، حضور نے فوراً اندر بُلا لیا اور فرمایا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ بھٹو صاحب مولوی ظہور الحق صاحب کو سینیٹر کا ٹکٹ دیں، لیکن اب بھٹو صاحب نے اپنی مرضی سے ٹکٹ دیدیا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ مولوی ظہور الحق صاحب الیکشن جیت جائیں۔ کیونکہ سینیٹرز کے انتخاب کا ووٹر ایم پی اے ہوتا ہے اور کُل اٹھارہ سینیٹرز صوبہ پنجاب سے منتخب ہونے تھے چنانچہ اس سلسلہ میں آپ فیصل آباد کے جن ایم پی ایز کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ مولوی ظہور الحق صاحب کو ووٹ دیں، تو اُن کو جا کر کہیں اور انتخاب لڑنے کے لئے اُن سے ووٹ حاصل کریں۔ چنانچہ اسی وقت حضور کے آفس سے نکل کر پرائیویٹ سیکٹری میں داخل ہوا تو وہاں صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ناظرِ اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اُسی وقت خاکسار کو ہدایات کا ایک خط دیا اور فرمایا کہ اسی وقت لاہور چلے جاؤ اور اس پر عمل کرو۔ ان اخراجات کے لئے بہت بڑی رقم اس خط میں موجود تھی اور فرمایا کہ یہ پیسے خرچ کرو اور مولوی ظہور الحق صاحب کے لئے ووٹ حاصل کرو۔

اس وقت جماعت احمدیہ کے پانچ منتخب ممبرز پنجاب اسمبلی میں تھے۔ چنانچہ خاکسار سیدھا پنجاب اسمبلی لاہور جہاں انتخاب ہو رہا تھا پہنچ گیا اور وہاں پر چوہدری محمد اعظم صاحب ایم پی اے انتخابات کے انچارج تھے اُن کو ناظر صاحب صدر انجمن احمدیہ کا ہدایت نامہ دیا۔ اُنہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کن کن ایم پی ایز کو ووٹ کے لئے کہہ سکتے ہو، میں نے عرض کی کہ فیصل آباد کے پانچ ایم پی اے کو خاکسار کہہ سکتا ہے اور وہ مولوی ظہور الحق صاحب کو ووٹ دیں گے۔ اُنہوں نے کہا کہ آپ فوراً واپس ربوہ چلے جائیں اور حضور کی خدمت میں یہ رپورٹ دے دیں نیز انہوں نے مجھے اٹھارہ افراد پر مشتمل ایک فہرست دی اور کہا کہ یہ حضورِ انور کے دستِ مبارک میں دے دیویں، اور حضورِ انور کو بتا دیں کہ ان اٹھارہ آدمیوں کو گورنر پنجاب جناب غلام مصطفےٰ نے پابند کیا ہوا ہے، کہ وہ پہلا ووٹ مولوی ظہور الحق صاحب کو دینگے۔

(جاری ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)



مبلغین کے لئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی زریں نصائح

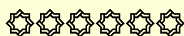
مراسلہ شاہین سانگلوی

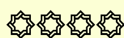
17 نومبر 1935ء کو مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کے طلبہ نے احمدیہ انٹر کالجیئٹ ایسوسی ایشن لاہور کے ممبروں کو جامعہ احمدیہ کے صحن میں دعوت دی، جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مبلغین کو نہایت اہم ہدایات دیں، چنانچہ حضورؓ نے فرمایا کہ

مبلغین کا مقصد

".....مذہبی تبلیغ کے لیے بھی ایک ایسا مرکز ہونا چاہیے جو اپنے اردگرد کو متاثر کر سکے اور دوسروں سے صحیح طور پر کام لے سکے۔ یہی غرض مبلغین کی ہے۔لیکن عام طور پر خود مبلغین نے بھی ابھی تک اس بات کو نہیں سمجھا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ احمدیت کے سپاہی ہیں اور کام انہیں خود کرنا ہے۔ مگر جو یہ سمجھتا ہے، وہ سلسلہ کے کام کو محدود کرتا ہے۔ ہم خدمتِ دین کے لیے کس قدر مبلغ رکھ سکتے ہیں۔ اس وقت ساٹھ ستّر کے قریب کام کر رہے ہیں، جن کا جماعت پر بہت بڑا بوجھ ہے اور چندے کا بہت بڑا حصہ ان پر خرچ کرنا پڑتا ہے، مگر وہ کام کیا کرتے ہیں؟ اگر کام کرنے والے صرف وہی ہوں تو سلسلہ کی ترقی بند ہو جائے۔ ان کے ذریعہ سال میں صرف دو تین سو کے قریب لوگ بیعت کرتے ہیں اور باقی جن کی تعداد کا اندازہ دس بارہ ہزار کے قریب ہے جماعت کے لوگوں کے ذریعہ احمدیت میں داخل ہوتے ہیں۔ رہے مباحثات جو مبلغین کو کرنے پڑتے ہیں، یہ اُسی وقت تک ہیں جب تک ہمارے ملک کے لوگوں کے اخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی۔ مباحثات پبلک کے اخلاق کی خرابی کی وجہ سے کرنے پڑتے ہیں۔ .....ہمارا مقصد یہ نہیں کہ علماء مباحثات کے لیے پیدا کریں۔ بلکہ علماء کی غرض یہ ہے کہ وہ آفیسرز کی طرح ہوں، جو اپنے اردگرد فوج جمع کریں اور اُس سے کام لیں۔ یا اُس گڈریئے کی طرح جس کے ذمہ ایک گلّے کی حفاظت کرنا ہوتی ہے اور یہ کام دس بیس مبلغ بھی عمدگی سے کر سکتے ہیں۔ جب تک ہمارے مبلغ یہ نہ سمجھیں، اُس وقت تک ہمارا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ مبلغ کے معنے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ غیروں کو مخاطب کرنے والا۔ مگر صرف یہ معنی نہیں۔ بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ غیروں کو مخاطب کرانے والا۔ رسول کریم ﷺ سے بڑھ کر کون مبلغ ہوسکتا ہے؟ مگر آپ کس طرح تبلیغ کیا کرتے تھے؟ اس طرح کہ شاگردوں سے کراتے تھے۔ .....عام طور پر مبلغ لیکچر دے دینا یا مباحثہ کر لینا اپنا کام سمجھتے ہیں اور خیال کر لیتے ہیں کہ اُن کا کام ختم ہوگیا۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہو رہا ہے کہ لوگ شکایت کرتے ہیں کہ علماء بے کار رہتے ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ تقریر کرنے یا مباحثہ کرنے کے بعد مبلغ کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ کچھ آرام کرے۔ کیونکہ بولنے کا کام مسلسل بہت دیر تک نہیں کیا جا سکتا۔ بولنے میں زور لگتا ہے اور تقریر کے بعد انسان نڈھال ہو جاتا ہے۔ مبلغ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ہر روز کئی کئی گھنٹے تقریر کرے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو چند ماہ کے بعد اُسے سِل ہو جائے گی اور وہ مر جائے گا۔ پھر روزانہ کہاں اس قدر لوگ مل سکتے ہیں، جو اپنا کام کاج چھوڑ کر تقریریں سننے کے لیے جمع ہوں۔ پس یہ کام چونکہ ایسا نہیں جو مسلسل جاری رہ سکے، اس لیے لوگوں کو شکایت پیدا ہوتی ہے کہ مبلغ فارغ رہتے ہیں۔ حالانکہ ان حالات میں ان کا فارغ رہنا قدرتی امر ہے۔ دراصل انہوں نے اپنے فرض کو سمجھا نہیں۔ وہ کہہ دیتے ہیں کہ جب ہمارے پاس کوئی آیا ہی نہیں تو ہم سمجھائیں کسے؟ اس وجہ سے ہم فارغ رہتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اپنا یہ فرض سمجھتے کہ اِن کا کام صرف تقریر کرنا ہی نہیں بلکہ لوگوں کے اخلاق کی تربیت کرنا ہے۔ انہیں تبلیغ کرنے کے قابل بنانا ہے۔ اور پھر وہ اپنا تصنیف کا شغل ساتھ رکھیں۔ جہاں جائیں لکھنے پڑھنے میں مصروف رہیں۔ کوئی ادبی مضمون لکھیں۔ کسی مسئلے کے متعلق تحقیقات کریں۔ ضروری حوالے نکالیں۔ تاریخی امور جمع کریں۔ تو پھر ان کے متعلق یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ فارغ رہتے ہیں۔ یہ تاریخی مختلف کام ہیں۔ جن کی طرف ہمارے مبلغین کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی مبلغ کہیں جاتا اور وہاں تصنیف کا شغل بھی جاری رکھتا، تو لوگ یہ نہ کہتے وہ فارغ رہا۔ بلکہ یہی کہتے کہ لکھنے میں مصروف رہا۔ مگر مبلغین کو اس طرف توجہ نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ تصنیف کا کام نہیں ہو رہا۔ .....اس طرح جماعت کی ترقی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جو مبلغ اپنے اوقات کی حفاظت نہیں کرتے اُنہیں صحیح طور پر صَرف نہیں کرتے، وہ جماعت کے لیے ترقی کا موجب نہیں بن سکتے۔ .....اُن کا کام صرف اپنے منہ سے تبلیغ کرنا نہیں بلکہ دوسروں کو دینی مسائل سے آگاہ کرنا، اُن کے اخلاق کی تربیت کرنا، اُن کو دین کی تعلیم دینا، اُن کے سامنے نمونہ بن کر قربانی اور ایثار سکھانا اور اُنہیں تبلیغ کے لیے تیار کرنا ہے۔ گویا ہمارا ہر ایک مبلغ جہاں جائے، وہاں دینی اور اخلاقی تعلیم کا کالج کھل جائے۔"

(تاریخ احمدیت جلد 7 صفحہ 270_273)







یادرفتگاں۔ثاقبؔ زیروی

راناعبدالرزاق خان لندن



نام محمد صدیق ولد حکیم مولوی اللہ بخش قوم راجپوت وطن زیرہ ضلع فیروز پور (بھارت) تاریخ پیدائش 11۔اپریل 1919ءتاریخ وفات 13 جنوری 2002ء بمقام لاہور۔قدرت نے ادبی وصف کا بیج روزِ اول سے ڈال دیا تھا آنرز ان اردو 1947ء میں اور بی اے 1950ء میں پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔''گنجینۂ اردو'' کے نائب مدیر بھی رہے جبکہ مدیر احسان دانش تھے۔پھر اپنے مرشد کے کہنے کے مطابق مولانا عبدالمجید سالک اور مولانا غلام رسول مہر جیسے کہنہ مشق صحافیوں سے تربیت حاصل کی۔

کتب۔ ہندوستان کی مٹی (افسانہ)۔کاربنکل کی تشخیص۔ پنجابی میری زبان۔دورِ خسروی۔ شہابِ ثاقب۔نویدِ منزل ۔آہنگِ حجاز مجموعہ نعت رسول ﷺ ہے۔

ثاقب کی تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی ہے اس کی طبیعت میں شرافت، سعادت،شرم حضوری اور دیانت فکروعمل کی بنیادیں گہری ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انہیں نوجوانی اور جوانی کے دونوں زمانوں میں کبھی بے نفسی بے راہ روی یا فکری آوارگی کا شکار نہیں ہونا پڑا۔اور وہ ہمیشہ بندھے ٹکے اسلوب زندگی پر کاربندر ہے ہیں۔چنانچہ ان کی شاعری کو دیکھیئے فکر میں جدت تو ہے ابتذال نہیں دین اور حمیت دین تو ہے ملائیت نہیں۔عشق تو ہے لیکن فسق کا شائبہ تک نہیں،غریبوں کی مصیبتوں پر آنسو ہیں۔موجودہ نظام عدم مساوات کے خلاف طیش ہے۔لیکن کمیونزم نہیں۔یہی اعتدال کا رستہ اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔

خوش گل،خوش گلو،سروقامت،مقطع داڑھی،شیروانی پوش،ثاقب زیروی دلکش شخصیت کے مالک تھے۔اعلیٰ مشاعروں میں جہاں چیدہ لوگوں کا اجتماع ہو ثاقب زیروی اپنی انفرادیت برقرار رکھتے تھے۔وہ زندگی کے کسی بھی معاملے میں انتہا پسند نہیں تھے۔وہ ہر اعتبار سے میانہ رو،سلامتی پسند اور غیر حاسد قسم کے آدمی تھے۔ان کی یہی خصوصیت انہیں حلقہ احباب میں مقبول بنائے رکھتی تھی۔ثاقب زیروی کا شاعر ہونا اور اس حد تک دھانسو شاعر ہونا تاریخ ادب کا ایک عجیب وغریب واقع ہے۔عنفوانِ شباب میں ثاقب سب انسپکٹر تھے۔لیکن کون جانتا تھا کہ یہی سب انسپکٹر شاعری کی دنیا میں مقبول خاص وعام ہوجائے گا۔

میاں محمد شفیع کہتے ہیں کہ ثاقب زیروی انجمن اسلام کے ایک جلسے میں موجود تھے جب ان سے شعر سنانے کی فرمائش کی گئی تو اپنے اشعار اور گداز ترنم کے بل پر پورے جلسہ پر چھا گئے اور اس دن سے ثاقب زیروی کے سامنے ایک اعلیٰ ادبی مستقبل اُجاگر ہوگیا۔خلوص اظہار،سوزوگداز اور خیال واسلوب کی ہم آہنگی ثاقب زیروی کی شاعری کا طرہ امتیاز ہے۔خاص طور پر ان کی نعتیں حضوری قلب کا بہترین اظہار ہوتی ہیں۔اور اس مرحلہ پر اردو کے بہت شعراء ان کی برابری کرتے ہیں اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ثاقب زیروی طبیعت اور فکر کے اعتبار سے مذہب پرست ہیں اور وہ نعتیں خانہ پُری کے لئے نہیں لکھتے بلکہ احتیاج طبیعت اور طبعی رجحان کے ماتحت لکھتے ہیں۔اور یوں ان میں صداقت،خلوص اور جذبہ کا رچاؤ بھرپور انداز میں موجزن ہوتا ہے۔ع

تو حبیبِ ربِ جلیل ہے تیری عظمتوں کا جواب کیا
تو مقامِ فخرِ خلیل ہے تیری حُرمتوں کا حساب کیا
کہاں تو کہ باعث کُن مکاں کہاں فکر ثاقبِ خستہ جاں
بلا مدحتِ شہ اِنس و جاں کرے مجھ سا خانہ خراب کیا

اس ایک نعت سے ہی ثاقب زیروی کے وفورِ جذبات اور عشقِ رسول کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ثاقب کے ہاں اسی قدر ونوعیت کی اور بھی کئی نعتیں بھی ملتی ہیں۔

ثاقب زیروی شعروسخن کی عظیم رفعتوں پر فائز تھے اور خصوصاً نعت رسولؐ کے بارے میں اپنے عاشقانہ رنگ،جذبہ فدائیت،جدت استعارات،لطافتِ تخیل،تشبیہ کی خوبی،مضامین کی جامعیت،اور والہانہ اندازِ بیان میں آپ کا کلام اپنی نظیر آپ ہے۔نعت گوئی کے وصف میں یکتائے روزگار تھے،عشق محمد ﷺ آپ کا سرمایہ حیات تھا۔یہی وجہ ہے کہ شمع حُبِ نبویؐ آپ کے دل ودماغ میں پوری آب وتاب سے روشن تھی۔ثاقب زیروی کی نظمیں موضوع کے اعتبار سے متفرق اور متنوع ہوتی ہیں لیکن اس میدان میں ان کا جذبہ حُب الوطنی کے گرد گھومتا ہے۔صبح دیانت، وطن،یاددہانی اور مجاہد وغیرہ یہ تمام نظمیں ملکی حالات کے متعلق ہیں۔المختصر ثاقب کی شاعری پاکیزہ باسلیقہ اور سلامت رو ہونے کے ساتھ ساتھ غنایت کی بھی حامل ہے۔ان کی شاعری ایک اعلیٰ کلچرڈ کی طبیعت کی عکاسی کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں تاثر کا عنصر بدرجہ کمال پایا جاتا ہے اور ہر سامع ان کے اشعار سے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔باکمال صاحبِ قلم پر، پُرشکوہ ستاویزی اشاعت

شائع کرنا ہر ادارے کے لئے باعثِ فخر ہوتا ہے اور جس کی 60 سالہ قلمی زندگی کی طویل صبر آزما جدو جہد کی داستاں کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہوتا ہے ۔ پھر بھی کچھ سر پھرے ادبی مجنوں یا لوح و قلم کی پرورش کی مرض میں مبتلا اپنے خونِ جگر سے ادب کے لالہ زاروں کی آبیاری کر رہے ہیں ۔ بقول شاعرِ مشرق ۔ ع نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر! ثاقب زیروی جیسی شخصیت پر لکھنا اس لئے بھی دشوار ہے کہ بقولِ ثاقب صاحب کہ ''ہم جو تھے وہ نہیں رہے جو بننا چاہتے تھے وہ بن نہیں پائے'' ایسی شخصیت جس نے برصغیر کی ریاستوں کے عروج و زوال اور عزت دار گھرانوں کو گردشِ لیل ونہار کے باعث گم نام ہوتے دیکھا ہو۔ جس نے خاندانی خون کے الرغم قول و فعل کے تضاد کو دیکھا اور اپنے جذبات کو اشعار میں قلم بند کیا۔ ایسے شخص کے متعلق لکھنا اس لئے مشکل ہے کہ جس نے اپنی سیاسی بصیرت کو ہمیشہ فطرتی و کائناتی حقائق کے دائرہ سے باہر نہیں نکلنے دیا۔ جس نے اعتدال کے ساتھ ساتھ محبت و بھائی چارے کے وسیع کینوس پر اپنے نقشِ محبت کو اپنے عمل سے ثبت کیا۔ جسے قدرت نے وصف عطا کیا کہ'' کسی کی تحریر کے چند فقرے اور گفتگو کے چند مکالمے اس کے معیارِ وفا کے نقش بن کر ثاقب صاحب کے ذہن میں اُجاگر ہو جاتے تھے اور اس نقش کے مطابق ثاقب صاحب نے جس سے جو بھی تعلق قائم کیا اس کو ہمیشہ اس پر ناز رہا'' یہ محض ان کے خالق و مالک کا فضل تھا جس نے الفاظ کی پہچان اور ان کے اوزان کی صلاحیت انہیں ودیعت کی۔ اسی کے فیض نے ہمیں ایک اچھا مصنف، اچھا شاعر و ادیب عطا کیا اس کے علاوہ ایک انسان دوست دیا جو بے غرض اطاعت اور بے پایاں محبت کا مجسمہ شاہکار ثاقب زیروی کی شکل میں دیا۔ جس نے ہمیشہ اپنی تحریر لکھتے وقت ان باتوں کو مدنظر رکھا کہ ''اس فقرے کے ملکی حدود میں کیا معنی کئے جا سکتے ہیں اور ملکی حدود سے باہر کیا؟ میرے دین کے لئے کیا مفہوم رکھتا ہے اور بعد میں میری قوم پر کیا اثر چھوڑے گا ایسی مستند تحریر لکھنے والی شخصیت پر لکھنا کچھ آسان نہیں''۔ بانی ہفت روزہ ''لاہور'' ثاقب زیروی نے اردو صحافت کی اعلیٰ روایات کو جس طرح زندہ تابندہ رکھا۔ وہ اپنی جگہ مسلم لیکن وفا اور وضع داری کے اس پیکر کی ساری زندگی تا مرگ، ہر لمحہ ایک ہی لگن اور ایک ہی مشن پر قائم رہی ''اعلیٰ دینی اقدار کا قیام و استحصالی نظام کا خاتمہ رہی۔ ثاقب زیروی صاحب سولو صحافت کا نادر نمونہ تھے ۔ برصغیر پاک و ہند کی صحافت کی جب تاریخ لکھی جائے گی تو کوئی مورخ آپ کے نام کا ذکر کئے بغیر آگے نہ بڑھ سکے گا۔ تن تنہا پچاس سال تک ہفت روزہ ''لاہور'' سورج کی سی باقاعدگی سے نکالتے رہے۔ ثاقب زیروی نہ جانے کیا شے تھے۔ وہ مقدمات بھی بھگتتے رہے مبارک بادیں بھی سمیٹتے رہے گالیاں بھی سنتے رہے، دعائیں بھی لیتے رہے، وہ مشاعروں کی جان تھے۔ بڑے بڑے مشاعروں میں شائقین کی آنکھوں کے تارے تھے۔ اور دلوں کی دھڑکن، وہ جہاں صاحبانِ اقتدار کا دوست تھے اسی طرح غریبوں کا مونس و غمخوار بھی ۔ وہ کبھی بڑے بڑے شاعروں کی موجودگی میں مشاعروں کو اُلٹ دیا کرتے تھے اور کبھی پٹے ہوئے مشاعروں کو جما دیا کرتے تھے۔ ان کی زندگی میں کئی نشیب و فراز بھی آئے مگر وہ ویسے کے ویسے ہی رہے ۔ اُن کی باتوں سے کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا وہ تہہ بہ تہہ کھلتے تھے مگر کم کم احباب پر۔ اور جن پر کھلتے تھے اُن کو اپنی محبتوں اور شفقتوں میں سمیٹ لیا کرتے تھے۔ اور وہ اُن محبتوں شفقتوں کا محور دیکھتا رہ جاتا کہ ایسا کس وجہ سے اور کیوں؟ آپ کے ہم عصروں میں فراق گورکھپوری، جگر مرادآبادی، جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض، بابا کمل پوش، کلیم عثمانی، طفیل ہوشیارپوری، مولانا صلاح الدین، حکیم سعید، احسان دانش، ساغر صدیقی، سیف الدین سیف، مصطفیٰ زیدی، عدم، تاثیر، تبسم اسد ملتانی، کوثر نیازی، مولانا عبدالمجید سالک، مولانا غلام رسول مہر، تلوک چند محروم، رام لعل، مولانا تاجور نجیب آبادی، جگر مرادآبادی، علامہ نیاز فتح پوری، سردار دیوان سنگھ مفتون، م۔ش۔ مجید نظامی، ن۔م راشد، نذیر شیخ، دوست جالندھری، مجید لاہوری، مولانا ظفر علی خان، سردار راجندر سنگھ بیدی، تھے۔ جن کا گاہے گاہے ذکرِ خیر چلتا رہتا تھا۔ ثاقب زیروی صاحب کی شخصیت اگر چہ نمایاں طور پر تبلیغ دین، شاعری، صحافت اور ادارت پر مشتمل تھی۔ اس کے آگے دو پہلو تخصیص کے حامل یہ تھے کہ انہوں نے مشکلات کے باوجود اپنا مشنری ذوق ابلاغ عمر بھر جاری رکھا اور صحافت میں انہوں نے اردو صحافت کا سب سے مشکل پہلو ''یک رکنی'' صحافت کا اختیار کیا تھا۔ دنیا کی کسی زبان میں بھی ایسی صحافت مشکل ترین ہی ہوتی ہے۔ لیکن اس طرح کی صحافت اردو میں اس لئے خاص اہمیت کی حامل سمجھی جاتی ہے کہ مدیر کو باوصف نظریاتی اخلاص کے زندگی کے سبھی پہلوؤں پر یکساں گہرائی کی نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جس کے لئے مشاہدے اور مطالعے کا ہمہ وقت مجاہد بننا لازم ٹھہرتا ہے اس روایت میں مولانا ابوالکلام آزاد کا ''الہلال'' مولانا محمد علی کا ''ہمدرد'' مولانا حسرت موہانی کا ''اردوئے معلیٰ'' اتنی بڑی مثالیں ہیں کہ بعض دفعہ یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ ثاقب زیروی صاحب نے 1952ء جیسے نامساعد حالات میں اپنے لئے اسقدر مشکل راستہ کیوں اختیار کیا۔ لیکن ''لاہور'' کے پچاس سال گواہی کے لئے موجود ہیں کہ انہوں نے نہ صرف انتخابِ درس کیا تھا بلکہ پورے تقاضوں اور شان بان کے ساتھ اسکو پورا رکھا اور جو سابق رواج خلوصِ کار اور ذاتی پاکیزگی کا تھا اسے تابانی سے جاری رکھا۔ ایسے دقیق مگر اوصافِ حمیدہ کے ساتھ ساتھ ثاقب صاحب سے ملنے والے تمام لوگ یہ بھی گواہی دیں گے کہ وہ شرح محمدؐ یہ پر پورے طور پر تمام عمر کاربند رہے۔ اور ساری عمر ایک سالک صوفی اور باعمل عالم کے طور پر گزاری۔ ثاقب زیروی نے اپنی شاعری میں گل و بلبل، لب و رخسار، ہجر و وصال، شمع و پروانہ کا رونا نہیں رویا بلکہ انسان پر انسان کے ظلم کی داستان بھی بیان کی ہے۔ انسان کی چیرہ دستیاں اور انسان کی مجبوریوں پر حاشیہ آرائی کی ہے

۔ثاقب زیروی نے اپنی شاعری میں حسن وعشق کے ساتھ ساتھ غربت کے چھپے ہوئے ناسوروں کو بھی ننگا کیا ہے۔مذہب کے مقدس نام پرخوں ریزی کرنے والے جعلی مولویوں کو وطن دشمنوں کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ثاقب زیروی ایک درویش صفت شاعر ہیں۔اُن کے ساتھ ادیب،صحافی،اُمراء،روساء کی خوشامد کر کے کروڑوں روپے،کوٹھیوں اور کاروں کے مالک بن گئے مگر ثاقب زیروی نے نہ کوئی کوٹھی بنائی اور نہ کوئی کار خریدی۔پاکستان بننے سے قبل وہ تحریک پاکستان کے صفِ اول کے مجاہد تھے اور پاکستان کے لئے انہوں نے شب وروز کام کیا۔اوران کے بہت سے عزیز تقسیم کے وقت شہید ہوئے۔1952ء میں لاہور کی صحافت پر ایک ایک نئے روشن ستارے کی طرح طلوع ہوئے۔اور آدھی صدی تک لوگوں کے دلوں میں اپنی نثر،اور شاعری سے جگمگاتے رہے۔آخر شہابِ ثاقب بن کر ٹوٹے،فضا میں روشنی بکھیرتے ہوئے اپنی حسین یادیں چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔اُن کے قلم میں جادو تھا۔دوست نواز،عظیم شاعر،باکمال صحافی،ہنس مکھ ساتھی،غمگسار رفیق،بہترین استاد دوست تھے۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہ مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر ویرانے پہ کیا گزری

جعلی پیروں فقیروں کے دو واقعات

ملک لطیف احمد

جماعت احمدیہ کے برعکس دوسرے لوگوں کے پیر اپنی خدمت کروانے اور اپنے آپ کو برتر ہونے کا احساس دلاتے ہیں۔ایک واقعہ میں اپنے نانا جان کا بیان کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے بذریعہ خط حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کی تھی جنکا نامِ گرامی میاں حسن دین صاحب تھا۔

اُن کے گاؤں میں ایک پیر صاحب کسی گھر میں تشریف فرما تھے۔نانا جان کو ایک غیر از جماعت دوست کہنے لگے کہ آؤ میں اپنے پیر صاحب سے ملواؤں۔نانا جان کو دعوت الی اللہ کا بڑا شوق تھا وہ تو کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے فوراً تیار ہو گئے۔جب اُس گھر میں پہنچے تو سب لوگ نیچے زمین پر بیٹھے تھے اور پیر صاحب بڑے ٹھاٹھ سے گاؤ تکیہ لگائے بڑے پلنگ پر براجمان ہیں۔نانا جان نے جاتے ہی باآواز بلند السلام علیکم کہا اور پیر صاحب کے پہلو میں بیٹھ گئے۔سب لوگ بڑے حیران و پریشان ہوئے کہ اس نے کیا کیا ہے پیر صاحب کے برابر بیٹھ گیا ہے۔اب پیر صاحب ہم سے ناراض ہوں گے۔جو گھر کی مالکہ تھیں وہ اشاروں اشاروں سے پیر صاحب کے پہلو سے اٹھنے کو کہہ رہی تھیں۔نانا جان نے کہا کہ ایسے مواقع روز روز تھوڑے آتے ہیں پیروں کے جتنے قریب بیٹھیں اتنی ہی برکتیں حاصل ہوتی ہیں اور ساتھ ہی پیر صاحب سے تصدیق کروالی۔نانا جان تھوڑی ہی دیر بیٹھ کر چلے گئے بعد میں پیر صاحب نے پوچھا کہ یہ آدمی کون تھا اور اِس کو کون ساتھ لایا تھا۔لوگوں نے بتایا کہ یہ احمدی ہے یہ سُن کر اُس آدمی کو جو نانا جان کو لے کر گیا تھا تنبیہ کی کہ آئندہ ایسا آدمی نہ لانا جو آ کر میرے ساتھ بیٹھ جائے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ہمارے ننھالی گاؤں کا ہے۔ایک شخص راج ولی (راجو) کے گھر پیر صاحب آیا کرتے تھے۔یہ صاحب بمع فیملی اپنے اس پیر سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور بہت خاطر مدارات کرتے تھے۔اس حلوے مانڈے کی افراط کی وجہ سے پیر صاحب کے دوروں میں اضافہ ہو گیا۔بالآخر یہ دورے اہلِ خانہ پر بھاری پڑنا شروع ہو گئے اور پیر صاحب نے ان کو فاقوں پر مجبور کر دیا۔راجو کو ایک ترکیب سوجھی وہ اس طرح کہ آئندہ دورہ پر انہوں نے طاقت نہ ہوتے ہوئے بھی کافی پر تکلف کھانا تیار کیا۔ابھی کھانے میں کچھ دیر باقی تھی کہ راجو پیمائش کرنے والا فیتہ لے آیا اور پیر صاحب سے کھڑا ہونے کے لئے عرض کی لہذا پیر صاحب کھڑے ہو گئے اِس طرح انہوں نے لمبائی کا ناپ لیا۔پھر دونوں شانوں کی چوڑائی ناپی اور پیر صاحب کو کہا کہ اب تشریف رکھیں۔بعدۂ اس نے اُن کے سامنے فرش پر لمبائی چوڑائی کے مطابق لکیریں لگائیں اور فرش کی کھدائی شروع کر دی۔ایک دو ضربوں پر پیر صاحب نے راجو سے پوچھا کہ راجو یہ کیا کر رہے ہو۔اُس نے کمال اداکاری کرتے ہوئے بڑے ہی مؤثر انداز میں عرض کی پیر صاحب آپ کا وجود ہمارے لئے خیر و برکت کا موجب ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ اِس رات کے وقت جبکہ سب افراد سو چکے ہوں کسی کو پتہ بھی نہیں لگے گا ہم اکیلے ہی آپ کے وجود کی برکتوں سے مستفیض ہونے کے لئے یہاں اسی جگہ آپ کی تُربت بنائیں گے تا کہ ہماری آنے والی نسل برکتوں سے مستفیض ہوتی رہے۔پیر صاحب کو یقین ہو گیا کہ آج راجو نے جو سوچا ہے کر کے رہے گا۔وہ پانچ منٹ کی خاموشی کے بعد فرمانے لگے کہ راجو ابھی کھانے میں تھوڑی دیر ہے میں ذرہ پھتّے کے گھر سے ہو کر آتا ہوں۔راجو یہی چاہتا تھا کہنے لگا ذرہ جلدی آ جائیں۔جب پیر صاحب نکل گئے تو اس کی بیوی آئی۔ٹوٹے فرش کو دیکھ کر کہا یہ تم نے فرش کا بیڑہ غرق کر دیا ہے۔راجو نے کہا کہ فرش تو دوبارہ بن جائے گا لیکن پیر اب دوبارہ نہیں آئے گا اور فی الواقع پیر صاحب آج تک پھتے کو مل کر واپس نہیں آئے۔یہ تھا قصہ جعلی پیروں مریدوں کا!

لیکن اللہ تعالیٰ جن ہستیوں سے خوش ہو کر ان کو عوام الناس کی رشد و ہدایت کیلئے مبعوث فرماتا ہے۔اُن کو عوام النّاس کی رشد و ہدایت کیلئے مبعوث فرماتا ہے۔اُن کو ماننے والے مرید بھی عطا فرماتا ہے جو مجسم اخلاص و وفا کے پُتلے ہوتے ہیں جو اطاعت و قربانی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔



انجنیئر محمد علی مرزا صاحب شراب عشق محمد ﷺ پیجئے اور مولوی سے کافر کہلوائیے

(تحریر علی مانسہروی)

نئے سال میں 11 جنوری کی دوپہر جناب انجنیئر محمد علی مرزا صاحب جہلمی اپنے چند دوستوں کے ساتھ فیصل آباد میں تبلیغی جماعت کے اہم راہنما جناب مولانا طارق جمیل صاحب سے ملاقات کے لئے پہنچے۔ کافی طویل ملاقات تھی اور انتہائی خوشگوار ماحول میں ہوئی۔ دو دن بعد انہوں نے خود سے اس ملاقات کے احوال ایک ویڈیو کے ذریعہ یوٹیوب پر آن ائیر کیا۔ اختلاف رائے اور اختلاف عقیدے کے باوجود یہ ایک خوشگوار ہوا کا جھونکا ہے کہ ایک عالم دین نے ملاقات کی خواہش کی اور دوسرے نے نہ صرف اجازت دی بلکہ ملاقات کی اور سوال وجواب میں ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ تاہم یہ ایک الگ بات ہے کہ عین اسی وقت فیصل آباد سے سینکڑوں میل دور بیٹھے اسی مسلک کے مولوی جناب مفتی طارق مسعود صاحب شدید جھنجھلاہٹ میں اپنے درس میں موجود لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اسلام اور شریعت کی رو سے یہ ملاقات ہونی ہی نہیں چاہیئے تھی۔ ایسے کسی مختلف الخیال کو بولنے کی اجازت ہی نہیں دینی چاہئے اور دلیل کے طور پر بتا رہے تھے کہ اگر میں روز طلاق پر لیکچر دوں گا تو آپ کو شک پڑ ہی جائے گا کہ کہیں ہماری طلاق تو نہیں ہوگئی۔ بہر حال یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ انجنیئر محمد علی مرزا صاحب نے ملاقات کی اہم بات کو ہائی لائیٹ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ''مولانا طارق جمیل صاحب نے کہا کہ یار وہ تمہارا ایک جملہ مجھے بہت ہی پسند آتا ہے اور یہ والی بات انہوں نے اس گفتگو میں دو تین دفعہ دہرائی۔ میں نے کہا کون سی؟ انہوں نے کہا کہ وہ تم وہ جو امام شافعی کا شعر پڑھتے ہو کہ

ان کان رفضاَحب آل محمد　　فلیشهد ثقلان انی رافضی

کہ اگر اہل بیت کی محبت کا نام رافضی ہونا ہے تو جن وانس گواہ ہو جاؤ کہ میں رافضی ہو۔ اس کے ساتھ جو تم نے جوڑا ہے ناں یار وہ مجھے بڑا مزہ دیتا ہے کہ اگر نبی علیہ السلام کی عقیدت کا نام بریلوی ہونا ہے اگر غلو کے درجہ میں نہ ہو تو میں بریلوی ہوں۔ اگر صحابہ کی عقیدت کا نام دیوبندی ہونا ہے اگر غلو کے درجہ میں نہ ہو تو میں دیوبندی ہوں اور اگر کتاب وسنت کو فائنل اتھارٹی ماننا ہے۔ اجماع کو حجت مانتے ہوئے اور کسی بزرگ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، اگر اس کا نام اہل حدیث ہے تو میں اہل حدیث ہوں یار یہ مجھے جملہ بڑا پسند ہے'' یقیناً یہ بات بہت متوازن ہے اور خوبصورت بھی اس لئے ہم بھی اس کی تعریف کرتے ہیں اور حکمت کی بات تو ہر مومن کی میراث ہے اس لئے ہم آپ کی اس خوبصورت بات پر آپ کے لئے دعا کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔

جناب انجنیئر صاحب آپ تو اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ رب العالمین تحفے کے جواب میں اور زیادہ خوبصورت تحفہ پیش کرنے کی نصیحت فرماتا ہے

ضمناً بتاتا چلوں کہ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ آج کل آپ جب بھی بانئ جماعت احمدیہ کا نام لیتے ہیں تو ساتھ گالی ضروری دیتے ہیں اور بانی جماعت تو آپ جیسے ہر عشق رسول کے نام پر گالی دینے والے کے جواب میں نعرہ مستانہ لگاتے ہوئے فرمایا کرتے تھے

بد گفتم ،زنوع　عبادت شمر دہ اند
درچشم شاں پلید تر ، از ہر مزوّرم

ان لوگوں نے مجھے برا بھلا کہنا عبادت سمجھ رکھا ہے۔ اُن کی نظر میں مَیں ہر کذّاب سے زیادہ پلید ہوں

اے دل تو نیز خاطرِ ایناں نگاہ دار
کاخر کنند دعویٰ حُبِّ پیمبرم

کہ اے دل تو ان کا لحاظ رکھ کہ یہ جو آپ کو گالیاں دیتے پھرتے ہیں یہ بھی آخر تیرے ہی پیغمبر ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

یاد بہشت بردلِ پُر سوز من و زد
صدنگہت ِ لطیف دہد ،دُود ِ مجمرم

جنت کی ہوائیں میرے پرسوز دل پر چلتی ہیں اور میری اس انگیٹھی کا دھواں سینکڑوں قسم کی خوشبوئیں پیدا کرتا ہے

بد بوئے حاسداں نر ساند ،زیاں بمن
من ہر زماں زِ نافہ ٔ یادش معطّرم

حاسدوں کی بد بو مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ ہر وقت یاد خدا کے نافہ سے معطر رہتا ہوں

چلیں یہاں اتنے ہیں ایک آپ بھی سہی مگر ہمارا عقیدہ اور حسن سلوک بھی اٹل ہے اور ہمارا تحفہ بھی انمٹ ہے جس کی گواہی دینے کے لئے احمدیت کی ساری تاریخ بطور گواہ کھڑی ہے۔ اسلئے آپ ہم آپ کے حضور امام الزماں، مہدی دوراں مسیح موعود علیہ السلام عاشق صادق حضرت محمد مصطفے ﷺ کی اس سے ہزار گنا بہتر وضاحت کو پیش کرتا ہوں۔ آپ ان لوگوں کو جو آپ کا عقیدہ پوچھتے تھے کہ آپ کا کلمہ کون

سا ہے؟ آپ کا فقہ کون سا ہے آپ کا فرقہ کونسا ہے؟ آپ کس مدرسے کے پڑھے ہوئے ہو؟ آپ نے کس مولوی سے زانوئے تلمذ طے کیا ہے؟ آپ کا مذہب کونسا ہے؟ آپ کی شریعت کونسی ہے؟ آپ کا محبوب کون ہے؟ آپ کا معشوق کون ہے؟ آپ کس سے سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں؟ کس کے لئے آپ اپنی جان بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ایک مولوی صاحب نے تو یہاں تک اعلان کر دیا کہ آپ نشہ کرتے ہیں کیونکہ آپ کی آنکھیں سدا مخمور رہتی ہیں۔ان سب سوالوں کا فارسی اشعار میں جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں

دگر اُستاد را نامے ندانم
کہ خواندم در دبستان محمد

میں کسی اور استاد کو نہیں جانتا۔میں تو صرف حضرت محمد مطفیٰ ﷺ کے مدرسے کا پڑھا ہوا ہوں

بعد از خدا بعشق محمد ﷺ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

نہ میں دیوبندی نہ میں بریلوی نہ میں اہل حدیث میں تو خدا کے بعد عشق محمد مصطفےٰ ﷺ کی شراب عشق کے نشے میں مخمور ہوں اور اگر یہ نشہ کرنا کفر ہے تو خدا کی قسم میں سخت کافر ہوں۔

تو جناب محمد علی مرزا صاحب! دیوبند اور بریلی کی دیواروں کی حدود و قیود میں مقید ہونے سے ہزار درجہ بہتر ہے عشق رسول ﷺ کا نشہ۔اور اس نشے کا پیغام ہے کہ حدیث ہو یا آل صاحبِ حدیث۔سنت ہو یا اصحاب صاحب سنت کچھ بھی تو تاجدار مدینہ ﷺ سے جدا نہیں۔عاشق تو معشوق کی گلیوں سے بھی پیار کرتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ دعویٰ ہو عشق کا اور تقسیم کی شرائط ہوں۔

جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است
خاکم نثار کوچہ آل محمد است

میری جان و دل تو حضرت محمد ﷺ کے حسن و جمال پر فدا ہیں۔دوستو جمال محمدی تو در کنار میں تو آل محمد ﷺ کے کوچہ کی خاک پر بھی قربان ہوں

درد الم جو شد ثنائے سرورے
آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

میرے دل میں تو اس سردار آقائے نامدار کی تعریف جوش مار رہی ہے۔وہ سرکار دو عالم جس کا خوبیوں میں کوئی ہمسر ہو ہی نہیں سکتا۔

حسن رویش ، بہ زِ ماہ و آفتاب
خاک کویش ،بہ زمشک و عنبرے

آپ کے چہرہ مبارک کا حسن تو شمس و قمر کو مات دیتا ہے۔چہرہ مبارک تو کیا آپ کے کوچہ کی خاک بھی مشک و عنبر سے کہیں بہتر ہے

آفتاب و مہ چہ مے ماند بدو
دردلش ،ز نور حق صد نیّرے

سورج اور چاند کو اس حسین سے کیسے مشابہت ہو سکتی ہے۔کیونکہ اس عظیم ہستی کے دل میں تو خدا کے نور کے سو سو سورج چمک رہے ہیں

یک نظر بہتر زِ عمرِ جاوداں
گرفتہ کس، را براں خوش پیکرے

سنو سنو دنیا والو ہمیشہ کی زندگی کی ٹکروں سے وہ ایک نظر بہتر ہے۔جو اس پیکر حسن پر پڑ جائے

منکہ از حسنش، ہے دارم خبر
جان فشانم، گر دہد دل دیگرے

میں جو اس کے حسن سے باخبر ہوں۔اس پر اپنی جان قربان کرتا ہوں جب کہ دوسرا صرف دل دیتا ہے

یاد آں صورت مرا ،از خود برو
ہر زماں مستم کند از ساغرے

اس کی یاد مجھے بے خود بنا دیتی ہے۔وہ پیارا ہر وقت مجھے ایک ساغر عشق کے نشے سے مست کرتا ہے

عارفاں را منتہائے معرفت علم رُخت
صادقاں را منتہائے صدق ،بر عشقت قرار

عارفوں کی معرفت کی آخری نقطہ ترے رخ انور کا علم ہے۔اور راستبازوں کے صدق کا منتہا تیرے عشق پر ثابت قدم رہنا ہے

بے تو ہرگز دولت عرفاں نۓ یا بد کسے
گرچہ میرد ،در ریاضت ہا و جُہد بے شمار

تیری اطاعت کا جوا گلے میں ڈالے بغیر کوئی عرفان عشق الٰہی کی دولت کو نہیں پا سکتا۔اگر چہ وہ ریاضتیں اور جد جہد کرتا کرتا مر بھی جائے

خوش تر از دوران عشق تو ،نبا شد ہیچ دور
خوب تر از وصف و مدح تو نبا شد ہیچ کار

اے میرے محبوب ترے عشق کے نشے میں گزرے ہوئے زمانہ سے اور کوئی زمانہ زیادہ اچھا نہیں ہو سکتا۔۔اور کوئی کام تیری مدح وثناء سے زیادہ بہتر نہیں

یا نبی اللہ! فدائے ہر سر موئے توام
وقف راہ تو کنم گر جاں دہندم صد ہزار

اے نبی اللہ! میں تیرے جسم مبارک کے بال بال پر فدا ہوں اگر مجھے ایک لاکھ

جانیں بھی ملیں تو میں تیری راہ میں سب کو قربان کردوں

مے پریدم ،سوئے کوئے او مدام
من اگر مے داشتم ،بال و پرے

میں ہمیشہ اس کے کوچہ میں اڑتا پھرتا۔اگر میں بال و پر رکھتا

آں شراب معرفت ،داداش خدا
کز شعا عش ،خیرہ شد ہر اخترے

خدا نے اسے وہ شراب معرفت عطا فرمائی کہ اس کی شعاعوں سے ہر ستارہ ماند پڑ گیا

اوچہ مے دارد بمدح کس نیاز
مدح او خود فخر ہر مدحت گرے

اسے کسی کی تعریف کی کیا حاجت ہے۔اس کی مدح ہر مدحت گر کے لئے باعث فخر ہے

مصطفیٰؐ آئینہ روئے خدا است
منعکس در وے ہماں،خوئے خدا است

مصطفی ﷺ تو خدا کے چہرہ کا آئینہ ہیں۔ان میں خدا تعالیٰ کی ہی تمام صفات منعکس ہیں

گر ندیدستی خدا او را ببیں
من رآنی قد رای الحق ایں یقیں

اگر تو نے خدا کو نہیں دیکھا تو انہیں دیکھ۔یہ حدیث یقینی ہے کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا

شان احمدؐ را کہ داند جز خداوند کریم
آنچناں از خود جدا شد ،کز میاں افتاد میم

احمدؐ کی شان کو سوائے خداوند کریم کے کون جان سکتا ہے۔وہ اپنی خودی سے اس طرح الگ ہو گیا کہ میم درمیان سے گر گیا۔

جناب انجنیئر صاحب ہم نہ دیوبندی نہ بریلوی نہ اہل حدیث نہ بابی نہ کتابی ہم تو عشاق رسول ﷺ ہیں اور آپ کا بھی اگر عشق رسول ﷺ کا دعویٰ ہے تو عاشق بدزبان یا دل آزار نہیں ہوتا کیونکہ ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ

عارفاں را منتہائے معرفت علم رخت
صادقاں را منتہائے صدق بر عشقت قرار
بے تو ہر گز دولت عرفاں نمے یابد کسے
گرچہ میرد در ریاضت ہا و جہد بے شمار
خوش تر از دوران عشق تو نبا شد ہیچ دور
خوب تر از وصف و مدح تو نبا شد ہیچ کار

یا نبی اللہ! فدائے ہر سر موئے توام
وقف راہ تو کنم گر جاں دہندم صد ہزار

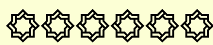
جناب انجنیئر صاحب آخری بات کے ساتھ اس قصے کو ختم کرتا ہوں کہ وہ جس کو آپ گالی دیتے ہیں اگر روز قیامت میں سرکار دو عالم ﷺ کے قدموں میں بیٹھا اونچے سروں میں یہ شعر گا رہا ہوا تو پھر آپ کا کیا ہوگا؟

ز عشاق فرقاں و پیغمبریم
بدیں آمدیم و ندیں بگذریم

ہم قرآن اور نبی اکرم ﷺ کے عاشقوں میں سے ہیں۔اسی عقیدہ پر دنیا میں آئے ہیں اور اسی پر گزریں گے

اس لئے ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں آیئے شراب عشق محمد ﷺ پیجئے۔ دیوبندی بریلوی کی قیود سے بلند ہوئیے اور پھر ہماری طرح گلی کی نکڑ والے مولوی سے کافر کی ڈگری لیجئے۔مکرر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں دعوت دیتا ہوں

اگر خواہی نجات از مستی نفس
بیا در ذیل مستان محمد



بھٹو کا عدالتی بیان: بلا تبصرہ

مسٹر ستار طاہر صاحب اپنی یادوں میں لکھتے ہیں۔

ایک عدالت میں جناب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو صاحب سے جب ان کے اسلام کی وضاحت طلب کی گئی تو انہوں نے جواباً کہا۔

’’مائی لارڈ ایک اسلامی ملک میں ایک کلمہ گو کے عجز کے لئے یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہوگا کہ وہ یہ ثابت کرے کہ وہ مسلمان ہے۔میرے خیال میں یہ اسلامی تمدن کی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے کہ ایک مسلم صدر، ایک مسلم راہنما، ایک مسلم وزیر اعظم جسے قوم نے منتخب کیا ہو۔ایک دن اپنے آپ کو اس حیثیت میں پائے کہ وہ کہے کہ وہ ایک مسلمان ہے......

مائی لارڈ جیسا کہ میں اس سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ ایک مسلمان کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ کلمے میں ایمان رکھتا ہوا اور کلمہ پڑھتا ہو۔اس حد تک بات جا سکتی ہے کہ جب ابوسفیان مسلمان ہوئے اور انہوں نے کلمہ پڑھا تو رسولؐ کے بعض صحابہؓ نے سوچا کہ اس کی اسلام دشمنی اتنی شدید تھی کہ شاید ابوسفیان نے اسلام کو محض اوپری اور زبانی سطح پر قبول کیا ہو۔لیکن رسولؐ نے اس سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ جونہی اس نے ایک بار کلمہ پڑھ لیا تو وہ مسلمان ہو گئے‘‘

(’’آخری بیان‘‘ از ستار طاہر ص27 و ص31)

شذرات



ترتیب وتبصرہ اصغر علی بھٹی نگران اعلیٰ مجلہ قندیل حق

دوران ماہ سے ہم اپنے قارئین کے علم میں اضافہ کے لئے ،اور بہتر موازنہ کے لئے دنیا بھر میں پھیلے مذہبی رسائل سے حاصل شدہ معلومات اپنے تبصرہ کے ساتھ پیش کرنے کا نیا سلسلہ شرع کر رہے ہیں (ادارہ قندیل حق لندن)

”مذہب کے نام پر یہ دھندے ہمارے بدترین زوال کی علامت ہیں“

مشہور مذہبی رسالہ رحیمیہ اپنی فروری 2019 کی اشاعت میں مذہب کے نام پر کاروبار اور زوال کا رونا روتے ہوئے اپنے ادارئے میں لکھتا ہے

” دین کے نام پر کچھ مذہبی طبقے اپنے مفادات کا کھیل کھیلنے میں مصروف ہیں۔اس طبقے کے گھناؤنے کردار کے سبب نہ صرف دین کو اجتماعی معاملات میں نظر انداز کرنے کا رویہ عام ہو گیا ہے بلکہ آج تو اس طبقے کے کردارا کے سبب مذہب کے نام پر کاروبار نے ایک وبا کی شکل اختیار کر لی ہے۔ایسے لوگ اپنی پراڈکٹس کے نام کے ساتھ مذہب اور مقدس مقامات کے نام استعمال کر کے لوگوں کے دینی جذب کا استحصال کرتے ہیں۔اسلامی بینکنگ،اسلامک شہد،مکہ کولا،طب اسلامی،علاوہ ازیں عمرہ،گ،ٹریولنگ،عجوہ کھجور،حجامہ،جادو اور نظر بد کے لئے دم درود ، استخارہ کے نام پر کاروبار عروج پر ہیں۔حتیٰ کہ کچھ مقررہ معاوضے لے کر قضا نمازیں پڑھوانے تک کے اشتہارات شائع ہو رہے ہیں۔اس طرح گویا مذہب کا نام ایک مقبول انڈسٹری کے طور پر معاشرے میں متعارف کروایا جارہاہے۔۔مذہب کے نام پر مالی و مادی منفعت کے یہ دھندے ہمارے بدترین زوال کی علامت ہیں“

(مذہب کے کاروباری استعمال کی وباص4 ماہنامہ رحیمیہ لاہور فروری 2019 مجلس ادارت سرپرستی ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن مدیر محمد عباس شاد جلد نمبر 11 شمارہ 2 مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق رائے پوری ادارہ رحیمیہ علام قرآنیہ ٹرسٹ 33/A کوئیز روڈ شارع فاطمہ جناح لاہور)

تبصرہ قندیل حق

مذہب کے نام پر ذاتی مفادات۔حق بطور انڈسٹری۔مذہب کے نام پر مالی و مادی منفعت کے یہ دھندے ہمارے بدترین زوال کی علامت ہیں تو مولانا صاحب سوچو کہ یہ بدنصیبیاں اور نحوستیں آپ کے حصے میں کیوں آئیں؟سوچو۔کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یہ زوال صرف اس لئے ہے کہ جب تم نے اللہ کے بھیجے امام مہدی کی جگہہ پر مذہب کے نام پر ذاتی مفادات والوں کو ترجیح دی تو پھر یہ تو دنیا کا طے شدہ قانون ہے کہ ہر بزنس مین اپنے بزنس کو آگے بڑھاتا ہے پھر اب روتے کیوں ہو کہ انہوں نے مذہب کو ایک مقبول انڈسٹری بنادیا ہے؟؟

سراج الدولہ ایک نااہل بادشاہ تھا جبکہ انگریز سارا دن گھوڑے کی پیٹھ پر رہتا

26 جنوری 2018 کو مولانا طارق جمیل صاحب نے برصغیر کی تاریخ اور استعمار کے حوالے سے اپنے بیان میں سراج الدولہ اور انگریزوں کا تقابلی جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے بھارت میں داخلے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت قرار دیتے ہوئے فرمایا ”انگریز جہاں کہیں انٹر ہوا جب ہم زوال کا شکار ہو گئے۔صرف دولاکھ کے ساتھ۔کبھی دولاکھ سے زیادہ گورا اس ملک میں نہیں رہا۔اور 20 کروڑ انسانوں پر اس نے حکومت کی۔کہ وہ آپس ہی میں لڑ مر رہے تھے اور اجتماعی سوچ ختم ہو گئی تھی۔اہلیت ختم ہو گئی تھی۔تو 1757 میں سراج الدولہ کو شکست ہوئی اور وہ اس کا حق دار تھا کہ اُسے شکست ہوتی۔سازش ایویں ایک چھوٹا سا بہانہ تھا۔سازش ہوئی میر جعفر صادق مل گیا۔لیکن میر جعفر کا ملنا شکست کا سبب نہیں ہے۔سبب نااہلی ہے۔سراج الدولہ پورے بنگال کا بادشاہ 12 بجے سو کر اُٹھتا تھا۔اور اس کے مقابلے میں لارڈ کلائیو وہ اس کی کلرک کی حیثیت تھی وہ دن چڑھنے سے پہلے گھوڑے پر سوار ہوتا اور دن چھپنے کے بعد گھوڑے سے اترتا تھا۔وہ سارا دن گھوڑے کی پشت پر اور وہ سارا دن بستر پر۔رات کنیزوں اور لونڈیوں کے درمیان اور دن 12 بجے اُٹھیں گے تو پھر شکست تو مقدر ہے۔میدان اُن کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو میدان میں کھڑے رہتے ہیں۔“

اللہ نے انگریز کو بھیجا جاؤ اوران مسلمان بادشاہوں کو جوتے مار کر باہر نکالو۔

''برصغیر کے سارے حکمران ڈوبے ہوئے تھے سارنگیوں میں تو اللہ نے انگریز کو بھیجا۔ جاؤ ان سب کو جوتے مارو اور ان کو تخت سے کان پکڑ کر اتار دو۔ آخری ٹیپو سلطان تھا لیکن جب کوئی قوم ڈوبتی ہے تو کوئی ایک فرد مشکل سے ہی کنارے لگا سکتا ہے۔ وہ اپنی جان کی قربانی کر گئے 4 مئی 1799 کو۔''

اللہ نے ٹیپو سلطان کا اقتدار ختم کرنے کے لئے دریائے توی بند کر دیا

''دریائے توی بہتا ہے۔ اپریل کے آخر پر وہاں سیلاب شروع ہو جاتے ہیں اور فوجیں رک جاتی ہیں مگر میرے اللہ کو مسلمانوں کا اقتدار ختم کرنا تھا تو وہ اس سال موجیں ہی نہیں آئیں۔ سیلاب ہی نہیں آیا۔ دریا خشک پڑا تھا اور انگریز کی مدد کرنے والے کون تھے نظام الدین حیدر آباد کے حکمران۔ جب ضمیر سوتا ہے تو پھر ایسے ہوتا ہے۔ تو انہیں ڈوبنا چاہیئے۔ انہیں مرنا چاہیئے۔ انہیں غلامی کا طوق پہننا ہوگا۔ میرے رب کا نظام ہے میرے رب کا قانون ہے کہ یہاں نااہل کو نہیں بٹھایا جا سکتا۔''

کون سی جنگ آزادی 1857 وہ ایک چھوٹا سا جلوس تھا

''دلی شاہ عالم ثانی کے زمانے میں انگریز داخل ہو گیا اور پھر بہادر شاہ ظفر 1857 کی جنگ آزادی۔ وہ ایسے جیسے یہ ہمارا جلوس نہیں ہوتا۔ ان جلوسوں نے کبھی کچھ کیا ہے؟ جلوسوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے دو چار گاڑیاں جلا دو۔ دو چار سائن بورڈ توڑ دو۔ اور دو چار جاتے مسافروں کی جیبیں لوٹ لو۔ تو وہ ایک ایسا جلوس تھا۔ نہ کوئی نظم۔ نہ کوئی ترتیب تھی۔''

1857 کے شاملین مجاہد نہیں ظالم اور انسان ذبح کرنے والی مخلوق تھے

''اور ظلم کا جواب ظلم نہیں ہوتا۔ جب انہوں نے دلی پر قبضہ کیا تو وہاں 70 انگریز عورتیں تھیں 30 عورتیں اور 40 بچے۔ انہوں نے سب کو ذبح کر دیا۔ کیا ان کے ساتھ اللہ ہوگا جو عورتوں کو ذبح کرتے ہیں۔ جو بچوں کو ذبح کرتے ہیں۔ انہوں نے ناکام ہونا ہی تھا مگر الٰہی بخش، نجف خان اور نواب شجاع الدولہ یہ تین آدمی اس میں ذریعہ بنے۔ لیکن اگر وہ ذریعہ نہ بھی بنتے تو زوال کا معاملہ ہونا ہی تھا 4 دن بعد ہو جاتا ہونا ہی تھا''

تبصرہ قندیل ہدائیت

مولوی طارق جمیل صاحب آپ دیوبند کے ایک بڑے نام ہیں اور آپ کے بقول اللہ نے خود انگریز کو بھیجا کہ جاؤ اور ان کو جوتے مار کر باہر نکالو تو اللہ کے بندو گھر میں مشورہ تو کر لو کہ کیا بیان دینا ہے؟ ایک دیوبندی کہہ رہا ہے کہ انگریز کو لے کر ہی اللہ آیا ہمیں جوتے مارنے کے لئے اور اتنا ناراض تھا کہ دریائے توی تک بند کر دیا دوسرا کہتا ہے کہ نہیں نہیں ہم نے تو بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں انگریز کے خلاف جہاد کیا وہ تو مرزا غلام احمد قادیانی نے جہاد کے خلاف فتویٰ دے دیا ورنہ ہم نے انگریز کو نکال باہر کرنا تھا۔ تیسرا کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بھی انگریز کی فوج میں شامل ہو کر باغیوں سے لڑ رہے تھے چوتھا کہتا ہے کہ ''میں تو اُس کتے کو بھی مکھن کھلاتا تھا جو انگریز پر بھونکتا تھا'' بھلے مانسو پہلے گھر میں مشورہ کر لو ایسے ہی اپنے آپ کو تماشہ نہ بناؤ کیونکہ تاریخ میں سب لکھا ہوا ہے کہ دیوبند اور ندوہ انگریز کے کتنے چہیتے تھے۔

جنرل حمید گل کے بچے ایک دوسرے سے دست گریبان چاک کرتے ہوئے

جناب جاوید چوہدری صاحب اپنے کالم زیر عنوان ''افغانوں کا بے گناہ لہو بول رہا ہے'' میں لکھتے ہیں کہ

''عظمٰی گل صاحبہ نے اُن کو فون کر کے اپنے بھائیوں کے خلاف اپنی دکھ بھری بپتا سنائی ہے۔ اس سے قبل 28 مارچ 2018 کو اُنہوں نے تھانہ ایئر پورٹ میں اپنے بھائی عبداللہ گل کے خلاف باقاعدہ درخواست دی ہے۔ اُن کا کہنا تھا کہ عبداللہ گل نے جائیداد پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ والدہ اور میرا حصہ دینے کے لئے تیار نہیں۔ یہ ماں اور بہن کے ساتھ بدکلامی بھی کرتا ہے اور دھمکیاں دیتا ہے۔ عظمٰی گل صاحبہ نے مجھے فون کر کے بتایا کہ جنرل صاحب کے بیٹے عبداللہ اور عمر والد کی پنشن تک کھا جاتے ہیں۔ والدہ علیل ہیں۔ ان کی حالت بہت خراب ہے۔ عمر گل آسٹیریلیا میں جا بیٹھا ہے۔ عبداللہ گل والد کے ساتھ بھی گستاخی اور بدتمیزی کرتا تھا اور والد ان بدتمیزیوں کی وجہ سے دنیا سے رخصت ہو گئے۔'' بھائی اس کے الٹ بیان کر رہے ہیں کہ بہن زیادتی کر رہی ہے اور بھائیوں کی جائیداد ہتھیانا چاہ رہی ہے۔ دونوں میں سے کون درست ہے یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی دشمن کو بھی ایسا دن نہ دکھائے کہ باپ بیٹوں کی گالیوں کے زخم جھیلتا اس دنیا سے رخصت ہو۔ اور ماں دکھوں اور بیماریوں سے چور یہ نظارہ دیکھنے کے بعد بھی زندہ ہو۔''

افغانستان میں ہم امریکی ملازم یا لڑائی کے کرائے کے مرغے تھے

''شہزادہ بندر بن سلطان سعودی خاندان کے سنیئر رکن اور امریکہ میں 22 سال تک سعودی عرب کے سفیر صاحب کے انکشافات ''دی پرنس'' نامی اپنی کتاب میں اور شہزادہ محمد بن سلیمان کے 22 مارچ 2018 کو واشنگٹن پوسٹ میں کئے گئے

انکشافات نے ایسے تمام جہادی ہیروز کو زیرو بنا کر رکھ دیا ۔شہزادہ بندر بن سلطان کے بقول اس جنگ میں امریکہ اور روس دو مرغ لڑانے والے شکاری تھے اور ہم تھے لڑنے والے مرغے۔شہزادہ محمد بن سلیمان کے الفاظ کا چناؤ بڑا حیرت انگیز ہے آپ فرماتے ہیں کہ ''سرد جنگ کے دوران مغرب کو اسلامی دنیا میں وہابیت کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہم نے مغرب کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے وہابی مدارس اور مساجد کی تعمیر میں سرمایہ کاری کی'' واہ تعمیر مساجد، عیسائیت، سرمایہ کاری۔ ''شہزادہ بندر بن سلطان کی کتاب نے تو گویا ڈیٹر جنٹ کا کام کیا ہے اور افغان جنگ کے بارے میں میری نسل کے تمام تصورات دھو کر رکھ دیئے ہیں۔میری نسل افغان جنگ کے دوران پل کر جوان ہوئی تھی لہذا ہم اُسے کفر اور اسلام کی جنگ سمجھتے تھے لیکن یہ کتاب پڑھ کر معلوم ہوا کہ یہ کفر اور اسلام کی جنگ نہیں تھی بلکہ وہ مریکہ اور سوویت یونین کی انا کا ٹکراؤ تھا اور سعودی عرب اس ٹکراؤ میں امریکہ کا حلیف تھا۔ ''

جنرل ضیاء الحق صلاح الدین ایوبی نہیں بلکہ ایک مہرہ تھا

''جنرل ضیاء الحق سلطان صلاح الدین ایوبی نہیں بلکہ ایک مہرہ تھا اور امریکہ نے یہ جنگ ڈالروں کے سر پر جیت لی۔اس جنگ میں ہمارا کردار ٹشو پیپرز سے زیادہ تھا ہی نہیں۔ہم امریکہ کے حلیف یا دوست نہیں بلکہ ملازم تھے اور ہمیں ہماری ملازمت کا باقاعدہ معاوضہ ملتا رہا'' (جاوید چودھری کا مستقل کالم زیرو پوائنٹ زیر عنوان افغانوں کا بے گناہ لہو بول رہا ہے۔ ''

تبصرہ قندیل حق

جنرل حمید گل صاحب نے پاکستانی قوم کے ساتھ کیا کیا اور خاص طور پر احمدیہ جماعت کے ساتھ کیا مظالم روا رکھے اس پر تو ہمیں کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اپنے مولا کے حضور حاضر ہو گئے اب ان کا معاملہ اللہ کی عدالت میں ہے۔ہاں ان کے بچوں کے لئے دعائے خیر کی جاسکتی ہے کہ اللہ ان کو ہدایت دے اور اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ باقی یہاں تک افغانستان کی جنگ ،ڈالروں کی بارش،کرائے کے لڑا کا مرغے،امریکی مہرے،وہابی مساجد اور مدرسے امریکی ڈالرز سے اور ہمارا کردار ایک ٹشو پیپر سے زیادہ نہیں۔ان تمام اعترافات اور حقائق کے بعد بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جہاد کا منکر کہنے والوں کو شرم کرنی چاہئے اور اپنے نام نہاد جہاد کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جاری جہاد بالقرآن سے موازنہ کریں کہاں 210 ملکوں میں اسلام کی فتوحات اور کہاں کرائے کے مرغے　انا للہ وانا الیہ راجعون

مفتی منیب الرحمٰن صاحب آپ کی کل والی سوچ غیر اسلامی تھی یا آج والی؟؟؟

مفتی منیب الرحمٰن صاحب　آپ 17 ستمبر 2018 روزنامہ دنیا میں زیر عنوان ''دینی مدارس وجامعات کا مسئلہ' وزیر اطلاعات جناب فواد چوہدری صاحب کی گوشمالی کرتے ہوتے ہوئے فرما رہے تھے ''جناب عمران خان کو فواد چوہدری صاحب ایسے ترجمانوں کو حدود میں رہنے کی ہدائیت کرنی چاہئے۔وزیر کے لفظی معنی ہیں بوجھ اٹھانے والا۔عاطف میاں کے مسئلہ پر فواد چوہدری صاحب نے ترنگ میں آکر کہا ہم دو کروڑ ووٹ لے کر آئے ہیں ہم کسی کے دباؤ میں نہیں آئیں گے۔جناب والا ! سب سے زیادہ ووٹ حاصل کر کے آپ کو حکمرانی کا استحقاق تو مل جاتا ہے لیکن اس کی بنیاد پر حق و باطل کا فیصلہ کرنے کا حق آپ کو نہیں دیا جاسکتا ورنہ کربلا میں عددی برتری تو امام حسین رضی اللہ عنہ کے مخالف لشکر کو حاصل تھی ''

تبصرہ قندیل حق

حضور والا یہ کیا ماجرا ہو گیا۔آپ جو اکثر الفاظ چبا چبا کر اعلان فرمایا کرتے تھے کہ دیکھیں کثرت نے فیصلہ کر دیا ہے کہ احمدیہ کمیونٹی کے لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں اب یہ اس قانون کو نہ مان کر ملکی قانون کے بھی دشمن ہیں اور اکثریت کے فیصلے کے بھی۔انہیں ہر صورت میں اکثریت کے فیصلے کو مان کر نہ صرف اپنے آپ کو غیر مسلم مان لینا چاہئے بلکہ غیر مسلموں کی طرح نماز روزہ حج کو چھوڑ دینا چاہئے اور کافروں جیسے کام کرنا چاہئے۔مگر اب جب ہمارے نئے پاکستان کے وزیر اطلاعات جناب فواد چوہدری صاحب نے بھی آپ کا فارمولہ اُچک لیا اور جب آپ پر عاطف میاں کے فیصلے کو واپس لینے کا کہا گیا تو آپ نے بھی جواب میں اعلان کر دیا تھا کہ دیکھیں ہم دو کروڑ ووٹ لے کر آئے ہیں اور ہم اکثریتی پارٹی ہیں کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمیں بلیک میل کرے ۔اب مفتی صاحب اپنے ہی فارمولے کے خلاف میدان میں آگئے اور اگلا بیان داغ دیا ہے کہ نہیں اکثریتی ووٹ کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ آپ،کون حق پر ہے اور کون جھوٹا کا فیصلہ کرنے لگ جائیں ورنہ عددی اکثریت تو کربلا میں یزید کو تھی۔مفتی صاحب بتائیں یہ کہیں دوہرا معیار تو نہیں ہو گیا؟ احمدی لوگ بھی تو اسی اصول کو لے کر پچھلے 40 سال سے دہائیاں دے رہے ہیں کہ صاحب آپ اکثریت میں ضرور ہیں مگر اس اکثریت کی دھونس پر آپ کسی کے کافر یا مسلم کا فیصلہ نہ کیجئے۔ہاں اپنے بارے میں ضرور بتایئے آپ کیا ہو مگر دوسرے کے بارے میں کہ وہ کیا ہے یہ آپ کا حق نہیں ہے اور اسی کا نام تو ظلم ہے ظلم کی تعریف یہی تو ہے کہ وضع الشیء غیر محلہ ۔اسی سے ملتی جلتی صورتحال جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو بھی پیش آئی تھی۔اسمبلی میں اکثریت کے ووٹ کے ساتھ احمدی اقلیت کو غیر مسلم اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا مگر　ابھی چند قدم کا فاصلہ بھی طے نہ کر پائے تھے کہ پاکستان کی عدالت　علیا نے آپ کے اسلام　اور مسلمان ہونے پر سوالیہ نشان لگا دیا۔آپ

بھی مفتی منیب الرحمٰن صاحب کی طرح عدالت میں بیان دیتے ہوئے رو پڑے تھے کہ کسی اکثریت، کو کسی عدالت، کو بلکہ کسی کو بھی کیا حق ہے کہ وہ دوسرے کے ایمان کا فیصلہ کرے۔ آپ 21 مئی 1978 کو عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہے تھے ''ایک اسلامی ملک میں ایک کلمہ گو کے عجز کے لئے یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہوگا کہ وہ یہ ثابت کرے کہ وہ مسلمان ہے۔

''ہم اللہ کی نظروں سے گر گئے ہیں۔علماء کی گھناؤنی حرکات نے لوگوں کو اسلام سے دور کر دیا ہے''*

سہارن پور (یوپی) انڈیا سے شائع ہونے والا مذہبی رسالہ ماہنامہ رسالہ نقوش اسلام اپنی جنوری فروری 2019 کی اشاعت میں زیر مضمون ترجیح یا فتح و غلبہ لکھتا ہے

''اس دنیا میں اتحاد و اخوت کی غیر معمولی اہمیت کے باوجود اس وقت مسلمان سب سے زیادہ انتشار کا شکار اور باہم نبرد آزما ہیں۔کینہ، دشمنی، نفرت، اور ایک دوسرے کے خلاف زبان درازی اور دست درازی نے ان کو اُس پروردگار کی نگاہ میں گرا دیا ہے۔وہ خود اپنی نظروں میں ذلیل وخوار ہو گئے ہیں اور دنیا کی ساری قوموں کے سامنے بے آبرو اور عریاں۔اور اس پر یہ شکائیت بے جا ہے کہ دنیا کی قومیں ان کے مقابلہ میں آگے بڑھ رہی ہیں۔علماء کا فرض تھا کہ اتحاد قائم کرنے کی کوشش کرتے مگر ہائے افسوس کہ خود علماء نے بہت سے غیر اہم مسئلے کھڑے کر دیئے ہیں۔۔اُمت کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ہر گروہ کو دوسرے سے بغض و نفرت ہے اور ہر حلقہ دوسرں کی توہین و تذلیل کے لئے کوشاں۔ہم جو گندی زبان استعمال کرتے ہیں جس طرح دوسروں کی عزتوں سے کھیلتے ہیں اور جس طرح کی گھناؤنی حرکتیں کرتے ہیں اس نے عام پڑھے لکھے لوگوں کو علماء ہی سے نہیں بلکہ اسلام سے بدظن کر دیا ہے۔ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ وہ جنگ ہے جس میں جیتنے والا ہارنے والے سے بدتر ہے اور جیتنے اور ہارنے والے دونوں گروہ مسلمانوں کی پستی و ادبار اور اسلام کی بدنامی کے ذمہ دار ہیں'' (ماہنامہ نقوش اسلام جنوری فروری 2019 ص 13 زیر مضمون ترجیح یا فتح وغلبہ مضمون نگار ڈاکٹر مولانا محمد اکرم ندوی آکسفورڈ یو کے)

تبصرہ قندیل حق

ساری عمر دوسروں پر گندگی اچھالنے والے اب اپنے کپڑوں کے گندے ہونے کا رونا روئیں تو جناب محمد حنیف جالندھری صاحب کی آواز میں یہی کہا جا سکتا ہے

محبت گولیوں سے بو رہے ہو
وطن کا چہرہ خوں سے دھو رہے ہو
گماں تم کو ہے کہ رستہ کٹ رہا ہے
یقیں مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہو

(ماہنامہ وفاق المدارس ص 4 فروری 2019 جلد نمبر 16 شمارہ 6 مدیر اعلیٰ محمد حنیف جالندھری)

میرے وطن کے ''مولانے''

پاکستان کے مشہور اینکر اور کالم نگار جناب شاہنواز فاروقی صاحب نے پاکستان میں مولوی حضرات کے جلی کارناموں کو موضوع سخن بنایا۔تو مفتی منیب الرحمن صاحب نے ان کی اس گستاخی کو اپنے کالم میں درج کرتے ہوئے لکھا 'نام لکھنے کی ضرورت نہیں' آپ خود سمجھ جائیں گے کہ اتنا ''شیریں دہن'' معروف دانشور کون ہے'ان سے کسی مولانا کے حوالے سے سوال ہوا تو وہ بھرے بیٹھے تھے' چھلک پڑے۔۔'' جنابِ شاہنواز فاروقی کے کالم میں درج ذیل اقتباسات پڑھئے آپ بھی ان کے افکار سے لطف اندوز ہوں:

''یار خدا کا واسطہ! یہ ''مولانے'' مسلمانوں کو جینے دیں' انہیں زندہ رہنے دیں' یہ ہمارے بچوں کو مغرب سے مقابلہ کرنے دیں' احسان کریں' کس بات کا انتقام لے رہے ہیں یہ ہم سے۔ بیڑہ غرق ستیاناس مسلمانوں کا تب سے شروع ہوا جب مولانا اسلام نے کہا پرنٹنگ پریس نہیں چاہیے' ہم صدیوں پیچھے چلے گئے' پہلا میڈیکل کالج' مولانا نے کہا: نہیں یہ غیر اسلامی ہے۔صبح کرتے ہیں' یہ فلش سسٹم' ٹوتھ پیسٹ' یہ سب اہلِ مغرب لائے' سمجھ آئی بات۔کوئی کنویں کھودنے والے (یعنی مسلمان) نہیں' یہ ہینڈ پمپ گورا لایا تھا' یہ رحم کریں ہم لوگوں پہ' بیمار ہوتے ہیں پہنچ جاتے ہیں ہسپتال' کوئی ایک دوائی' کوئی وہ جسے سرجیکل کہتے ہیں' آلات' مشین' وہ تمہاری میری بنائی ہوئی ہیں' شرم نہیں آتی' اس سے تو بہتر ہے مر جائیں۔ہسپتال جانے کا مطلب ہے کہ آپ نے خود کو مغرب کے رحم وکرم پہ ڈال دیا' سارے ٹیسٹ وغیرہ یہ وہ۔جہاز پر بیٹھتے ہیں حج اور عمرہ کا ثواب کمانے' تو یار کوئی تو پانچ فیصد ثواب اُس (کافر) کو بھی دے دو جس نے تمہیں Facilitate کیا۔عمریں بیت جاتی تھیں حج اور عمرہ پہ جاتے ہوئے' واپس آتے ہوئے اور پتا بھی نہیں ہوتا تھا کہ واپس لوٹے گا کہ نہیں' اب ہماری زیادہ تر مسجدیں ماشا اللہ ائر کنڈیشنڈ ہیں' وہاں بیٹھ کے پرسکون طریقے سے اب آپ نماز ادا فرماتے ہیں۔بجلی انہوں نے دی جس کے صدقے یہ گفتگو ہو رہی ہے اور کروڑوں لوگوں تک پہنچ رہی ہے۔ریل اور کار' اس پہ تشریف رکھ لیتے ہیں اور کروڑوں پہ ہاں' سائیکل سے لے کر سیٹلائٹ تک اہلِ مغرب نے' پولٹری سے لے کر ہائی بِرڈ سیڈ تک' ٹی وی سے لے کر سپر کمپیوٹر تک' سمارٹ فون سے لے کر خون کی تبدیلی تک انہوں نے دی' کوئی شرم حیا ہمیں نہیں آتی۔انجکشن جس کا مذاق اڑایا تھا ''ملا

حضرات'' نے لاوڈ سپیکر کا مذاق اڑایا' اسے شیطانی آلہ قرار دیا۔ڈسپرین سے لے کر لیور ٹرانسپلانٹ تک ۔ میں دعا گو ہوں اللہ ان کی صحت درست رکھے' چلتے پھرتے جائیں' لیور ٹرانسپلانٹ کی نوبت نہ آئے۔ خدا کا خوف کرو' روبوٹ سے لے کر مریخ تک جانا ہے' یہ ہمارے پلے کیا ہے' یہ جو عہدِ حاضر ہے اس میں مسلمانوں کی بنی نوع انسانی کے لئے ایک کنٹری بیوشن بتاؤ او زندگیاں تم ان کے صدقے گزار رہے ہو۔ترکی سے انہوں نے برباد' سلطنت عثمانیہ' خلافت عثمانیہ' تین کانٹی نینٹ پہ حکومت' انہوں نے مسلمانوں کو ایسا ریورس پر ڈالا' ان کے نزدیک پتا ہے کیا ہے مغرب۔ننگی ٹانگیں اور حجاب نہ ہونا یا الکوحل اور نہیں ہے۔ ایڈیسن نے اپنی زندگی دے دی' ہمیں ایک ہزار سے زیادہ ایجادات دینے کے لیے' ان کو یہ کیوں نہیں لگتا' ان کے دماغوں میں اہلِ مغرب بھی مخلوق ہے میرے رب کی مخلوق ہے۔قرآن ایک وزڈم بتاتا ہے' لکھا ہے: بے شک تم غالب آؤ گے اگر تم مومن ہو' غالب ہمیشہ وہ ہوتا ہے جو مومن کے قریب تر ہو اور ہم جھوٹے لوگ ہیں۔ ہمارے یہاں خالص چیز کوئی نہیں ملتی' وہاں ملاوٹ کا تصور ہی نہیں ہے' دو نمبر فیکٹریاں ہیں' ملک لوٹ کر باہر جاتے ہیں' او تم کرتے کیا ہو؟ اور گالیاں اہلِ مغرب کو' او کس بات پہ ہم ایٹمی طاقت ہیں' تم ایٹمی طاقت کہاں سے ہو' یہ تو سیکنڈ ورلڈ وار میں ایک پرزہ' ایک آلہ' یہ اسلحہ' یہ تو استعمال ہو چکا' اس سے پہلے اسے Conceive کیا گیا تھا' بنالیا گیا' پھر یہ ہیروشیما' ناگاساکی یہ تو پھر۔تو ہم ایٹمی طاقت' ٹینک' یہ جتنا ماڈرن ہتھیار ہے' کدھر ہے' یہ کون لوگ ہیں' اہلِ مغرب اوئے اہل مغرب سے مقابلہ کرنے کے لیے بچے تیار کرواپنے' اپنے بچے تیار کرو ورنہ ہمارے بچے ان کے قدموں تلے روند دیے جائیں گے' جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ او اعلیٰ تعلیم کے لئے جاتے کہاں ہو تم' تمہارے تو پورے ملک میں اعلیٰ تعلیمی ادارہ ڈھنگ کا نہیں ہے' یہ میرا بلڈ پریشر تباہ کرنے کے لیے تم نے یہ سوال کیا ہے' مولانا خدا کا خوف کرو' ڈر و اس طرح کی باتیں کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری نظر میں روزِ محشر نہیں ہے' انصاف نہیں ہونا' اس کا مطلب یہ ہے' اہلِ مغرب مورلیٹی میں' اخلاقیات میں بلند ترین مقام پر فائز ہیں' میں کہہ رہا ہوں' دو فتویٰ میرے خلاف اور ہمارے قدم قدم پر تمہارے الیکشن جھوٹے' خود کہہ رہے ہو' تمہاری اسمبلیاں جھوٹی' ہمارے الیکشن فراڈ' تمہارا وزیر اعظم' تمہارا سب کچھ غلط' ان کا سب کچھ صحیح' پھر اہلِ مغرب کی نقل کرلو' زندہ رہ لو' کیوں ہم کو برباد کر رہے ہو''۔

تبصرہ قندیل حق

مولانا ظفر علی خان ان مولوی حضرات کا نوحہ بہت پہلے ہی سے لکھ گئے تھے وہی یاد آرہا ہے کہ

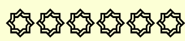
ہندووں سے ہے نہ سکھوں سے نہ سرکار سے ہے
گلہ رسوائی اسلام کا احرار سے ہے
حرف پنجاب میں ناموس نبی پر آیا
قائم اس ظلم کی بنیاد ان اشرار سے ہے
آج قرآن کی توہین وہی کرتے ہیں
واقفیت جنہیں قرآن کے سب اسرار سے ہے
آج اسلام اگر ہند میں ہے خوار و ذلیل
تو یہ سب ذلت اسی طبقہ غدار سے ہے

''یہ ذلت آمیز شکست اللہ کا عذاب ہے''

ماہنامہ بینات کے جنوری 2019 کے شمارہ میں زیرِ عنوان ''فتح وشکست کے حقیقی اسباب'' علامہ سید محمد یوسف بنوری صاحب لکھتے ہیں

''ظاہری اسباب اس وقت موثر ہوتے ہیں جب حق تعالی کی حکمت ومشیت کا تقاضا ہو ورنہ اسباب وتدابیر کا تمام کارخانہ بے کار و معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔مشرق اوسط کے درد انگیز حالات پر جہاں تک غور کیا، یہی سانحہ ہوا کہ ظاہری مادی اسباب ایسے نہ تھے کہ ایسی حیرت ناک اور ذلت آمیز شکست مسلمانوں کو ہوتی ۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری بداعمالیوں کی پاداش میں قدرت کا مخفی ہاتھ حرکت میں آیا ہے۔مصری حکومت پر غلط فہمی اور غفلت طاری کر دی گئی اور آن واحد میں پیوند خاک کر دیا گیا۔درحقیقت یہ اللہ کی طرف سے تازیانہ ہے کہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں۔خدا فراموش زندگی سے توبہ کرلیں۔یہ سانحہ کسی خاص ملک کے لئے نہیں بلکہ مصر،شام، تیونس، الجزائر، حجاز بلکہ تمام اسلامی ممالک کے لئے تازیانہ عبرت تھا۔ ماضی کی ہلاک شدہ قوموں کی عبرت ناک تباہی کی داستانیں پڑھنے سے جو بنیادی بات آدمی محسوس کرتا ہے وہ یہی ہے کہ ان کے دل ودماغ نشہ غفلت سے اس قدر ماؤف ہو چکے تھے ان پر عذاب آتا مگر انہیں یہ احساس بھی نہ ہوتا کہ حق تعالی کا عذاب ہے بس یوں ہی اسباب کی طرف منسوب کر کے اپنی جگہ مطمئن ہو جاتے''

(ماہنامہ بینات جلد 82 شمارہ 4 جنوری 201 مدیر ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر ص 12 تا 13)





مرکزِ توحید چاروں محترم آ گیا ہے بن سنور کر پانچواں







مہدی کا تابندہ گوہر پانچواں
قدرتِ ثانی کا مظہر پانچواں

کتنے روشن پہلے چاروں چاند تھے
یہ بھی ہے ماہِ منور پانچواں

آپ کے عہدِ مبارک میں ملا
مرکزِ توحید کا گھر پانچواں

ہم سے کم ایمان ، بونوں کے لئے
رب نے بھیجا ہے قد آور پانچواں

پیاسی روحوں کی بجھانے آ گیا
نُور سے بھرپور ساگر پانچواں

اونچا لہرانے صداقت کا علم
اترا میداں میں دلاور پانچواں

مرکزِ توحید چاروں محترم
آ گیا ہے بن سنور کر پانچواں

جا بُجھا قدسیؔ تو اپنی پیاس بھی
بہہ رہا ہے اک سمندر پانچواں

خاکسار: عبدالکریم قدسی 12-04-2019
USA ,001-540-388-7948



نائجر اور برکینا فاسو(مغربی افریقہ)کے
بارڈر پر کیپٹل سے 215 کلومیٹر دور
تیراڈیپارٹمنٹ میں تعمیر کی جانے والی احمدیہ مسجد



نائجر کے کیپیٹل سے 145 کلومیٹر دور صحرااعظم میں
دوسوریجن میں تعمیر کی جانے والی احمدیہ مسجد



یورپ سے آئے انجینئرز افریقی بھائیوں کے لئے پانی کی تلاش مہم پر



نائجر کے کیپٹل میں ترکش ہوٹل میں منعقدہ سیمینار زیرعنوان اسلام امن کا مذہب ہے تقریب سے نائجر کے مرکزی امام صاحب خطاب کر رہے ہیں جبکہ وزیر داخلہ کی نمائندگی میں ڈایریکٹر مذہبی امور سٹیج پر مکرم امیر صاحب کے ساتھ مرکزی مہمان ہیں مکرم اصغر علی بھٹی صاحب سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیتے ہوئے



مسجد مبارک، اسلام آباد یو کے

احمدیہ مسلم جماعت کی طرف سے یو کے میں نئی تعمیر شدہ مسجد

جو وسع مکانك کا الہام ہے
پورا اِک شان سے ہوا دوستو
آج اسلام کو پھر بفضل خدا
مِل گیا اِک مرکز نیا دوستو
اس میں مسجد مبارک بنی ہے نئی
جس سے پھوٹے گا نورِ ہدیٰ دوستو